مل سکے۔"

بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ خالد کا وہ خدشہ درست تھا۔ کیمپ کے لنگر خانے کا وقت ختم ہوچکا تھا پھر بھی آدھے گھنٹے کی قلیل سی مدت میں تازہ کھانا آپہنچا۔ اس کھانے میں کوئی تکلف یا آرائش نہیں تھی۔ بس تازگی اور ذائقے کا احساس ہر چیز پر بھاری تھا۔ کھانے کے بعد میں نے خالد کے فون کے بارے میں پوچھا تو وہ اپنی سائڈ ٹیبل پر رکھا ہوا انسٹرومنٹ میرے سامنے منتقل کرکے اپنے دفتر سے نکل گیا۔

"اپنے بارے میں غزالہ کی فکر مندی کا مجھے گہرا احساس تھا۔ میں نے فوراً ہوٹل کا نمبر ملالیا۔

"میں نے تمہیں صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ میں خیریت سے ہوں۔ مطلوبہ آدمی چھت سے الٹا لٹکا ہوا ہے۔" کمرے سے رابطہ ہونے پر میں نے کہا۔

"میں واقعی بہت فکر مند تھی۔ ویرا اور سلطان شاہ کو آپ کی طرف سے تشویش ہورہی تھی....."

"تو کیا تم ان سے میری شکایت کررہی تھیں؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر حیرت سے پوچھا "انہیں کیا پتا کہ لاہور میں کیا ہورہا ہے۔"

"مجھے شکایت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ آپ خود ان لوگوں کو ہر بات بتاتے رہے ہیں۔ میں نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ شاہد کو گھیرنے کے لیے آپ خود میدان میں نکل گئے ہیں۔ اس بات نے انہیں پریشان کردیا۔ کچھ دیر تک میں نے انہیں آپ کی خیریت کی اطلاع نہیں دی تو وہ دوبارہ فون کریں گے۔"

"اس بار فون کے اخراجات بہت بڑھ جائیں گے۔" میں نے طنز سے کہا "ویرا یا سلطان شاہ نے کیوں فون کیا تھا۔"

"ویرا بتانا چاہ رہی تھی کہ اس نے تالاب میں پہلا کنکر پھینک دیا ہے۔ اس نے جان کو فون کیا تھا۔"

"وہ احمق عورت ہے۔ ان معاملات کی اہمیت کو سمجھے بغیر اوٹ پٹانگ حرکتیں کررہی ہے۔ اب فون آئے تو اسے بتادینا کہ وہ کوئی زک اٹھائے گی۔"

"بہتر ہوگا کہ ایسی تلخ باتیں آپ خود اسے سنائیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ بہت منہ پھٹ ہے۔"

"تم کھانا کھا کر سوجاؤ۔ مجھے دیر ہوسکتی ہے۔ میں نے خالد کے ساتھ کھانا کھالیا ہے۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

غزالہ کی یہ بات درست تھی کہ میری ویرا سے براہ راست بات ہوچکی تھی [illegible]

جان اسمتھ کو بھارت کے سفر پر مجبور کرنے کے لیے خوف زدہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے مگر پھر بھی مجھے اس کا پیغام بے وقت کی راگنی کی طرح محسوس ہوا تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا وہ کم وبیش اسی وقت جان اسمتھ کو فون کرتی جب لاہور میں شاہد کو چلتی ہوئی سڑک سے اغوا کیا جارہا تھا۔ وقت کی وہ یکسانیت کسی ناپسندیدہ واقعے کا پیش خیمہ بن سکتی تھی۔

میں نے خالد کے دفتر میں بیٹھے بیٹھے تین سگریٹیں پھونک ڈالیں۔ غصہ ذرا ٹھنڈا ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ ویرا پر میری برہمی بلاجواز تھی۔ اول تو جان اسمتھ اور ہیومن سوسائٹی والوں کے درمیان اس وقت تک کوئی تعلق سامنے نہیں آیا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ ویرا کو قطعی علم نہیں تھا کہ میں شاہد کے خلاف کب کارروائی کرنے والا تھا۔ اگر اس نے بے خبری میں جان کو اسی وقت فون کرڈالا تھا تو یہ محض اتفاق تھا جس پر ویرا کو تنقید کا نشانہ نہیں بنایا جاسکتا تھا۔

چند منٹ بعد خالد واپس آپہنچا۔ آتے ہی اس نے بتایا کہ شاہد ہوش میں آچکا تھا۔ میں نے فوراً اپنی جگہ چھوڑدی۔

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔ وہ الٹا لٹکا ہوا ہے مگر پھر بھی اس کا دماغ خراب ہے۔ ہوش میں آتے ہی اس نے گالیاں بکنی شروع کردیں۔ اسے خاموش کرنے کے لیے میں نے دو چار تھپڑ لگائے لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔" راستے میں خالد نے کہا۔

"معزز طبقے میں شامل مجرموں کے ساتھ یہ مسئلہ رہتا ہے۔ خود کو نرغے میں پاکر وہ نروس ہوجاتے ہیں اور کسی مزاحمت کے بغیر ہتھیار ڈال دیتے ہیں یا پھر چراغ پا ہوجاتے ہیں اور برہمی کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے کہ وہ مکافاتِ عمل سے دوچار ہوچکے ہیں۔ جب تک ان کی اعصابی مزاحمت کو بے رحمی سے کچل کر ختم نہ کردیا جائے' وہ زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ شاہد کا تعلق اسی دوسری قسم کے مجرموں سے ہے۔"

"وہ کافی دیر سے الٹا لٹکا ہوا ہے۔ اس کا سارا جسمانی نظام تلپٹ ہوکر رہ گیا ہوگا مگر اس کا گھمنڈ بھی برقرار ہے۔ میں نے اس سے زیادہ چھیڑ چھاڑ نہیں کی تاکہ ابتدا سے ہی تم اس سے اپنے طور پر نمٹ سکو۔"

خالد نے وہ بات بہت سیدھے سادے انداز میں کہی تھی لیکن مجھے اس کے الفاظ میں ایک چیلنج سا محسوس ہوا۔

ہمارے درمیان مزید کوئی بات نہیں ہوئی۔ ہم برآمدے کا پختہ فرش طے کرکے اس کوٹھری تک پہنچ گئے جس کے دروازے پر خالد کے تین آدمی نظر آرہے تھے۔ وہ تینوں سادہ [illegible] تھے۔ ایک شخص

Downloaded from https://paksociety.com

نے بڑھ کر ہمارے لیے دروازہ کھولا اور ہم دونوں کوٹھری میں داخل ہوگئے۔

وہ کمرا زیادہ وسیع نہیں تھا۔ مختصر اور صاف ستھرا تھا۔ وہاں ایسی کوئی علامت نظر نہیں آرہی تھی جس کی بنا پر اسے عقوبت خانہ قرار دیا جاسکے۔ کمرے کے عین وسط میں چھت کی درمیانی کڑی سے بندھی ہوئی مضبوط رسی کے دوسرے سرے پر شاہد کی دونوں پنڈلیاں بندھی ہوئی تھیں اور وہ سر کے بل فضا میں بہت دھیرے دھیرے جھول رہا تھا۔ اس کی قمیص پتلون سے نکل کر گردن تک آئی ہوئی تھی۔ اس نے دامن کو گریبان میں اڑس کر اپنا چہرہ کھلا رکھا تھا مگر قمیص کا پچھلا دامن سر... سے نیچے جھول رہا تھا۔ اس کا چہرہ کافی تر تھا۔ کپڑوں پر بھی نمی نظر آرہی تھی مگر فرش صاف تھا۔ اسے ہوش میں لانے کے لیے جو پانی استعمال کیا گیا تھا' اسے پونچھ کر فرش کو خشک کیا جاچکا تھا تاکہ اس سے بازپرس کے دوسرے مرحلے میں گیلا فرش کسی دشواری کا باعث نہ بن سکے۔

شاہد کے دونوں ہاتھ آزاد تھے جو اس کے شانوں سے نیچے' فرش تک جھول رہے تھے۔ قدموں کی آہٹ پر وہ چونکا تھا۔ رسی کے بل کے ساتھ آہستہ آہستہ گھومتے ہوئے اس کا رخ ہماری طرف ہوا تو وہ تیوریوں کو چڑھائے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ دورانِ خون میں گڑبڑ ہونے کی وجہ سے اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ آنکھیں بھی خون کبوتر کی طرح سرخ ہورہی تھیں جن میں نفرت اور غصے کے الاؤ روشن تھے۔

میں دروازے سے اندر داخل ہوکر دور ہی رک گیا۔ خالد میرے پیچھے تھا۔ اس کا ایک آدمی اندر آکر بغلی دیوار کے ساتھ کھڑا ہوگیا تھا۔

"میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔" وہ تھوک کر حقارت سے بولا "تمہارا ریشہ ریشہ ادھیڑ ڈالوں گا۔ تمہاری...."

اس کی زبان سے گالیوں کا ایک طوفان ابل پڑا۔ رسی کے بل کے ساتھ اس کا جسم آہستگی سے گھوم رہا تھا مگر اس نے اپنی گردن گھما کر کینہ توز نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کی ہوئی تھیں۔ میں زبان سے کچھ کہے بغیر' سرد نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔

اس نے زور لگا کر اپنے دھڑ کو فضا میں اٹھانے کی ناکام کوشش کی مگر ایک جھٹکا کھا کر رہ گیا۔ وہ اپنی حرکتوں سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کررہا تھا کہ بے دست و پا ہونے کے باوجود وہ حوصلہ نہیں ہارا تھا۔ آزادی حاصل کرنے تک مقابلہ کرنے کا ارادہ کرچکا تھا۔

"تمہاری ہیومن سوسائٹی انسانی معاشرے پر ایک بدنما داغ ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا "اس کا ہر رکن [illegible] تمہاری [illegible] کہا جاسکتا ہے۔"

میں تمہارا نام سرفہرست ہے۔ سوسائٹی کیا کررہی ہے؟"

اس کے پاس گالیوں کا ایک نادر ذخیرہ تھا۔ میرے سوال کے جواب میں اس نے سوسائٹی کی سرگرمیوں کے بارے میں جو غلیظ کام گنوائے وہ کسی گھٹیا فرد کے لیے تو ممکن تھے مگر کسی تنظیم یا ادارے کے لیے ان پر کاربند ہونا ناممکن تھا۔

میں آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے فضا میں ہاتھ لہرا کر مجھے پکڑنے کی کوشش کی لیکن میں نے ٹھوکریں مار کر اس کے دونوں ہاتھوں پر ایسی ضربات لگائیں کہ وہ بلبلا اٹھا۔ "اپنے ناپاک ہاتھ میرے جسم سے دور رکھو ورنہ انہیں باندھ دیا جائے گا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اس کی کمر پکڑ کر اس کے جسم کو پوری قوت سے گھما دیا۔ ایک تیز جھٹکے سے اس کا جسم لٹو کی طرح گھومنا شروع ہوگیا۔ کڑی سے بندھی ہوئی رسی میں بل پڑنے شروع ہوگئے۔

اسے ایسے کسی اقدام کی توقع نہیں تھی' اس کے دہانے سے چند بوکھلائی ہوئی آوازیں برآمد ہوئیں۔ اس نے فضا میں ہاتھ لہرا لہرا کر اپنے بدن کی محوری گردش سے روکنے کی ناکام کوشش کی۔ میں الگ ہوکر وہ تماشا دیکھتا رہا۔ چند چکروں کے بعد شاہد کے گھومنے کی رفتار سست ہونے لگی۔ میں نے اس کی قمیص کا پچھلا دامن تھام کر اسے روک لیا۔ گردش رکتے ہی اس کے جسم کو دوسری طرف ہلکا سا جھٹکا لگا مگر وہ وہیں رکا رہا۔ میں دامن چھوڑ دیتا تو اس کے لٹکے ہوئے بوجھ سے رسی کے بل کھلنے لگتے اور اس کا بدن مخالف سمت میں چکرانا شروع کردیتا۔

"سوسائٹی کے دھندوں کے بارے میں بتاؤ ورنہ سزا کے لیے تیار ہوجاؤ۔" میں نے الٹے قدموں پیچھے سرک کر اسے اپنے ساتھ کھینچنا شروع کردیا "اگر تم نے فوراً بولنا شروع نہ کیا تو میں تمہیں پیچھے لاکر اچانک چھوڑ دوں گا۔ تمہارا بدن چکراتا ہوا جائے گا اور سامنے والی دیوار اسے محبت سے روک لے گی۔ تمہارا منہ ٹوٹتا ہے یا پسلیاں اس کا انحصار تمہاری قسمت پر ہوگا۔ یہ یاد رکھنا کہ اس کمرے کی دیواریں مضبوط پہاڑی پتھر سے بنی ہوئی ہیں۔"

"تم میرے ساتھ یہ ظلم نہیں کرسکتے۔" وہ حلق پھاڑ کر چیخا "یہ کھلی ہوئی درندگی ہے۔"

میں سفاکانہ انداز میں ہنس پڑا "کمال ہے! تمہیں اب بھی یقین نہیں آرہا۔ چلو پھر اصل تماشے سے پہلے ٹریلر ہی دیکھ لو۔ پوری بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔ دیوار سے ٹکرانے کے بعد بھی تم کسی آزاد پنڈولم کی طرح آگے پیچھے جھولتے رہو گے۔ سائنس کی زبان میں اسے سمپل ہارمونک

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے اسے چند فٹ پیچھے لانے کے بعد اچانک چھوڑ دیا اور اس کا جسم چکراتا ہوا تیزی سے دیوار کی طرف ہولیا۔ اس نے گہرے پانی میں ڈوبتے ہوئے کسی اناڑی کی طرح فضا میں اپنی دونوں ہاتھ لہرانے شروع کردیے مگر اس کی وہ کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ اس کے سر کا پچھلا حصہ شانوں سمیت دیوار سے جا ٹکرایا۔ دھماکے کی آواز اس کی تیز اور بے ساختہ چیخ میں دب کر رہ گئی۔ وہ اس ہلکی سی ضرب سے بے جان سا ہوگیا تھا۔

"یہ ٹریلر تھا۔ اگلی بار تمہیں پورے فاصلے تک کھینچ کر چھوڑا جائے گا اور یہ عمل بار بار دہرایا جائے گا۔" میں نے اسے آگاہ کیا۔ تمہارے سر، چہرے، شانے اور بازوؤں کی بیشتر ہڈیاں ٹوٹ پھوٹ جائیں گی۔ اس وقت تم کچھ بتانا بھی چاہو گے تو بولنے کے قابل نہیں رہو گے۔ تمہاری تواضع جاری رہے گی اور آخر کار تم یوں ہی سسک سسک کر مرجاؤ گے۔ تم الٹے لٹکے ہوئے ہو۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ تمہاری روح کہاں سے خارج ہوگی۔"

"تم سفاک درندے ہو۔ پتا نہیں مجھ سے کیا چاہتے ہو۔" وہ ہانپتے ہوئے پھنسی پھنسی آواز میں بولا "میں کچھ نہیں جانتا۔ میں تنخواہ دار ملازم ہوں۔ جو کام چوہدری عظمت بتاتا ہے، وہ کرڈالتا ہوں۔ تم اتنی معمولی سی بات نہیں سمجھ سکتے؟"

"تمہیں جو کچھ معلوم ہے وہ بتا ڈالو۔ چوہدری کی باری آئے گی تو اس سے بھی نمٹ لیا جائے گا۔" اس پر اپنا دباؤ بڑھانے کے لیے میں نے ایک مرتبہ پھر اس کی قمیص کا دامن پکڑا اور اس کے بدن کو پیچھے کھینچنا شروع کردیا۔ اس مرتبہ اس نے مجھے پکڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ چپ رہا۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس کی سوچ میں تبدیلیوں کا عمل شروع ہوچکا تھا۔ اسے راہِ راست پر لانے کے لیے مزید سرد مہری اور سفاکی کے مظاہرے کی ضرورت تھی۔

میں اپنی بات کہہ چکا تھا۔ بولنے کی باری اس کی تھی۔ اس نے زبان نہیں کھولی۔ میں اسے جہاں تک کھینچ سکتا تھا، کھینچ لایا پھر میں نے مزید کچھ کہے بغیر اطمینان سے اسے چھوڑ دیا۔ اس بار میں نے دانستہ رسی میں بل نہیں دیے تھے۔

وہ شاید میری طرف سے کسی وارننگ کی آس لگائے بیٹھا تھا۔ جسم کے حرکت میں آتے ہی اس نے تڑپنا، بدکنا اور چلانا شروع کردیا۔

اس کا وہ ردِعمل بعد از وقت اور بے سود تھا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اس نے خوف زدہ ہوکر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور ہتھیلیاں سیمنٹ کی [illegible]

اس کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ اس کے لیے یقیناً اذیت ناک رہا ہوگا۔ اس کا وجود دو ڈھائی من کے قریب وزنی رہا ہوگا۔ اسے دور تک لے جاکر چھوڑا گیا تھا۔ اس کی ہتھیلیاں چھپاکوں کے ساتھ دیوار سے ٹکرائیں اور جوڑ کی ہڈیاں بول گئیں۔ کہنیاں مڑتے ہی اس کا چہرہ دیوار سے جا ٹکرایا۔ ہتھیلیوں پر زور آجانے کی وجہ سے اس کے چہرے کی ضرب کی شدت میں کمی آگئی تھی مگر مجموعی طور پر وہ بکھر کر رہ گیا۔

"روکو... مجھے روکو... مجھے اس سولی سے اتارلو!" وہ ہانپتے اور کراہتے ہوئے گڑگڑانے لگا "میں تمہیں سب بتادوں گا۔"

"یہ کھیل دلچسپ ہے۔ اسے جاری رہنے دو اور مزید سوچ لو۔" میں نے بے رحمانہ ہنسی کے ساتھ اسے مشورہ دیا "اتارنے کے بعد تمہاری نیت بدل گئی تو تمہیں دوبارہ زیادہ لمبی رسی سے لٹکایا جائے گا جسے زیادہ دور تک لے جانا ممکن ہوگا۔ اس سے تمہیں زیادہ چوٹیں آئیں گی۔"

"مجھے کچھ نہیں سوچنا۔" وہ بلبلا اٹھا "تم خونی بھیڑیے ہو۔ تمہیں کچھ پتا نہیں کہ اللہ پاک نے انسانی خون کے ایک قطرے کی کتنی حرمت بتائی ہے۔ تم نے میرا چہرہ خون میں نہلا دیا ہے اور تمہارے دل پر کوئی اثر نہیں ہے۔"

"واہ بیٹا! اب تمہیں اللہ یاد آرہا ہے۔" میں نے زہریلی آواز میں کہا "ہیومن سوسائٹی میں تم اللہ کے بندوں کی بڑی خدمت کررہے ہو۔"

"ہم جو کچھ کررہے ہیں، کسی کا خون نہیں بہاتے۔" وہ گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے بولا "ہمارا دامن بالکل صاف ہے۔"

"قصور سے آنے والے ٹرک میں کیا آتا ہے اور کہاں بھیجا بلکہ بیچا جاتا ہے۔" میں نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"مجھے اتارو۔ میں ہر بات بتادوں گا۔ وہ میرے نہیں، چوہدری عظمت اور ملک اقبال کے کام ہیں۔ میں تنخواہ لیتا ہوں اور ان کی نوکری کرتا ہوں۔ میں بالکل بے قصور ہوں۔ تم نے بلاوجہ مجھے اپنی سنگ دلی کا نشانہ بنایا ہے۔"

میری اور خالد کی نظریں چار ہوئیں۔ دونوں کی نگاہوں میں استفسار تھا۔ میں نے لمحے بھر کے لیے شاہد کی بدلتی ہوئی کیفیات کے بارے میں سوچا اور پھر سر کو اثبات میں جنبش دے کر کمرے سے باہر آگیا۔ خالد نے میری تقلید کی۔ میں سگریٹ سلگاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ خالد اپنے تینوں آدمیوں کو ہدایات دینے لگا۔

خالد سے ہدایات لے کر وہ تینوں کمرے میں چلے گئے، خالد میرے پاس آگیا۔

"[illegible] گاڑی [illegible] موڑ نکلی، میرا دل

Downloaded from https://paksociety.com

خوش ہوگیا۔" اس نے آتے ہی کہا "مجھے امید نہیں تھی کہ شاہد یوں پسپا ہوجائے گا۔"

"ملزم کے ساتھ ہر احتیاط کی جانی چاہیے لیکن جب جرم کا یقین ہو تو مجرم کی زبان کھلوانے کے لیے سنگ دلی کا مظاہرہ ضروری ہوجاتا ہے۔"

"کس قدر آسان اور سادہ طریقہ ہے۔ لٹکاؤ' گھماؤ' کھینچو اور چھوڑ دو۔" اس نے تصور میں محظوظ ہوتے ہوئے کہا "نتیجے کا انحصار قسمت پر ہے۔ جہاں چوٹ آنی ہے' آکر رہے گی۔ مجرم کے کھلے ہوئے ہاتھ بھی اسے نہیں روک سکتے۔"

"دیکھنا ہوگا کہ یہ کیا کہانی سناتا ہے۔ ہمیں اتنا کم وقت ملا ہے کہ ہیومن سوسائٹی کے خلاف ہمارا ہوم ورک نامکمل ہے۔"

"کیمیکل کی اسمگلنگ کے شواہد موجود ہیں۔ ایک فلاحی ادارے کی آڑ میں یہ کام کرنا زیادہ سنگین جرم بن جاتا ہے۔" وہ بولا۔

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا لیکن شاہد سے بات کرتے ہوئے اچانک مجھے احساس ہوا تھا کہ البرٹ آئن اسٹائن کا نظریہ اضافیت زندگی کے ہر شعبے پر لاگو ہوتا ہے۔ کراچی یا لاہور جیسے شہر صدیوں سے جہاں ہیں' وہیں قائم ہیں۔ نیویارک والے انہیں مشرق میں تصور کرتے ہیں' انڈونیشیا والوں کے لیے یہ مغرب میں واقع ہیں۔ ہر بات کا تعین اس بات سے ہوتا ہے کہ اسے کس حوالے سے دیکھا جارہا ہے۔ اسی طرح جرم کا معاملہ تھا۔ ایک صاف ستھرے اور شفاف معاشرے میں ٹریفک سگنل کو نظر انداز کرکے آگے نکل جانا بھی جرم سمجھا جاتا ہے لیکن جہاں صحیح اور غلط کا امتیاز مٹ جائے' لوگ قانون کی پامالی کو باعث فخر سمجھتے ہوں' دولت کے حصول کی دوڑ میں جائز اور ناجائز کی تمیز اٹھ چکی ہو' وہاں جرائم کی تعریف اور تشریح بہت مختلف ہوجاتی ہے۔ بعض بڑے جرائم معمول بن کر رواج پانے لگتے ہیں اور کوئی انہیں قابل سزا قرار نہیں دیتا۔

شاید کچھ یہی حال ہیومن سوسائٹی کا بھی تھا۔ اگر وہ صرف کیمیکل کی اسمگلنگ میں ملوث تھے تو جرم ضرور کررہے تھے لیکن عام آدمی کے نکتہ نگاہ سے وہ کوئی بہت بڑا یا سنگین جرم نہیں تھا۔ تجارت پیشہ لوگ ٹائر' کپڑا' قیمتی آلات اور جوتے تک اسمگل کرکے عزت اور دولت کمارہے تھے۔ چوہدری عظمت ایک کیمیکل اسمگل کررہا تھا تو وہ کوئی بڑا مجرم نہیں تھا۔ ہاں جو لوگ جانتے تھے کہ وہ کیمیکل کس طرح پاکستان کی نوجوان نسل کو کھوکھلا اور تباہ کررہا تھا' ان کے نزدیک چوہدری عظمت اور اس کے مددگار ناقابل معافی مجرم تھے۔ میرا اور خالد کا شمار بھی ایسے لوگوں میں ہوتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ شاہد ہماری قید میں تھا لیکن بہت سے لوگوں کے لیے یہ بات ناقابل فہم ہوسکتی تھی کہ محض ایک کیمیکل کی اسمگلنگ کے جرم میں ہیومن سوسائٹی جیسے بڑے اور نیک نام فلاحی ادارے کو نیست ونابود کردیا جائے جس سے سیکڑوں یا شاید ہزاروں مستحقین فیض حاصل کررہے تھے۔

ہیومن سوسائٹی پر براہ راست وار کرنے کے لیے کچھ اور مواد کی اشد ضرورت تھی جو اس وقت ہمارے پاس نہیں تھا۔

میری نظروں میں شاہد کی اہمیت یک بہ یک بڑھ گئی۔ وہ ہیومن سوسائٹی کا تنخواہ دار ملازم ضرور تھا مگر شاید اعلیٰ ترین ملازم اور اپنے مالکان کا معتمد خاص تھا۔ وہ گھر کا بھیدی تھا جسے چوہدری عظمت کی سرگرمیوں کا علم ہونا چاہیے تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ ہم بازپرس کے دوران میں اس سے کیا کچھ اگلوا سکتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد خالد کے ایک آدمی نے اطلاع دی کہ زخمی قیدی کو کھولا جاچکا تھا۔ اسے کوئی طبّی امداد نہیں دی گئی تھی مگر اس کے زخموں کی صفائی کردی گئی تھی۔ وہ پیغام سنتے ہی میں خالد کے ساتھ دوبارہ اس مختصر کمرے کی طرف چل دیا جہاں شاہد موجود تھا۔

وہ ننگے فرش پر ہاتھ پیر پھیلائے چت لیٹا ہوا تھا۔ زخموں کی صفائی ہوجانے کے باوجود اس کے چہرے کے تازہ زخموں سے رسنے والے خون نے اسے ڈراؤنا بنا دیا تھا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ ہماری آہٹوں پر اس نے متورم آنکھوں سے ہماری طرف دیکھا اور پھر پپوٹے بند کرلیے۔

"اداکاری سے کام نہیں چلے گا۔ اب تم کو بولنا ہے۔" میں نے سختی سے کہا "تم نے مکاری سے کام لیا تو دوبارہ ٹانگ دے جاؤ گے۔"

"آنکھیں بند کرکے مجھے سکون مل رہا ہے۔" اس نے کمزور آواز میں کہا "میں تمہارے سوالوں کے جواب دوں گا۔ تم جو چاہو پوچھ سکتے ہو۔"

"ہمارے پاس فالتو وقت نہیں ہے۔ تم اپنی سوسائٹی کی کتھا سناتے چلے جاؤ جو باتیں رہ جائیں گی' وہ ہم پوچھ لیں گے۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بتاؤں۔ تم نے مجھے پکڑا ہے تو کچھ طے کرنے کے بعد ہی پکڑا ہوگا۔ قصور والا بزنس بھی تمہارے علم میں ہے۔"

"جو کچھ ہم جانتے ہیں' وہ ہمارے ذرائع سے ہم تک پہنچا ہے۔ اپنی کہانی تم خود سناؤ گے۔"

"ہماری سوسائٹی بظاہر مظلوم افغانوں اور دوسرے [illegible] کے قیام کا مقصد کچھ اور

Downloaded from https://paksociety.com

تھا۔" اس نے چند ثانیوں تک خاموشی سے کچھ سوچنے کے بعد کہنا شروع کیا "تم کو معلوم ہے کہ آزاد قبائلی علاقوں میں منشیات سے ہتھیاروں تک ہر چیز کی کھلی تجارت ہوتی ہے لیکن باہر سے جانے والے ایسی چیز خرید کر لوٹیں تو انہیں پکڑلیا جاتا ہے۔ ان علاقوں میں آنے جانے والوں پر کڑی نگاہ رکھی جاتی ہے لیکن ہیومن سوسائٹی کی آڑ میں ہماری گاڑیوں اور عملے کو وہاں آنے جانے کی پوری آزادی ہے۔ ان کے ساتھ کوئی روک ٹوک ہوتی ہے نہ گاڑیوں کی تلاشی لی جاتی ہے۔ یوں سمجھ لو کہ ہماری سوسائٹی کو وہاں آزادانہ آمدورفت کا کھلا پرمٹ ملا ہوا ہے۔"

وہ سانس لینے کے لیے رکا تو میں نے فوراً اسے لقمہ دیا "افغان مہاجرین اور آزاد قبائلیوں میں دلچسپی کا معاملہ سامنے آگیا ہے۔ اس دلچسپی کے اسباب پر بھی روشنی ڈالتے چلو تو بات مکمل رہے گی۔ چوہدری عظمت یا تمہاری سوسائٹی کو ان علاقوں میں رہنے والوں سے اتنی ہمدردی کیوں ہوگئی؟"

"جو لوگ دل کھول کر پیسا دیتے ہیں' وہ اپنے مقاصد کی تکمیل بھی چاہتے ہیں۔ تمہیں معلوم ہوگا کہ امریکا کی فل برائٹ فاؤنڈیشن سے ہیومن سوسائٹی کو بھرپور گرانٹ ملتی ہے۔"

میں نے معنی خیز نظروں سے خالد کی طرف دیکھا پھر شاہد سے پوچھا "تمہاری رپورٹوں اور ریکارڈ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔"

"ریکارڈ پر جو کچھ ہے' وہ دنیا کے سامنے ہے۔ میں تمہیں صرف وہ باتیں بتا رہا ہوں جو تم جاننا چاہتے ہو اور وہ ریکارڈ میں کہیں نہیں ملیں گی۔"

"اس فاؤنڈیشن سے رقوم کیسے آتی ہیں اور کہاں جاتی ہیں۔" خالد نے پوچھا۔

"گرانٹ کسی غیر ملکی بینک میں چوہدری عظمت کے اکاؤنٹ میں جمع ہوتی ہے۔ یہاں کچھ رقم بے نام عطیوں کی صورت میں سوسائٹی کے فنڈ میں آجاتی ہے۔ بقیہ رقم چوہدری عظمت براہِ راست استعمال کرتا ہے۔ بیچ میں کتنی رقم غائب ہوجاتی ہے' اس کا مجھے پتا نہیں چلتا۔"

"چوہدری عظمت یہ گرانٹ کہاں اور کس مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے؟" شاہد کے چشم کشا انکشافات سن کر میرا تجسس بڑھ رہا تھا۔ کیمیکل کی اسمگلنگ پس پشت چلی گئی تھی۔ اس سے کہیں بڑے اور سنگین معاملات سامنے آرہے تھے جن کی ہمیں بھنک بھی نہیں ملی تھی۔

"فل برائٹ فاؤنڈیشن امریکا بچاؤ نامی ایک خفیہ پروجیکٹ چلا رہا ہے جس کا مقصد ہے کہ اگلے دس برسوں میں امریکی معاشرے سے منشیات کی لعنت کو جڑ سے ختم کردیا جائے۔ یہ پروجیکٹ جنگ' مقابلے اور قانونی انسداد کے بجائے سرمایہ کاری کے اصول کے تحت کام کررہا ہے۔ وہ لوگ جنوبی امریکا اور ایشیا کے ملکوں میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کررہے ہیں۔ چوہدری عظمت کو قبائلی علاقوں سے ہیروئن کی زیادہ سے زیادہ مقدار خرید کر یہیں تلف کرنے کا ہدف دیا گیا ہے۔ ہماری گاڑیاں یہاں سے امدادی سامان لے کر ادھر جاتی ہیں اور واپسی پر ہیروئن کے چند تھیلے لے کر خاموشی سے لوٹ آتی ہیں۔"

وہ بالکل نئی اطلاع تھی۔ شی ختم ہوگئی تھی مگر اس کا نظریہ زندہ تھا۔ شی ہیروئن کی مقامی پیداوار کو مقامی منڈیوں میں کھپانے کے مذموم منصوبے پر کام کررہی تھی۔ امریکا بچاؤ پروجیکٹ میں پیداوار کو تلف کرنے پر زور دیا جارہا تھا۔ دونوں کوششوں کا مقصد ایک تھا کہ اسمگلنگ کے لیے ہیروئن کی مقدار کو زیادہ سے زیادہ گھٹایا جائے۔

"یہ تھیلے کا کام ہے۔ ہر مرحلے پر لاکھوں کا ہیر پھیر ممکن ہے۔ تم لوگوں کی خریدی ہوئی ہیروئن یہاں بکتی ہوگی۔" میں نے اضطراری انداز میں کہا۔

"صاف ستھرے کام براہِ راست حکومتوں اور کاروباری اداروں کے ذریعے کیے جاتے ہیں۔" شاہد نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "جہاں تھیلے ہوتے ہیں' وہاں این جی اوز کو استعمال کیا جاتا ہے۔ گرانٹ دینے والوں کو اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دی ہوئی گرانٹ کا بڑا حصہ غت ربود کرلیا جائے گا اسی لیے وہ بہت بڑے بڑے فنڈ جاری کرتے ہیں۔ چوری' بے ایمانی اور غبن کے باوجود ایک بڑی رقم اصل مقصد پر خرچ ہوتی ہے۔ یہی ہم بھی کررہے ہیں۔"

"میں نے ہیروئن کی فروخت کے بارے میں پوچھا تھا۔" میں نے سخت لہجے میں اسے یاد دلایا۔

"جب قدم قدم پر چوری اور بے ایمانی کی کھلی چھوٹ ہو اور یہ یقین ہو کہ اس لوٹ مار کا کبھی حساب نہیں لیا جائے گا تو کون رک سکتا ہے۔ ہیروئن کا لین دین کچا کام ہے جس کا کوئی ریکارڈ نہیں ہوتا۔ چوہدری عظمت کچھ ہیروئن لاہور کے دو ڈیلروں کو دیتا رہتا ہے۔"

خالد کا یہ اندازہ بالکل درست ثابت ہوا کہ لاہور کی آبادیوں میں ہیروئن کی کھپت میں یکایک اضافہ ہوگیا تھا۔ وہ لوگ جو منشیات فروشی کے گھناؤنے کاروبار سے وابستہ تھے' اپنا اپنا زہر مسلسل فروخت کررہے تھے۔ چوہدری عظمت کے ذریعے مارکیٹ میں پہنچنے والی ہیروئن کی مقدار اضافی تھی جو ان ہی علاقوں میں بچی جاتی ہوگی۔" بات بالکل الٹ گئی تھی۔ چوہدری عظمت ساہوکار کے بجائے پکا چور ثابت ہورہا

Downloaded from https://paksociety.com

تھا۔ اسباب خواہ کچھ بھی رہے ہوں' وہ موت کے سوداگروں اور منشیات فروشوں کی ٹولی میں شامل تھا۔

"اگر وہ کچھ ہیروئن دو ڈیلروں کو دیتا ہے تو بقیہ ہیروئن کہاں جاتی ہے؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ہر ایک دو مہینوں کے بعد امریکا سے فل برائٹ فاؤنڈیشن کا کوئی عہدے دار لاہور آتا ہے۔ اس کی دیکھ بھال اور اطمینان کے بعد چوہدری عظمت اس کی نگرانی میں وہ ہیروئن راوی کے گدلے پانی میں یا کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دیتا ہے۔ ہیروئن تلف ہوتے ہی پچھلی گرانٹ کا حساب برابر ہوجاتا ہے۔ چند روز بعد نئی گرانٹ جاری ہوجاتی ہے۔"

"اس دوران میں طور زخم پار سے آنے والی ہیروئن کہاں رکھی جاتی ہے؟" میں نے بے چینی سے سوال کیا۔

"اس کام میں ہیومن سوسائٹی کی گاڑیاں اور اعتماد کے دو تین آدمی ضرور حصہ لیتے ہیں لیکن ہیروئن کہیں نہیں ہوتی۔ میں سب تھیلے چوہدری عظمت کے گھر پہنچادیتا ہوں۔ فاؤنڈیشن کے افسر کے دورے تک سب مال وہیں جمع ہوتا ہے۔ ڈیلروں سے لین دین بھی وہ خود کرتا ہے۔"

"یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔ سرائے کی فراہمی اور ہیروئن کی خرید و فروخت۔ ابھی تک تم نے کیمیکل کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"یہ بعد کی کہانی ہے۔" وہ بے چون وچرا ہر بات بتاتا چلا جارہا تھا۔ "ہماری زبان میں وہ کیمیکل اے این ایچ کہلاتا ہے۔ اس کے بغیر ہیروئن نہیں بن سکتی اور انیم بیچنے میں کوئی خاص نفع نہیں ملتا۔ اے این ایچ بھارت سے چوری چھپے آتا ہے۔ حالات خراب ہوں یا سرحد پر گشت بڑھ جائے تو یہ سپلائی رک جاتی ہے۔ اے این ایچ نایاب ہوجاتا ہے۔ چوہدری عظمت کا ہیروئن بنانے والوں سے بہت گہرا تعلق ہوچکا ہے۔ وہ خود بھی ہیروئن سے دولت بٹور رہا ہے۔ اس نے کھیم کرن کے اسمگلروں سے بات کرکے اے این ایچ منگوانے کا بندوبست کرلیا۔ وہاں بھی ہماری گاڑیوں کو چھوٹ ہے۔ کھیم کرن سے چھوٹے ڈرم راتوں رات ایک گاؤں پہنچتے ہیں۔ صبح ہمارا ڈرائیور مقررہ جگہ چھپے ہوئے ڈرم اٹھالیتا ہے۔ سارے معاملات فون پر طے ہوتے ہیں۔ ان کو باہر سے پوری رقم بھیج دی جاتی ہے۔ سارا کام سرحد پار کیے بغیر ہوجاتا ہے۔"

"مال کھیم کرن سے آتا ہے۔ تمہاری گاڑی قصور تک جاتی ہے۔ وہاں سے کھیم کرن کتنی دور ہے۔"

"سرحد پر سب قصبے آس پاس ہیں۔ گاڑی کی آمدورفت کا اصل مقصد چھپانے کے لیے اسے قصور تک بھیجا جاتا ہے۔"

وہ سارا کھیل ہی ہیروئن کے گرد گھوم رہا تھا۔ اس میں انسانیت اور انسانوں کی خدمت وفلاح کا نام ضمنی طور پر ملوث ہوگیا تھا۔

"کہا جاتا ہے کہ چوہدری عظمت نے ہیومن سوسائٹی کی داغ بیل اپنے پیسے سے ڈالی تھی۔ بعد میں لوگ اس پر بھروسا کرکے پیسے اور سامان دینے لگے۔"

"یہ سب رہنے دو۔ یہاں سب چور ہیں۔ جو تھوڑا سا کام کرتا ہے' لوگ اس کی واہ واہ کرنے لگتے ہیں۔" اس نے تلخی سے جواب دیا "چوہدری نے خود کروڑوں کا مال بنایا اور مجھے مروادیا۔ پہلے میں نے بھی یہی سب کہانیاں سنی تھیں۔ اس کے پاس نوکری کی تو پتا چلا کہ سب جھوٹ تھا۔ وہ کئی بار لمبی رقمیں لے کر ہیروئن خریدنے گیا مگر بات نہیں بنی۔ افغانوں نے اسے ہوشیار کردیا کہ وہ سرحد پار کرتے ہی دھرلیا جائے گا۔ جو امریکی اسے پیسا دے رہے تھے' وہ کام چاہتے تھے۔ چوہدری عظمت نے پشاور سے ہیروئن خریدی تو داموں میں بہت فرق تھا۔ اس وقت گرانٹ بھی کم تھی۔ اس کے لیے لمبا ہاتھ مارنا مشکل تھا پھر کسی کے مشورے پر اس نے اپنے گھر بورڈ لگا کر ہیومن سوسائٹی بنالی۔ اسے کسی کی بھلائی برائی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ یہ اپنی این جی اوز کے ذریعے قبائلیوں میں آزادی سے گھلنے ملنے کا پروانہ چاہتا تھا جو اسے مل گیا۔"

وہ فرش پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ شاید لیٹے لیٹے تھک گیا تھا۔ اسے زیادہ تشدد نہیں سہنا پڑا تھا لیکن دیر تک الٹا لٹکا رہنے کی وجہ سے اس کے سارے عضلات رگیں اور پٹھے تناؤ کا شکار ہوگئے تھے جو بدن ڈھیلا چھوڑ کر لیٹنے کے نتیجے میں قدرے معمول پر آچکے تھے۔

"شکل وصورت اور گفتگو سے تم پڑھے لکھے نظر آتے ہو۔" خالد نے ایک قدم آگے بڑھ کر اس سے کہا "سب کچھ جان لینے کے باوجود تمہیں اندازہ نہیں ہوا کہ تم کتنے سنگین جرائم میں ملوث ہوتے جارہے ہو۔ اعانتِ مجرمانہ بھی جرم کی طرح ایک سنگین اور قابلِ تعزیر حرکت ہے۔"

"پہلے کچھ علم نہیں تھا۔ رفتہ رفتہ ہر بات سامنے آتی چلی گئی لیکن تم خود بتاؤ کہ مجھے چالیس ہزار روپے ماہانہ' سجا سجایا مکان' نئی گاڑی اور اس کا خرچ کون دے گا۔ میں صرف بی کام ہوں۔ چوہدری عظمت کے پاس گیا تو ڈھائی ہزار کی

Downloaded from https://paksociety.com

ملازمت سے نکلے ہوئے دو مہینے ہو چکے تھے۔ اس نے چار ہزار پر کلرک رکھ لیا۔ آج میں اس کا سب سے پرانا اور پہلا ملازم ہوں جیسے جیسے اس کی لاٹری لگتی رہی وہ میرے پیسے اور سہولتیں بھی بڑھاتا چلا گیا۔ آج بھی مجھے پانچ سات ہزار سے زیادہ کی نوکری نہیں ملے گی۔"

"نئی نوکری کو بھول جاؤ۔ اب تو تمہیں وہ سارا کھایا پیا اگلنا پڑے گا جو چوہدری عظمت کی نوکری سے تمہارے حصے میں آیا ہے۔ لالچ نے اس کے ساتھ تمہیں بھی اندھا کیا ہوا تھا۔ اس پیسے نے تمہیں بہت بگاڑا ہے۔ تمہارا کردار اچھا ہے نہ شہرت نیک ہے۔ عیش و عشرت اور شراب نوشی تمہاری عادتیں بن چکی ہیں۔"

"وہ لوگ بد قسمت ہیں جو کما کما کر دوسروں کے لیے جوڑتے ہیں' اپنی ذات پر کچھ خرچ نہیں کرتے۔ مجھے یہ اطمینان ہے کہ میں نے کچھ برباد نہیں کیا۔ کمایا ہے تو اس سے اپنے لیے خوشیاں خریدی ہیں۔ چوہدری عظمت کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ اپنی گردن بچانے کے لیے وہ مجھے بھی بچائے گا۔"

"یہ خیال اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ سب کچھ اگلنے کے بعد تم اس کے خلاف سلطانی گواہ بن چکے ہو۔" خالد نے کہا۔

سلطانی گواہ کا نام سنتے ہی وہ بھڑک کر اٹھ کھڑا ہو گیا "میں نے کوئی بیان نہیں دیا۔ میں چوہدری صاحب کے وکیل سے مشورے کے بغیر ایک لفظ نہیں کہوں گا۔ تم نے سلطانی گواہ بنایا تو میں صاف مکر جاؤں گا۔ تم میری زندگی تباہ نہیں کر سکتے۔"

خالد نے بڑھ کر اس کے چہرے پر ایک زوردار تھپڑ رسید کیا اور زہریلے لہجے میں کہا "اپنی زندگی تم نے اسی دن تباہ کر لی تھی جب تم نے چوہدری عظمت کی ملازمت کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اب تم نے ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو یہ یاد رکھنا کہ زندگی بھر کھلا آسمان دیکھنے کے لیے ترس جاؤ گے۔"

"یہ نہ بھولو کہ تمہیں گرفتار نہیں کیا گیا' اغوا کیا گیا ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا "لاہور کے سیکڑوں مغوی ایسے ہوں گے جن کا برسوں بعد بھی کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ زیادہ اڑو گے تو تمہارا نام بھی ان ہی کی فہرست میں شامل ہو جائے گا۔ نہ تمہارا جنازہ اٹھے گا نہ مزار بنے گا۔"

میرے الفاظ پر اس کی آنکھوں میں دہشت سمٹ آئی اور وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولا "سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کون لوگ ہو۔ کبھی قانون سے ڈرا رہے ہو' کبھی موت کی دھمکیاں دے رہے ہو۔ صورتوں سے تم پولیس والے لگتے ہو نہ دہشت گرد معلوم ہوتے ہو پھر کون ہو؟"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جو کچھ کہہ چکے ہو' تمہیں اس پر قائم رہنا ہوگا ورنہ ہم تمہاری ہڈیوں کا سرمہ کر ڈالیں گے۔" خالد نے سفاکانہ لہجے میں کہا اور اپنے ایک آدمی کو آواز دی۔ وہ تقریباً دوڑتا ہوا کمرے میں آیا اور اٹینشن ہو کر کھڑا ہو گیا۔ خالد نے اسے کوئی اشارہ کیا اور اس نے ایک جیبی ٹیپ ریکارڈر اپنے تیغے میں سے نکال کر ہمارے سامنے کر دیا۔ خالد نے حقارت سے شاہد کو گھورا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "تمہارا کہا ہوا ایک ایک لفظ ریکارڈ ہو چکا ہے۔ اس ٹیپ کی موجودگی میں تم نے کوئی قلابازی کھائی تو تمہیں اپنے انجام پر افسوس کرنے کا موقع بھی نہیں مل سکے گا۔"

ٹیپ ریکارڈر کے بارے میں مجھے بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔ اسے دیکھ کر شاہد کے ہوش اڑ گئے۔ اس پر ہذیانی کیفیت طاری ہوتی جا رہی تھی۔ اسے چیختا اور ہڑبڑاتا ہوا چھوڑ کر ہم تینوں اس کمرے سے نکل آئے۔

"کمرے سے رسی ہٹا دو اور اسے رات بھر یہیں رہنے دو۔ تنگی کوٹھری میں در و دیوار سے سر ٹکرا کر صبح تک خود ہی نیم پاگل ہو جائے گا۔" خالد نے اپنے آدمیوں کو ہدایت دی اور میرے ساتھ اپنے دفتر کی طرف چل دیا۔ قیدی کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کر دینے کے باوجود اس کے بشرے سے پریشانی کے آثار جھلک رہے تھے۔

"سارے حالات اور واقعات ہماری توقعات سے کہیں زیادہ سنگین ثابت ہوئے۔" میں نے اس کے دفتر میں کرسی سنبھالنے کے بعد تحیر زدہ آواز میں کہا "میرے وہم گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہیومن سوسائٹی کی آڑ میں ہیروئن کی خرید و فروخت جیسا مذموم دھندا چل رہا ہوگا۔"

"ان کو بے نقاب کرنے کا سارا کریڈٹ تم کو جاتا ہے۔ میں شرمندہ ہوں کہ میں نے تمہاری بعض تجاویز پر مدافعانہ رویہ اختیار کیا۔" وہ ندامت آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا "کوئی سرا میرے ہاتھ نہیں آ رہا تھا مگر مجھے شدت سے احساس تھا کہ پچھلے کچھ عرصے میں لاہور میں ہیروئن کا استعمال اچانک بڑھا ہے۔ چوہدری عظمت کے ذریعے مارکیٹ میں آنے والی اضافی مقدار نے شہر پر بہت تیزی سے لیپارنگ جمایا ہے۔"

"یہ قصہ بہت عجیب و غریب انداز میں نمٹا ہے۔ سارے حقائق سامنے ہیں۔ کوئی خون خرابا نہیں ہوا۔ اصل مجرم کا نام بھی سامنے آ چکا ہے۔ اب بس اس کی گرفتاری کا

Downloaded from https://paksociety.com

معاملہ درپیش ہے۔ چوہدری عظمت نے ایک بہت بڑا کام تن تنہا سنبھالا ہوا تھا۔"

"تم نے پہلی مرتبہ بات ہونے پر ہی شاہد کو اٹھوانے کی بات کی تھی۔ مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ اس وقت میں نے تمہارے مشورے پر عمل کیوں نہیں کیا۔ اب سے بہت پہلے ہم ان معاملات کو نمٹا چکے ہوتے۔" وہ مسلسل ایک خلش اور شرمندگی میں مبتلا تھا۔

"اچھا ہوا کہ تھوڑی سی تاخیر ہوگئی۔ ہمیں لاہور میں کچھ وقت گزارنا ہے۔ یہ بساط اتنی جلدی لپٹ جاتی تو ہمارے لیے وقت گزارنا مشکل ہو جاتا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"اب تم اجازت دو تو میں کسی پولیس افسر سے رابطہ کرلوں....."

"اینٹی نارکوٹکس فورس والوں کے بارے میں تم نے نہیں سوچا!" میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا "میں دوبارہ کہوں گا کہ اس معاملے میں ان کا کردار زیادہ موثر اور بھرپور ہوگا۔ فل برائٹ فاؤنڈیشن کا نام سامنے آنے کے بعد ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔"

"یہ بات میری سمجھ میں بھی آرہی ہے لیکن میری کچھ اپنی مجبوریاں ہیں۔ اینٹی نارکوٹکس والے ہمارے لیے اجنبی ہیں۔ ان سے کبھی واسطہ نہیں پڑا۔ مقامی پولیس کے ساتھ ہمیں مل جل کر رہنا پڑتا ہے۔ اعلیٰ پولیس افسران ہر وقت ہمارے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ ذرا سی بریفنگ کے بعد چوہدری عظمت کے خلاف کارروائی کا آغاز ہو جائے گا۔ اینٹی نارکوٹکس والوں کو فیصلہ کرنے میں وقت لگے گا کیونکہ وہ ایس ٹی ایف اور اس کے طریقہ کار سے واقف نہیں ہیں۔"

"اس وقت ساری اہمیت مہلت کی ہے۔ چوہدری عظمت کو شاہد کے غائب ہونے کی بھنک مل گئی تو وہ کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"پولیس کی نفری ہر وقت مستعد اور تیار رہتی ہے۔ اینٹی نارکوٹکس والوں کے لیے یہ مسئلہ بھی ہوگا۔ وہ پیشگی منصوبہ بندی کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ پتا نہیں ایمرجنسی میں ان کا کیا رویہ ہو۔ ہم نے ایک مرتبہ ان سے رجوع کرلیا تو پھر ہم پولیس سے مدد نہیں لے سکیں گے۔"

وہ عملی مجبوریاں تھیں جن سے خالد واقف تھا۔ اس کی ہر دلیل مضبوط اور ناقابل تردید تھی "ٹھیک ہے پھر پولیس کو ہی حرکت میں آنا چاہیے۔"

"یہ سوچ لو کہ چوہدری عظمت تمہارے ایک دوست کا ماموں سسر ہے۔ اسے کوئی شکایت نہ ہو جائے۔"

"اس دور کے تعلق سے پہلے وہ ایک ناقابل نفرت مجرم ہے۔ اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں ہونی چاہیے۔ ویسے بھی یہ پولیس آپریشن ہوگا۔ اس کی رپورٹنگ میں میرا یا تمہارا نام آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ میرے دوست کو پتا نہیں چلے گا کہ اس کارروائی میں میرا کوئی دخل تھا۔"

"پولیس ریڈ کتنا ہی شریفانہ ہو' لوگوں کو اس سے سنگین شکایات ہوتی ہیں۔ اس کے گھر والے روپڑیں گے۔"

لمحہ بھر کے لیے مجھے خیال آیا کہ میں سلمٰی کے بھائی کے گھر فون کر کے یہ دیکھ لوں کہ سلمٰی کہاں تھی مگر میں نے فوراً اس خیال کو مسترد کردیا۔ ان نازک لمحات میں سلمٰی کو چھیڑنا شکوک و شبہات کو جنم دینے کے مترادف ہوتا۔ بہتر یہی تھا کہ میں مکمل خاموشی اختیار کرلوں۔

چوہدری عظمت کے اہل خانہ کو کسی نامناسب زحمت سے بچانے کے لیے یہ بھی ہو سکتا تھا کہ علاقے کا گھیراؤ کر کے اسے گھر سے نکلتے وقت پکڑا جائے۔ لیکن بات وہاں ختم نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ فل برائٹ فاؤنڈیشن کے اہل کار کی آمد سے پہلے خریدی ہوئی ہیروئن اپنے گھر کے کسی حصے میں چھپاتا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے گھر میں ملازمین کی خدمات کا سلسلہ بالکل ختم کیا ہوا تھا۔ اس کے گھر میں ذخیرہ کی ہوئی ہیروئن کی بھاری مقدار اس کے خلاف سب سے مضبوط ثبوت ہوتی۔ اسے برآمد کرنے کے لیے پولیس فورس کا گھر میں داخلہ اور تفصیلی خانہ تلاشی لازمی تھی۔ پولیس کو اس اقدام سے روکنا کیس کو کمزور کرنے کے مترادف ہوتا۔

میں نے سب پہلوؤں پر غور کیا۔ میں سلمٰی کے ماموں کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے جو فصل بوئی تھی' اسے کاٹنے کا وقت سر پر آچکا تھا۔ وہ ایک بھیانک مجرم تھا۔ اس سے صرف مجرموں والوں سلوک کیا جانا چاہیے تھا۔

"ہر کام روٹین کے مطابق ہوگا۔" میں نے خالد کو اپنا فیصلہ سنادیا۔ "ہر مجرم کسی نہ کسی کا ماموں یا چچا ہوتا ہے۔ اس بنا پر اسے کوئی رعایت نہیں دی جاسکتی۔ سب کچھ طے کرو اور پوری آزادی کے ساتھ اس پر عمل کر گزرو۔ مجھے یا کسی کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

خالد کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ مجھے معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے۔ مجرم کسی کا دوست یا رشتے دار نہیں ہوتا۔ وہ صرف مجرم ہوتا ہے۔"

اس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور لاہور کے ڈی آئی جی

Downloaded from https://paksociety.com

کے دفتر کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔

یکے بعد دیگرے اس نے تین فون نمبر ملائے لیکن ڈی آئی جی کہیں بھی موجود نہیں تھا۔ چوتھے نمبر پر اس سے رابطہ ہوگیا۔

"سر! میں ایس ٹی ایف کے اسٹیشن تھری کا ایک کمانڈر خالد احمد بول رہا ہوں۔ میں نے پہلی بار سنا کہ ایس ٹی ایف والے اعلیٰ افسران کو اپنی شناخت کس طرح کراتے ہیں۔ خالد کہہ رہا تھا "میرا پاس ورڈ شوگر نائین تھری فور ہے۔ مجھے ایک اہم کیس میں ڈوبرژن کی پولیس فورس کی فوری مدد درکار ہے۔ یہ ہیومن سوسائٹی کے چوہدری عظمت کا معاملہ ہے۔ بریفنگ اور ایک قیدی دے کر میں فیڈ آؤٹ ہوجاؤں گا۔ ریکارڈ پر یہ پولیس کیس ہوگا۔"

وہ خاموش ہوکر دوسری طرف کی بات سنتا اور وقفے وقفے سے یس سر کہتا رہا۔ ڈی آئی جی کی بات مکمل ہونے کے بعد اس نے پہلے فون کرکے ٹھیک گیارہ بجے پہنچنے کا وعدہ کرتے ہوئے فون بند کردیا۔

میں نے وہ مختصر گفتگو بہت غور سے سنی۔ خالد نے ریسیور اس طرح واپس رکھا جیسے اس کے سر سے کوئی بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

"یہ شوگر نائین تھری فور کیا ہے۔ ایسے پاس ورڈ تو کوئی بھی استعمال کرسکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ پاس ورڈ ہی ہماری عزت و آبرو اور کل کائنات ہے۔ اس کے بغیر ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ تم پہلے آدمی ہو جسے میں نے اس راز میں شریک کیا ہے۔ صرف ہمارے باس کو علم ہے کہ کس افسر کا کیا پاس ورڈ ہے۔ فورس میں لوگ ایک دوسرے کے پاس ورڈ سے لاعلم ہیں۔"

"ڈی آئی جی کو کیا پتا کہ شوگر نائین تھری فور کیا بلا ہے۔" میں نے بات چھڑ جانے پر الجھن سے پوچھا۔

"ڈویژنل سربراہوں کی سطح تک ہر سرکاری افسر کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حدود میں کام کرنے والے ایس ٹی ایف کمانڈر کا کیا پاس ورڈ ہے۔ یہ اطلاع ایک حساس ادارے کی طرف سے دی جاتی ہے۔ اس وقت تم چاہو تو تمہیں خالد احمد تسلیم کرلیا جائے گا۔ باہمی تعارف کسی اہم ضرورت کے تحت ہوتا ہے ورنہ اس پاس ورڈ کے سہارے ہر کام نکلتا چلا جاتا ہے۔ دوسرے علاقے میں یہ پاس ورڈ ناکارہ ثابت ہوگا۔"

"تمہاری اور ڈی آئی جی کی ملاقات گیارہ بجے ہوگی!" میں نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"ڈی آئی جی مصروف ہے۔ عہدے اور تنخواہ میں وہ مجھ سے بڑا افسر ہے۔ بہت زیادہ بااختیار ہے مگر شوگر نائین تھری فور کی بات نہیں ٹالے گا۔ گیارہ بجے وقت دینے کا مطلب ہے کہ وہ بہت زیادہ مصروف ہے۔ اس سے ملاقات میں ہر بات طے کرلی جائے گی۔"

"کارروائی دو تین بجے سے پہلے نہیں ہوسکے گی" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا "تیاری میں کچھ نہ کچھ وقت ضرور صرف ہوگا۔"

"ایسے کاموں کے لیے وہی وقت موزوں ہوتا ہے۔ چوہدری عظمت کتنی ہی دیر سے گھر آتا ہو' اس وقت اپنے بستر میں دبکا سو رہا ہوگا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اخباری نمائندوں کی تھانوں پر یلغار دم توڑ چکی ہوتی ہے۔ صبح کے اخبار چھپنے لگتے ہیں اور اگلی صبح اس بارے میں کچھ بھی نہیں چھپتا۔"

میں بے ساختہ ہنس پڑا۔ "تم لوگ بھی دوسروں کی طرح اخبار والوں سے ڈرتے ہو؟"

"اخبار والوں سے نہیں' ان کی غلط رپورٹنگ سے ہر ایک ڈرتا ہے۔ آخری لمحات پر ملنے والی خبریں عجلت کی وجہ سے مسخ ہوجاتی ہیں۔ بعد میں لاکھ تردیدیں آتی رہیں' پہلی رپورٹ کا تاثر دیر تک قائم رہتا ہے۔ اسی وجہ سے بڑے آپریشن رات کے تین بجے سے صبح سویرے تک ہوتے ہیں۔"

شاہد اور چوہدری عظمت کے بارے میں جو کام ہونے تھے' وہ کیے جاچکے تھے۔ اس کے بعد صرف انتظار کا صبر آزما مرحلہ رہ گیا تھا۔ خالد نے میرے تیور بھانپ لیے اور خود پیشکش کی کہ میں ہوٹل واپس آکر آرام کرنا چاہوں تو مجھے ڈرائیور کے ساتھ بھجوادے۔

میرے لیے آرام کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اصل پریشانی یہ تھی کہ غزالہ ہوٹل میں اکیلی تھی اور میرے رابطے ٹوٹے ہوئے تھے۔ اول خان' ویرا اور جلال وغیرہ کے پاس ہوٹل کے فون نمبر تھے۔ وہاں سے غائب ہوکر میں ان کی رسائی سے باہر تھا۔ میں نے خالد کی پیشکش قبول کرلی۔

پہلے روز کے مقابلے میں اس روز میرا کردار زیادہ نمایاں اور فعال رہا تھا۔ خالد کے ماتحتوں نے بھی محسوس کیا ہوگا کہ میں شاہد کے معاملے میں بہت زیادہ سرگرمی دکھا رہا تھا لیکن خالد کے محتاط اور مساویانہ رویے کی وجہ سے ان میں سے کسی کو یہ اندازہ نہیں ہوسکا ہوگا کہ ایس ٹی ایف کے لیے میری کوئی خاص اہمیت تھی یا اسٹیشن تھری کا کمانڈر میرے سامنے خود کو کم رتبہ سمجھنے پر مجبور تھا۔ وہ سب مشاہدہ کرنے

Downloaded from https://paksociety.com

والے لوگ تھے۔ جو کچھ دیکھتے' اس پر اعتبار کرلیتے تھے۔ ان کے لیے اسباب جاننا ضروری نہیں تھا۔

ایس ٹی ایف کے ڈرائیور نے بہت جلد مجھے ہوٹل پہنچادیا۔ میں نے اپنے فلور پر پہنچ کر دروازے پر دستک دی تو غزالہ نے دروازے کے قریب آکر سوال کیا "کون ہے؟"

مجھے یقین تھا کہ کمرے میں اکیلی ہونے کی وجہ سے وہ خوف زدہ نہیں ہوگی لیکن محتاط ضرور ہوگی۔ احتیاط کرنے کی وجہ سے وہ بے فکر ہوکر آرام بھی نہیں کرسکی ہوگی۔ میں نے دانستہ اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے تھوڑا سا دروازہ کھول کر باہر جھانکا اور اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

"آپ بے فکر ہیں اور کراچی والے آپ کی فکر میں گھلے جارہے ہیں۔ ویرا تین مرتبہ آپ کے لیے فون کرچکی ہے" میرے اندر داخل ہونے کے بعد اس نے بتایا۔

"شاید تم نے فون بل کی طرف اس کی توجہ نہیں دلائی ہوگی" میں نے جوتوں کے بند کھولتے ہوئے کہا۔

"میں نے آپ سے یہ سیکھا ہے کہ ویرا سے ہلکی پھلکی اور شگفتہ باتیں ٹھیک رہتی ہیں" اس نے شرارت سے جواب دیا "کوئی چبھتی ہوئی بات کہہ دی جائے تو وہ فوراً برا مان جاتی ہے۔ خاص طور پر وہ اخراجات کے معاملے میں بہت حساس ہے۔ وہ فوراً جواب دے گی کہ اب فون استعمال کرنا چھوڑ دے گی۔"

"وہ بار بار کیوں فون کررہی ہے؟" میں نے غزالہ کی بات کاٹ کر پوچھا۔ میری نگاہیں میز پر رکھے ہوئے کھانے کے خالی برتنوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"وہ آپ کی طرف سے فکرمند ہے' جاننا چاہتی ہے کہ شاہد کے سلسلے میں کیا ہوا؟"

"تم نے اسے نہیں بتایا کہ میں شاہد سمیت اسٹیشن تھری پہنچ چکا تھا؟" میں نے اس کی طرف متوجہ ہوکر پوچھا۔

"یہ بھی بتادیا تھا کہ وہ کسی کمرے کی چھت سے الٹا لٹکا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ آپ کو اپنی کسی کارکردگی سے آگاہ کرنے کے لیے بے چین ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے جان امتھ کے واقعے کے بارے میں مجھے پوری بات نہ بتائی ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ دس پندرہ منٹ میں پھر اس کا فون آئے گا۔ آپ اپنی بات کریں۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاہد نے ہتھیار ڈال کر خود کو آپ کے حوالے کردیا۔ آپ کے بشرے سے تکان کے بجائے تازگی جھلک رہی ہے۔"

میں بستر پر دراز ہوگیا "ہم نے اسٹیشن تھری پہنچتے ہی کھانا کھالیا تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ شاہد پر بہت زیادہ وقت برباد ہوگا۔ وہ ہماری توقع سے زیادہ سمجھ دار ثابت ہوا۔ تھوڑی سی مزاحمت کے بعد اس نے سمجھ لیا کہ زبان کھولے بغیر اس کی گلوخلاصی نہیں ہوگی۔ اس کی کہانی آنکھیں کھول دینے والی تھی۔"

میری بات ادھوری رہ گئی کیونکہ اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ غزالہ زیرلب کچھ بڑبڑا کر رہ گئی۔ شاید اسے یقین تھا کہ وہ کال ویرا کی ہوگی۔

میں نے کروٹ لے کر ریسیور اٹھایا تو آپریٹر لائن مجھے منتقل کرچکا تھا۔ دوسری طرف جلال تھا "تمہارے چہرے کا کیا حال ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر صدمہ ہوا کہ جوگیندر پال کے بھیجے ہوئے آدمیوں نے تمہارے چہرے کو خاصا نقصان پہنچایا ہے۔ تم سے ملاقات میں' میں اس بارے میں دانستہ خاموش رہا تھا۔"

"تم بھول رہے ہو۔ ہماری بات ہوئی تھی اور میں نے تمہیں بتادیا تھا کہ میں نے بازی پلٹنے کے انتظار میں دانستہ مار کھائی تھی۔ بعد میں ان دونوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے تھے۔ میرا خیال ہے کہ برسوں تک میں سفر کے قابل ہوجاؤں گا۔ زخم بھرتے رہیں گے لیکن سوجن ختم ہوجائے گی۔"

"ویری گڈ!" میرا پراعتماد جواب سن کر وہ خوش ہوگیا "تم کل کنفرم کردو گے تو میں پرسوں کے لیے تیاری کرلوں گا۔ این کا ویل کب آرہی ہے؟"

"فی الحال اس کے لگاتار فون آرہے ہیں۔ وہ خود بھی آجائے گی" میں نے ہنس کر جواب دیا "یہ بتاؤ کہ ہیومن سوسائٹی کے بارے میں کام کہاں تک پہنچا۔"

"پلیز! میں کہہ رہا ہوں کہ ان چکروں کو بھول جاؤ۔ یہ کوئی لمبا چکر ہے۔ چوہدری کو پچھلے کافی عرصے سے اپنے سومنرر لینڈ کے اکاؤنٹ میں بڑے بڑے فنڈز مل رہے ہیں۔ تم رقوم دینے والوں کا نام سنو گے تو اچھل پڑو گے۔ ایک ٹیم ان معاملات پر محنت کررہی ہے۔"

"فل برائٹ فاؤنڈیشن کے بارے میں' میں سن چکا ہوں" میں نے سکون سے جواب دے کر اسے متحیر کردیا "یہ معلوم ہوچکا ہے تو تمہیں کس بات کا انتظار ہے؟ چوہدری یا اس کے کسی گرگے کو پکڑو' مار مار کر اس کے جبڑے ہلادو' وہ خود سب باتیں اگل دے گا۔"

"میں اپنے دل کی گہرائیوں سے تمہاری صلاحیتوں کا معترف ہوں' تمہاری تیز رفتاری کا بھی قائل ہوں مگر خدا کے لیے اس معاملے سے دور رہو۔ ہم دھونس اور دھاندلی

Downloaded from https://paksociety.com

سے نہیں، کسی اور طریقے سے کام کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ دشمن کے ملک میں تم کو اس بارے میں کوئی خوش خبری سننے کو مل جائے۔ میں حیران ہوں کہ تمہیں اس فاؤنڈیشن کا نام کیسے مل گیا۔ سوسائٹی کے پورے ریکارڈ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ فنڈز کے مقاصد بھی واضح نہیں ہیں....."

بات بڑھ رہی تھی۔ میں اصل واقعات کو مزید چھپائے رکھتا تو جلال میرے رویے کو اپنی توہین سمجھ کر برہم ہوسکتا تھا۔ میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے نرمی سے کہا "آج تم ہیومن سوسائٹی کو لمبا چکر قرار دے رہے ہو۔ کل رات تم سے چھوٹا سا مقامی مسئلہ کہہ رہے تھے۔ تمہارے وہ الفاظ مجھے بے جان محسوس ہوئے تھے اور میں نے اسی وقت کچھ کام شروع کردیا تھا۔ اپنے آدمیوں کو روک لو۔ آج رات یہ قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے گا۔ چوہدری اور اس کے حواریوں کا وقت پورا ہوچکا ہے....."

"نہیں۔" ریسیور میں جلال کی سخت تحکمانہ آواز گونجی "تم چوہدری عظمت سے دور رہوگے۔ میں اسے کھینچ کر مجرموں کے کٹہرے تک لے جانا چاہتا ہوں۔ تذلیل اور رسوائی اس کے لیے موت سے زیادہ کڑی اور بڑی سزا ہوگی۔"

"بالکل یہی ہوگا جو تم چاہ رہے ہو" میں نے پورے خلوص سے اسے یقین دلایا "تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اسے واپس لانا میرے بس سے باہر ہے۔ وہ زندہ رہے گا اور قانون کے شکنجے میں آئے گا۔ اگلے سورج کی کرنیں کسی حوالات کی سلاخوں کے پیچھے اس کا استقبال کریں گی۔"

"حوالات!" اس کی تحیر زدہ آواز ابھری "تو کیا تم نے پولیس سے مدد لی ہے؟ تم لاہور میں کیا کرتے پھر رہے ہو؟"

اس کی آواز میں حیرت کے ساتھ تلخی بھی تھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ بات خطرناک موڑ پر پہنچ چکی تھی۔ میں نے پوری سنجیدگی سے کہا "لاہور میں میرے لیے سب اجنبی ہیں۔ میں نے ایس ٹی ایف والوں کی مدد سے چوہدری عظمت کے سیکریٹری کو اٹھوایا اور پھر حالات میرے ہاتھ سے نکل گئے۔"

"اوہ ڈینی، یہ اچھا نہیں ہوا" اس کے الفاظ قطعی اضطراری تھے "مجھے پوری بات بتاؤ کہ کیا ہوا ہے اور کیا ہونے والا ہے؟"

اس کے ردِعمل کو دیکھتے ہوئے میں اصل واقعات نہیں دہرا سکتا تھا۔ میں نے اسے فل برائٹ فاؤنڈیشن کی گرانٹ اور ہیومن سوسائٹی کے قیام کے محدود مقصد کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا "یہ سب شاہد نے بتایا ہے اور وہ اب ایس ٹی ایف کا قیدی ہے۔ ایس ٹی ایف کا یونٹ کمانڈر اسے آج رات پولیس کے حوالے کردے گا۔ ہوسکتا ہے کہ رات میں کسی وقت آپریشن ہو اور چوہدری عظمت کو اٹھوالیا جائے۔"

"تم شاہد کی پولیس کو منتقلی روک سکتے ہو؟" جلال نے جارحانہ آواز میں سوال کیا۔

"گیارہ بجے یونٹ کمانڈر اور ڈی آئی جی کی ملاقات طے ہے" میں نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا "وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ خالد اپنے دفتر سے نکل چکا ہوگا۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان دونوں کی ملاقات کہاں ہونے والی ہے۔ سب کچھ وہیں طے کیا جائے گا۔"

"ایس ٹی ایف کے ریڈیو روم کو پیغام دو کہ وہ اپنے یونٹ کمانڈر کو تلاش کریں۔ اس سے تمہاری بات کرائیں۔"

"وہ میری بات نہیں سنیں گے" میں نے بوکھلا کر بے بسی سے کہا "ان کے لیے میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ مجھے ان صرف کا کمانڈر جانتا ہے۔"

"تم اپنی کوشش کرو۔ میں بھی دیکھتا ہوں کہ کیا ہوسکتا ہے۔ مجھے ایک مرتبہ پھر بتادو کہ تمہاری رپورٹ کہاں تک صحیح ہے" چوہدری عظمت کے خلاف پولیس ایکشن کی بات سننے کے بعد سے اس کی آواز میں بہت زیادہ اضطراب محسوس ہورہا تھا۔

"میں پھر بتا رہا ہوں کہ یہ سب باتیں شاہد نے بتائی ہیں اور ٹیپ پر محفوظ ہیں، معاملے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے میں نے اپنا دامن بچانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ میرے ذہن کے ایک گوشے میں یہ بات محفوظ تھی کہ بازپرس کے دوران میں شاہد نے اپنے بیان سے پھر جانے کی دھمکی بھی دی تھی۔

"چوہدری عظمت کے بارے میں تم کچھ نہ کرسکو تو شاہد کی منتقلی کو دوپہر تک کے لیے ضرور روک دینا۔ اس وقت وہی سب سے اہم مہرہ ہے۔"

"برا نہ مانو تو میں ایک بات پوچھ لوں!" میں نے محتاط لب ولہجے میں کہا۔

"جلدی پوچھ ڈالو۔ وقت ہم دونوں کے ہاتھ سے نکلا جارہا ہے۔ گیارہ بجنے میں چند منٹ باقی رہ گئے ہیں۔"

"کل تک تمہارا رویہ کچھ اور تھا۔ آج تم اس کیس کے بارے میں اتنے پریشان اور بے چین کیوں ہو۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی تیزی دکھاؤ گے۔ یہ

Downloaded from https://paksociety.com

بہت الجھا ہوا معاملہ ہے۔ چوہدری عظمت کے سوئس بینک اکاؤنٹ کے اسٹیٹ منٹ ہمارے پاس ہیں' دوسرا ریکارڈ بھی میرے دو آدمیوں کی تحویل میں ہے۔ ہم وفاق کے ملازم ہیں۔ پولیس صوبائی محکمہ ہے۔ چوہدری عظمت کو طشتری میں سجا کر ان کو پیش کردیا گیا تو کیس خراب ہوجائے گا۔ یہ بہت بڑا کیس ہے۔ اگر ہیروئن کی خرید و فروخت اور اے این ایچ کی اسمگلنگ کے بارے میں تمہاری اطلاعات درست ہیں تو چوہدری عظمت کو عدالت سے سزائے موت ہوگی' یہ معاملہ دوسروں کے لیے عبرت کا ایک شاہکار ثابت ہوگا۔ ابھی تک ہم فاؤنڈیشن کی بھاری گرانٹ اور ہیومن سوسائٹی کی فلاحی سرگرمیوں کے درمیان کسی تعلق کی تلاش میں الجھے ہوئے تھے۔ منشیات والا پہلو ہماری نظروں سے اوجھل تھا۔"

"میں اسی کلیو سے شاہد تک پہنچا تھا۔ یہ پورا چکر ہیروئن کا ہی ہے۔"

"اوکے۔ تھینک یو اور خدا حافظ" وہ بہت عجلت میں تھا۔ اس نے فون بند کردیا۔

ریسیور رکھتے ہوئے مجھے قلق ہو رہا تھا کہ خالد سے پولیس اور اینٹی نارکوٹکس فورس کے بارے میں بحث کرتے ہوئے میں آئی بی کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ جلال نے مجھ سے ہیومن سوسائٹی کے بارے میں بات کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں لی تھی۔ اس نے جس سرسری انداز میں اسے ایک چھوٹا سا مقامی مسئلہ قرار دیا تھا۔ مجھے یہ یقین ہوگیا تھا کہ وہ اس بارے میں کوئی قدم اٹھانے پر آسانی سے آمادہ نہیں ہوگا۔

"اب کیا چکر چل پڑا؟" غزالہ نے تیوریوں میں بل ڈال کر پوچھا۔

"کوئی چکر نہیں ہے۔ جلال نے اب اگلا ہے کہ وہ پہلے سے ہیومن سوسائٹی پر کام کر رہا ہے۔"

"میں خود حیران ہوں۔ ہیومن سوسائٹی کا نام سامنے آنے کے بعد سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا ہے کہ یقین نہیں آتا۔ کمال کی دوسری بات یہ ہے کہ اب تک کسی کی تکسیر تک نہیں پھوٹی ورنہ ہر معاملے میں خون خرابا ضرور ہوتا رہا ہے۔"

"تکسیر کے بارے میں' میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ شاہد کافی لہولہان ہوا ہے۔ بس یہ کہہ لو کہ قتل کی نوبت نہیں آئی۔"

"اگر چوہدری عظمت کا نام درمیان میں نہ ہوتا تو شاید یہ بھی ہوجاتا۔ اچھا ہوا کہ اس بار قانون کا سہارا لیا جا رہا ہے۔"

میں نے فون پر اسٹیشن تھری کا نمبر ملایا تو خالد وہاں موجود نہیں تھا۔ میں نے اس کے بارے میں مزید کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ گیارہ بجے ڈی آئی جی سے طے شدہ ملاقات کے لیے نکلا ہوا ہوگا۔

ٹھیک گیارہ بجے خالد کا فون آگیا۔ اس کی آواز سن کر میں حیران رہ گیا "اس وقت تمہیں کہیں اور ہونا چاہیے تھا۔"

"مگر میں اپنے گھر پر ہوں" اس کی طرف سے جواب آیا۔

"میں نے پونے گیارہ بجے ڈی آئی جی کے دفتر میں فون کیا تھا۔ وہ کسی چکر میں الجھا ہوا ہے۔ ابھی تک واپس نہیں پہنچا۔ اس کے پی اے نے بتایا ہے کہ ڈی آئی جی نے اگلا وقت ایک بجے ہونے تک گیارہ بجے والی میٹنگ ملتوی کردی ہے۔"

میں اس اتفاق پر حیران رہ گیا۔ میرے ذہن میں اس شبے نے سر ابھارا کہ جلال ایک وفاقی محکمے کا بڑا افسر تھا۔ اس نے کچھ ڈوریاں ہلا کر لاہور کے ڈی آئی جی کے لیے کوئی ایسی ہنگامی مصروفیت پیدا کردی ہوگی کہ وہ گیارہ بجے کی مقررہ ملاقات کے لیے فارغ نہ ہوسکے۔ میں نے کہا۔ "میرے لیے یہ خبر حیران کن ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ چوہدری عظمت کے لیے آج کی رات فیصلہ کن ثابت نہیں ہوسکے گی۔"

"اس وقت یہی محسوس ہو رہا ہے۔ ساری کوششیں تمہارے سامنے ہیں۔ عین وقت پر گڑبڑ ہوگئی تو میں کیا کرسکتا ہوں۔ پولیس افسران کے ساتھ عام طور پر ایسا ہوتا رہتا ہے۔ ان کے لیے کہیں بھی کوئی ایمرجنسی اچانک سر اٹھا لیتی ہے اور انہیں ہر حال میں وہاں پہنچنا پڑتا ہے۔"

"یہ کوئی چال بھی ہوسکتی ہے۔ چوہدری عظمت بارسوخ آدمی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ڈی آئی جی کے دوستوں میں شامل ہو اور وہ اپنے دوست کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے موڈ میں نہ ہو" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے ایک شبے کو الفاظ کا روپ دینے میں کوئی تامل نہیں کیا۔

"ایس ٹی ایف کے ساتھ ایسی حرکت کا امکان نہیں ہے کیونکہ بات بہت اوپر تک جاسکتی ہے۔ تمہارا شبہ درست ہوتا تو میٹنگ ضرور ہوتی تاکہ پلان سامنے آجاتا۔ چوہدری عظمت کو اس پلان کے بارے میں خبردار کرکے بھاگنے کا موقع دیا جاسکتا تھا۔ اس محفوظ طریقے کو چھوڑ کر غائب ہوجانا مصلحت کے خلاف ہوتا۔"

"اب اگلی اطلاع تک اس میٹنگ کو بھول جاؤ۔ قیدی کہاں اور کس حال میں ہے؟"

"اسٹیشن تھری پر محفوظ ہے اور آرام کر رہا ہے۔ مجھے

Downloaded from https://paksociety.com

اس سے زیادہ چوہدری عظمت کی فکر ہے۔ وہ نکل گیا تو مجھے بہت قلق ہوگا۔"

"میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ڈی آئی جی کا غائب ہونا خالی از علت نہیں ہے۔ شاید اندرون خانہ کوئی چکر چل پڑا ہے۔ آج کی رات چوہدری عظمت پر ضرور بھاری پڑے گی۔ کہیں سے کسی کارروائی کی بھنک ملی تو میں تمہیں ضرور مطلع کروں گا۔"

"اس وقت تم ذومعنی باتیں کررہے ہو۔ پہلے ڈی آئی جی کو چوہدری عظمت کا دوست قرار دے رہے تھے' اب دوسری بات کررہے ہو۔"

"وہ بھی ایک امکان ہوسکتا تھا۔ تم نے اس کی معقول تردید پیش کی ہے۔ میں نے وہ شبہ اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ چوہدری عظمت کے ساتھ جو کچھ بھی ہو' یہ یاد رکھنا کہ اب شاہد کو پولیس کی تحویل میں نہیں دیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وفاق سے اس کا کوئی طلب گار پیدا ہوجائے۔"

"وفاق سے صرف آئی بی والے اس معاملے میں دلچسپی لے سکتے ہیں" حامد کے برجستہ جواب نے مجھے حیران کردیا۔ وہ کہہ رہا تھا "کل سے آئی بی کے لاہور آفس کا ایک انسپکٹر کسی اور کے ساتھ دو مرتبہ ہیومن سوسائٹی کے دفتر کے آس پاس منڈلاتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ یہ لوگ بلاوجہ کہیں کے چکر نہیں لگاتے۔"

وہ ہوشیار تھا اور آنکھیں کھلی رکھ کر کام کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اس کی دل جوئی کے لیے فوری طور پر اسے اپنے اعتماد میں لینے کا فیصلہ کرتے ہوئے بتایا "تم نے ٹھیک اندازہ لگایا ہے۔ آئی بی والے اس کیس میں غیر معمولی دلچسپی لے رہے ہیں۔ وہ شاہد کو اپنی تحویل میں لینا چاہتے ہیں۔"

"ایسی صورت میں چوہدری عظمت کا بچنا محال ہے۔ آئی بی والے کسی کے پیچھے لگتے ہیں تو پھر جونک کی طرح اس کی قبر تک جاگھستے ہیں۔ پتا نہیں مجھے ان کا خیال کیوں نہیں آیا۔ ان سے نہ صرف میرے بلکہ میرے کئی آدمیوں کے بھی قریبی مراسم ہیں۔ ان کے ساتھ مل کر کئی مرتبہ کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ یہ لوگ بہت رازداری سے اور کم نفری کے ساتھ کارروائی کرتے ہیں اور کبھی ناکام نہیں لوٹتے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کا کاٹا پانی تک نہیں مانگتا۔"

میرے اور حامد کے درمیان وہی ایک بات پوشیدہ رہ گئی تھی۔ پتا نہیں یہ اتفاق تھا' ہماری خوش قسمتی یا جلال کی کوئی خوش تدبیری تھی کہ مقامی پولیس چوہدری عظمت کے معاملے میں ملوث ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔ ایک بڑی الجھن دور ہوگئی تھی۔ پھیلا ہوا معاملہ دوبارہ سمٹتا ہوا نظر آرہا تھا۔

"اب تم بے فکر ہوکر سوجاؤ۔ مجھے امید ہے کہ صبح تک کوئی نہ کوئی بڑی خوش خبری آچکی ہوگی۔"

"مجھے اندازہ ہوگیا ہے کہ خوش خبری تمہارے ذریعے ملے گی" ہنسی کے ساتھ حامد کی آواز ابھری۔ اس نے مجھ سے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ مجھے آئی بی کی سرگرمیوں کے بارے میں کیسے معلوم ہوا یا ان سے میرے کیسے روابط تھے۔

"بالکل محسوس نہیں ہورہا کہ ہم کراچی سے بہت دور آچکے ہیں" غزالہ نے مسکراتے ہوئے ہلکا سا طنز کیا "بس نام بدلے ہیں ورنہ وہی کراچی والے شب و روز چل رہے ہیں۔ ویرا درست کہتی ہے کہ آپ جہاں جاتے ہیں' اپنے لیے کوئی نہ کوئی کام پیدا کرلیتے ہیں۔ یہ صلاحیت ہزاروں میں کسی ایک کو ملتی ہے۔"

"مرچیں نہ چباؤ۔ مجھے یاد ہے کہ ہم یہاں آرام اور تفریح کے لیے آئے تھے۔ ہیومن سوسائٹی کا شوشا تم لائی تھیں۔ خرابی کا آغاز وہیں سے ہوا تھا۔ تم کو خوش ہونا چاہیے کہ یہ ریکٹ اتنی تیزی اور آسانی سے ٹوٹ رہا ہے۔ پتا نہیں چوہدری عظمت کے انجام پر جہانگیر کا کیا ردِعمل ہوگا۔"

"میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ خوش ہوگا۔ اپنے ماضی کی وجہ سے وہ سلمٰی کے سامنے کچھ دبا دبا سا رہتا ہے۔ جب اسے پتا چلے گا کہ سلمٰی کا سگا ماموں بین الاقوامی سازشی اور ہیروئن فروش ثابت ہوا ہے تو وہ کھل اٹھے گا۔ اسے سلمٰی سے اپنا ماضی چھپانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔"

"جہانگیر میرا بہت اچھا دوست ہے مگر ذرا کمینہ آدمی ہے۔ اس نے اپنے ماضی سے چھٹکارا پانے کے لیے بہت دیکھ بھال کے بعد لاہور کے آسودہ حال تاجر گھرانے میں شادی کی تھی لیکن دیکھ لو کہ آدمی کتنی ہی لمبی چھلانگ لگالے' آخر میں اسی مٹی میں گرتا ہے جس میں اس کا خمیر ہو۔ وہ شی کے مقامی گروہ کا سرغنہ تھا۔ چوہدری عظمت ہیومن سوسائٹی کا سرغنہ ہے۔ ان دونوں کے دھندے بھی حیرت ناک حد تک ملتے جلتے ہیں۔"

غزالہ نے مسہری کے سرہانے موجود سوئچ دبا کر کمرے کی روشنی گل کردی "اب سوجائیں۔ یہ باتیں صبح بھی ہوسکتی ہیں۔"

کمرے میں نائٹ لیمپ کی سبز اور ناکافی روشنی رہ گئی

Downloaded from https://paksociety.com

تھی۔ میں نے جھنجلا کر کہا "یہ کیا کردیا تم نے۔ مجھے جلال اور ویرا کے فون کا انتظار تھا۔"

"بس اب سو جائیں بلکہ آپریٹر سے کہہ دیں کہ کوئی بھی کال آئے' وہ پیغام نوٹ کرلے۔ ہمارے آرام میں خلل نہ ڈالے" غزالہ نے اصرار کیا۔

اس کی بات پوری ہوتے ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ مجھے امید تھی کہ جلال مجھے لاہور سے ڈی آئی جی اور خالد کی ملاقات کی منسوخی کی خبر سنائے گا مگر وہ کال ویرا کی تھی "سنا ہے کہ تم نے لاہور میں بھی پر پرزے نکال لیے ہیں" میری آواز سنتے ہی وہ چہکی تھی۔

"فضولیات پر کان نہ دھرا کرو۔ تم اسی رفتار سے لاہور فون کرتی رہیں تو گن بوٹ کی فروخت سے پس انداز کی ہوئی ساری رقم کچھ دنوں میں ٹیلی فون کے محکمے کو منتقل ہوجائے گی۔ مجھے کوئی کام آتا ہے نہ نوکری کرنا میرے بس کی بات ہے۔"

"داڑھی تم نظریہ ضرورت کے تحت بڑھاتے اور منڈواتے رہتے ہو۔ زلفیں بڑھا کر پان چبانا شروع کرو گے تو خاصے مرید مل جائیں گے۔ جسے دنیا کا کوئی کام نہ آتا ہو' وہ اس دھندے میں بہت کامیاب رہتا ہے۔ نئے پنچھیوں کو پھانسنے کے لیے ایس ٹی ایف کے دس بارہ آدمی ہر وقت ہاتھ باندھے تمہارے آگے پیچھے پھرتے رہیں گے۔"

"یہ مشورے بعد میں دے دینا۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت کیوں فون کیا ہے؟"

"تم نے اب تک کچھ نہیں بتایا کہ سلمٰی کے ماموں والے قصے کا کیا بنا۔ اس معاملے میں تم بہت تیزی دکھا رہے تھے۔"

"وہ غلط آدمی ہے۔ صبح تک اس کا تیا پانچا ہوجائے گا۔ اور کل ہی تم کو لاہور پہنچنا ہے۔"

"واقعی!" اس کی سریلی آواز تحیر زدہ چیخ سے مشابہ تھی "بھارت کے لیے روانگی کا کیا پروگرام طے ہوا ہے؟"

"تم آجاؤ تو پرسوں نکل جائیں گے۔ مجھے خوشی ہے کہ لاہور چھوڑنے سے پہلے یہاں کا کام پورا ہوچکا ہے۔ ہماری روانگی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔"

"اچھا ہوا کہ میں نے بھی جان ا سمتھ سے رابطہ کرلیا۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے اس کی جان نکل رہی تھی" ویرا کے ایک ایک لفظ سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی "میں اسے بتا رہی کہ میں ویرا لائیڈ بول رہی ہوں اور وہ کسی طرح یقین کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔"

"میں نے تمہیں منع کیا تھا" میں نے ناراضگی سے کہا "اس کو اپنا نام بتانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تم نے اس بات کو نظرانداز کردیا کہ وہ میرے دعوے کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں نے ایک سنسان بوتھ سے فون کیا تھا اور پھوہڑ پاکستانی عورت کی طرح غلط سلط انگریزی بول رہی تھی۔ میں نے اسے دھمکی دی ہے کہ میں جلد ہی اسے خان سے ماردوں گی۔ اس کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھے کوئی خبطی عورت سمجھ رہا تھا جسے کسی نے رقم کا لالچ دے کر اس کے پیچھے لگا دیا ہو۔ کل صبح اور پھر لاہور روانگی سے پہلے میں اسے پھر اسی آواز میں فون کروں گی۔"

"بچوں جیسی حرکتیں ہیں" میں نے اس کی بات کاٹ کر اپنی کھلی ناپسندیدگی کا اظہار کیا "ان احمقانہ حرکتوں سے وہ ڈرنے کے بجائے یہ نتیجہ اخذ کرے گا کہ تم حواس باختہ ہو کر اوچھے حربوں پر اتر آئی ہو۔ اس کے ذہن میں بلاوجہ میرا اور تمہارا نام تازہ ہوجائے گا۔"

"ہوا کرے" وہ ڈھٹائی سے بولی "پرسوں ہم دونوں یہاں سے جاچکے ہوں گے۔ تم یہ باتیں اس لیے کہہ رہے ہو کہ امریکیوں کے مزاج کو نہیں سمجھتے۔ میں خود امریکی ہوں۔ جانتی ہوں کہ یہ لوگ اوّل درجے کے وہمی اور ڈرپوک ہوتے ہیں۔ اگر یہ خیال اس کے ذہن میں جڑ پکڑ گیا کہ کوئی نیم پاگل پاکستانی عورت اس کے خون کی پیاسی ہوگئی ہے تو اس کی رات کی نیندیں حرام ہوجائیں گی۔ یہ انگریزوں کے وہم کا مذاق اڑاتے ہیں کہ نحوست کے خوف سے ان کی کسی گنتی میں تیرہ کا ہندسہ نہیں ہوتا مگر خود تیرہویں سال گرہ منانے سے ڈرتے ہیں۔ اس کے دل میں ڈر بیٹھ گیا تو وہ ہفتہ دس دن کی چھٹی پر پاکستان سے باہر چلا جائے گا۔"

"یہ بلی کو خواب میں چھیچھڑے نظر آنے والی بات ہے۔ ایسی طرح اپنا دل خوش کرتی رہو۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ سلمٰی کا ماموں لاہور میں کیا گڑبڑ کر رہا تھا" اپنے دل کی بھڑاس نکال لینے کے بعد اس نے پوچھا۔

"کل آرہی ہو تو سب پتا چل جائے گا۔ زیادہ تفصیل جاننا چاہو تو پرسوں کے اخبارات پڑھ لینا۔ اس وقت تک ہر راز طشت از بام ہوجائے گا۔"

"یہ صرف میری نہیں' اول خان اور سلطان شاہ کی بھی خواہش ہے۔ یہ دونوں کراچی ہی میں رہیں گے۔"

"بلاوجہ میرا دماغ مت چاٹو۔ اول خان خود بھی مجھے فون

Downloaded from https://paksociety.com

کر سکتا تھا۔ اسے معلوم ہے کہ یہ اے این ایچ کا چکر تھا۔"

"یقین نہیں ہے تو خود اس سے بات کرلو" یہ کہہ کر ویرا نے ریسیور اول خان کو دے دیا۔ اس کی آواز سن کر مجھے سنبھل جانا پڑا۔

"میں تمہارا تہ دل سے ممنون ہوں" میں نے اس کی ہیلو سنتے ہی کہا "تم سے بات ہونے کے بعد خالد کا رویہ ایک دم بدل گیا تھا۔ نتائج سامنے آنے کے بعد وہ اپنی محتاط روی پر شرمندہ ہے اور کئی بار معذرت کرچکا ہے۔ یہ کروڑوں کا چکر ثابت ہوا ہے جس میں ہیروئن کا لین دین بھی شامل ہے۔ ان دھندوں کے لیے امریکا کی ایک مشہور فاؤنڈیشن بالکل غیر قانونی طریقے سے فنڈز فراہم کررہی ہے۔ آئی بی والے اس مشتبہ فنڈنگ پر پہلے سے کام کررہے تھے۔"

"خالد شاید کل مجھے پوری کہانی سنائے گا۔ وہ تم سے بہت مرعوب ہے لیکن تمہارے طریقہ کار سے ڈرتا ہے۔ تمہارے اچانک فیصلوں نے اسے الجھادیا تھا۔"

"خالد کے بعد تم جلال سے بھی بات کرلینا۔ چوہدری عظمت کا کیس اب اسی کو سونپ دیا گیا ہے۔"

"ویرا کیا کہہ رہی تھی؟ تم آگے کب جارہے ہو؟" اس نے ویرا کی زبان سے سنے ہوئے مکالموں کی تصدیق چاہی۔

"پرسوں ... ویرا کو کل لاہور آنا ہے۔ میں رات کے لیے اسی ہوٹل میں کمرا بک کرادوں گا۔"

"یہ معاملہ تم خود سنبھال لینا۔ ویرا آج کل منہ زور اور گستاخ ہوگئی ہے" ہنسی کے ساتھ ساتھ اس کی آواز آئی "یہاں سے کباب میں ہڈی بننے کا عزم لے کر جائے گی۔ کہہ رہی تھی کہ جب تک لاہور میں رہے گی، تمہارے کمرے میں تیسرا بستر لگوا کر سوئے گی۔ غزالہ یہ حرکت برداشت نہیں کرے گی۔"

"اس وقت شاید وہ تمہارے آس پاس نہیں ہے" میں نے متجسس انداز میں سوال کیا۔

"تمہیں اس کا مرض معلوم ہے۔ کمرے میں گلاس بنا ہوا رکھا ہوگا۔ بار بار وہاں جاتی ہے اور ایک دو چسکیاں مار کر لوٹ آتی ہے" اول خان کی آواز میں ایسی خفت تھی جیسے وہ خود کو ویرا کی اس بری عادت کا ذمے دار سمجھتا ہو "اس وقت بھی وہ وہیں گئی ہوگی۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے اس ہڈی کے بارے میں بتادیا۔ میں جلال سے بات کروں گا۔ ہوسکا تو ہم کل رات ہی لاہور سے نکل جائیں گے۔ نہ رات کو یہاں رکنا ہوگا نہ کوئی مسئلہ کھڑا ہوگا۔"

"فنڈز، امریکی فاؤنڈیشن اور ہیروئن کا ذکر کرکے تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ فون پر زیادہ بات نہیں ہوسکتی، چوہدری عظمت اب کہاں ہے؟"

"اپنے گھر میں آرام کررہا ہوگا لیکن صبح تک شاید اپنی صحیح جگہ پر پہنچادیا جائے۔ عین وقت پر ایک سنگین انتظامی الجھن پیدا ہوگئی ورنہ وہ اب تک بند ہوچکا ہوتا۔"

اول خان اس موضوع پر مزید بات کرنے کا خواہش مند تھا۔ اسے یہ جان کر حیرت ہوئی تھی کہ سارا کچا چٹھا سامنے آجانے کے بعد بھی چوہدری عظمت آزاد تھا۔ تحفظ کا تمام تر یقین ہونے کے باوجود میرے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ میں اسے ان تمام تفصیلات سے فون پر ہی آگاہ کردیتا۔ اِدھر اُدھر کی مزید کچھ باتوں کے بعد اول نے تشنہ انداز میں فون بند کردیا۔

ریسیور رکھ کر میں غزالہ کی طرف متوجہ ہوا تو وہ دوسری طرف کروٹ لیے، بے سدھ لیٹی ہوئی تھی۔ میں نے ہولے سے اسے پکارا۔ جواب نہ دارد۔ میں نے اس کی طرف کروٹ لے کر آہستگی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ میری تشویش پر وہ اپنی اداکاری برقرار نہیں رکھ سکی تھی۔

"آپ فون سنتے رہیں اور مجھے سونے دیں" اس نے میرے کان میں منمنا کر شکوہ کیا۔

رات کے گہرے سناٹے میں، میں غزالہ کے دل کی دھک اپنے بازو پر محسوس کررہا تھا۔ ہم دونوں دیر تک آپس کی باتیں کرتے رہے۔ میں نے اپنی پوری توجہ اس پر مرکوز کی ہوئی تھی مگر میرے کان فون کی گھنٹی کی طرف لگے ہوئے تھے۔ مجھے بہت شدت سے جلال کی کال کا انتظار تھا۔

جلال کا فون آنا تھا اور نہ آیا۔ اسی انتظار میں میری آنکھ لگ گئی۔ میں کچھ ہی دیر کے لیے نیند کی دیوی کی مہربان آغوش میں رہا ہوں گا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر پر کوئی گھڑیال بج رہا ہو۔ رفتہ رفتہ وہ آواز اتنی بڑھی کہ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ چند ثانیوں تک کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کوئی خواب تھا یا واقعی کہیں کچھ بج رہا تھا۔ مختصر سے وقفے کے بعد فون کی گھنٹی آسیبی آواز میں چیخی تو میں بوکھلا گیا۔ شاید فون کی مسلسل بجتی ہوئی گھنٹی ہی میری بیداری کا سبب بنی تھی۔

میں نے ریسیور اٹھانے سے پہلے ہوٹل کے دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالی۔ اس کی روشن سوئیاں صبح کے ساڑھے تین بجا چکی تھیں۔ مجھے ہوٹل کے آپریٹر پر غصہ آگیا۔ فون

Downloaded from https://paksociety.com

کرنے والا کوئی بھی رہا ہو' آپریٹر کو اتنی رات گئے مہمانوں کی نیند خراب کرنے کا کوئی حق نہیں تھا مگر وہ بدتمیز نہ جانے کب سے فون کی گھنٹیاں بجائے جا رہا تھا۔

"کون ہے؟" میں نے ریسیور اٹھا کر غراتی ہوئی غنودہ مگر کٹ کھنی آواز میں پوچھا۔

"اوہو۔ نیند خراب ہونے پر برہم ہو۔ میں معذرت چاہتا ہوں" اپنے کان میں جلال کی آواز سن کر میرا خون کھول گیا۔ آپریٹر نے ہمارے کمرے سے کوئی جواب ملنے کا انتظار کیے بغیر کال ہمارے کمرے میں منتقل کر دی تھی۔ اسے اپنی سہولت عزیز تھی۔ مہمانوں کے آرام کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔

آپریٹر سے بعد میں نمٹنے کا ارادہ کر کے میں نے ماؤتھ پیس میں کہا "میں تمہاری کال کا انتظار کرتے کرتے سویا تھا۔ شاید تم کہیں اور مصروف ہو گئے تھے۔ اس وقت اسلام آباد میں بھی رات کے ساڑھے تین ہی بجے ہوں گے!"

"میں اسلام آباد سے نہیں' تمہارے ہوٹل کی لابی سے بول رہا ہوں۔ تم سے بات ہونے کے بعد مسلسل اسی چکر میں الجھا ہوا تھا۔"

"اوہو۔۔۔ ہو۔۔۔ ہو!" اس کے انکشاف پر میرے حلق سے بے معنی سی آوازیں برآمد ہوئیں "میں کپڑے بدل کر نیچے آ رہا ہوں۔ تم کافی منگوا لو۔"

فون کی مسلسل بجتی ہوئی گھنٹیاں غزالہ کی نیند پر اثر انداز نہیں ہوئی تھیں مگر میرے دہانے سے برآمد ہونے والی لایعنی آوازوں سے اس کی نیند اچٹ گئی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ گئی "کیا ہوا؟ کون آ گیا؟ آپ کس سے باتیں کر رہے ہیں؟" اس نے مخمور لہجے میں لگاتار تین سوال کر ڈالے۔

"لابی میں جلال آیا ہوا ہے۔ تم سو جاؤ۔ میں اس سے مل کر آتا ہوں" "بستر چھوڑ کر میں باتھ روم میں گھس گیا۔

میں عجلت میں کپڑے تبدیل کر کے لوٹا تو کمرا روشن تھا اور غزالہ کچھ پریشان سی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی۔ "آپ جلدی لوٹ آئیں۔ اس کے ساتھ کہیں باہر جانا ہو تو مجھے انٹر کام پر بتا دیں۔ میں انتظار کروں گی" میں چابی لے کر کمرے سے نکل گیا۔

میں لفٹ کے ذریعے لابی میں پہنچا تو جلال نے گلے مل کر تپاک سے میرا استقبال کیا۔ اس کی آنکھوں سے بے خوابی اور چہرے سے تکان عیاں تھی۔

"میں تمہیں اس وقت لاہور میں پا کر حیران ہوں۔ کیا لاہور اور اسلام آباد کے درمیان رات کو بھی کوئی پرواز ہوتی ہے؟" میں نے بھاپ اڑاتی ہوئی تلخ کافی کا ایک گھونٹ لے کر کہا۔

"سب سے بڑا مسئلہ یہی تھا" وہ سگریٹ کا دھواں بکھیرتے ہوئے بولا "گاڑی یا کوچ سے سفر میں کم از کم پانچ چھ گھنٹے صرف ہو جاتے۔ رات کو کوئی پرواز نہیں ہوتی۔ آرمی والوں کا ایک کوبرا ہیلی کاپٹر لاہور آ رہا تھا۔ وارنٹ وغیرہ لے کر اسی سے ڈیڑھ بجے پہنچا تھا۔ مقامی مجسٹریٹ کو نیند سے اٹھا کر ساتھ لیا اور اپنے اسٹاف کے دو آدمیوں کے ساتھ چھاپا مار کر چوہدری عظمت کو اٹھا لیا۔ اس کے گھر سے بیالیس گلوگرام ہیروئن کے تھیلے برآمد ہوئے ہیں۔"

میں حیرت سے اس کا منہ تکتا رہ گیا "پھر میرا اندازہ صحیح تھا۔ ڈی آئی جی کی میٹنگ تم ہی نے منسوخ کرائی ہوگی۔"

"بس داؤ چل گیا۔" وہ بے پروائی سے بولا "ہم وفاق والوں کو یہ فائدہ رہتا ہے کہ ہم صوبوں کے لیے کام پیدا کر سکتے ہیں۔ مجھے میٹنگ کے بارے میں کچھ نہیں کہنا پڑا۔ ڈی آئی جی کے لیے ایک کام نکال دیا۔ گیارہ بجے اس کی ائرپورٹ پر موجودگی ضروری ہو گئی تھی۔ میٹنگ خود بہ خود منسوخ ہو گئی۔"

"چوہدری عظمت اور تمہارے دونوں آدمی کہاں ہیں؟" مجھے رفتہ رفتہ سوال یاد آ رہے تھے۔

"پارکنگ لاٹ میں گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ شاہد کو میرے حوالے کرنے کا بندوبست کرو۔ سات بجے مجھے اسی کوبرا سے واپس چکلالہ ائرپورٹ جانا ہے۔ ان لوگوں کو پہلے سے بتانا ہوگا کہ واپسی میں میرے ساتھ دو قیدی ہوں گے اور بیالیس کلو کارگو!" اس نے بائیں آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم واقعی جن ہو" میں نے تعریفی لہجے میں کہا "میں سوچ بھی نہیں سکا تھا کہ تم اسی وقت لاہور کے لیے دوڑ پڑو گے۔"

"ارے یار! یہی تو ہماری روزی ہے۔ اس کے لیے بھی بھاگ دوڑ نہ کریں تو پھر زندگی کا مصرف کیا ہے۔ مجھے چوہدری عظمت کی گرفتاری اور خانہ تلاشی کے وارنٹ حاصل کرنے میں وقت لگا۔ متعلقہ آدمی دستیاب تھے۔ ان کے دفتر کھلوا کر مہریں لگوانی پڑیں۔ اس مردود کا نام لاہور کے معززین کی فہرست میں شامل نہ ہوتا تو شاید میں یہ قانونی ضابطے بعد میں پورے کر لیتا لیکن اس پر تیاری کے بغیر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔"

میں نے کافی پینے کی رفتار تیز کر دی۔ میں ان کے ساتھ جانے اور واپس لوٹنے کا حساب سوچ رہا تھا۔ وہ چار تھے۔ میں پانچواں ہوتا۔ شاہد کے لیے خالد کی مدد ضروری تھی۔

کافی ختم کر کے پہلے میں نے انٹر کام پر غزالہ کو اپنی نئی مصروفیت سے آگاہ کیا پھر خالد کے گھر کا نمبر ملا لیا۔ ہر شریف آدمی کی طرح وہ بھی اس وقت گہری نیند سو رہا تھا۔ تیسری

Downloaded from https://paksociety.com

گھنٹی بجنے کے بعد اس کی نیند سے بوجھل آواز سنائی دی۔ میں نے اسے اپنے اوسان بحال کرنے کے لیے وقت دینے کی نیت سے غیر ضروری طور پر اس کی مزاج پرسی کی پھر اسے صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ جلال کے نام اور عہدے سے پہلے سے واقف تھا۔ فوری طور پر اسٹیشن تھری پہنچنے پر آمادہ ہوگیا۔

جلال کے دونوں آدمی اپنی صورتوں سے شاطر اور خرانٹ نظر آرہے تھے۔ ان دونوں نے ہمیں عقبی نشست پر بٹھانے کے بعد اگلی نشستیں سنبھال لیں۔ چوہدری عظمت بے ہوشی کی حالت میں پچھلے پائیدان پر پڑا ہوا تھا۔ جلال کے جوتے اس کے سینے پر تھے۔

"اسٹیشن تھری چلو!" جلال نے ہدایت دی اور گاڑی فوراً حرکت میں آگئی۔ مال روڈ کی دمکتی ہوئی اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں، میں نے دیکھا کہ چوہدری عظمت پستہ قامت اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا اور اپنے سرخ وسفید اور کلین شیو چہرے سے وہ خاصا سنجیدہ اور زیرک نظر آرہا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس کے دونوں ہاتھ ہتھکڑی کی جوڑی میں بندھے ہوئے تھے۔ اگلا سورج طلوع ہونے سے پہلے وہ آہنی زیور پہن کر اپنی آزادی سے محروم ہوچکا تھا۔

بے اختیار میری نظروں میں سلمیٰ کا ملول اور افسردہ چہرہ گھوم گیا۔ اپنے ماموں کی ذلت آمیز گرفتاری پر اس کا دل گرفتہ ہونا قابلِ فہم تھا۔

ہمارے ہوٹل سے اسٹیشن تھری کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ہم خالد سے پہلے وہاں پہنچ گئے۔ وہ شاید اپنے عملے کو ہمارے بارے میں فون پر ہدایات دے چکا تھا۔ گاڑی کو اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ خالد کا دفتر مقفل تھا مگر اس سے ملحقہ انتظار گاہ کھلی ہوئی تھی۔ وہاں ایک اردلی بھی موجود تھا۔

جلال کے دونوں آدمی چوہدری عظمت کے ساتھ باہر رکے رہے۔ جلال میرے ساتھ انتظار گاہ میں آبیٹھا۔

"تم نے لاہور سے روانگی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" سگریٹ سلگانے کے بعد جلال نے خود ہی بات چھیڑ دی۔

وہ اس فاضل وقت کا بہترین استعمال تھا۔ میں نے کہا "کل ویرا آجائے گی۔ میرا ارادہ ہے کہ ہم کل رات ہی نکل جائیں ورنہ ہمیں بلاوجہ چوبیس گھنٹوں تک انتظار کرنا ہوگا۔ سفر کے لیے رات کا اندھیرا زیادہ سازگار ثابت ہوگا۔"

"ویرا کے پہنچتے ہی مجھے فون کرکے کنفرم کردینا۔ تم تینوں کو کل رات سرحد پار پہنچا دیا جائے گا۔ میرے تینوں آدمیوں کے نام ساتھ لے جانا نہ بھولنا۔"

"ان باتوں کی تم فکر نہ کرو، روانگی کے وقت یہاں سے ہم کو کس کے ساتھ اور کیسے جانا ہوگا۔"

"یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔ میری کوشش ہوگی کہ میں تمہارا فون ملتے ہی اسلام آباد سے لاہور کے لیے روانہ ہوجاؤں۔ یہاں سے میں خود تمہیں سرحد پار پہنچاؤں گا۔ ان کاموں میں رابطے کے آدمی کی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ بھارتی میرے سوا کسی سے ڈیل نہیں کریں گے۔"

اس کی طرف سے وہ بات صاف ہوجانے پر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ میں ذہنی طور پر کسی اور کے ساتھ نئے سفر کا آغاز کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ آخری لمحات پر کسی گڑبڑ کی صورت میں یہ امکان بہرحال تھا کہ سرحد پار بھروسے کے افراد کے بجائے سادہ کپڑوں میں بھارتی فوجی یا شہری حکام موجود ہوں اور سرحد پار کرتے ہی ہمیں اپنی تحویل میں لے لیں۔ جلال بہت ذمے دار آدمی تھا۔ اس کے ہوتے ہوئے ایسے کسی واقعے کا امکان کم ہوجاتا۔ وہ خطرہ بھانپ کر عین وقت پر کوئی متبادل قدم اٹھانے کا صحیح فیصلہ کرسکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد خالد بھی اسٹیشن فور آپہنچا۔ وہ منہ ہاتھ دھوکر پوری تیاری کے بعد آیا تھا لیکن اس کی آنکھوں سے نیند سے بیداری کے آثار نمایاں تھے۔ جلال نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ دونوں نے تپاک سے ہاتھ ملائے اور پھر باتوں میں وقت ضائع کیے بغیر خالد ہمیں لے کر اس کے کمرے کی طرف چل دیا جہاں ہیومن سوسائٹی کے شاہد کو قید میں رکھا گیا تھا۔

اسٹیشن تھری کے ماحول میں ہر طرف خواب ناک خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ ہر طرف آمدورفت کا سلسلہ بھی مفقود تھا۔ بیرک کے صرف اس حصے میں تھوڑی سی چہل پہل تھی جہاں ہم لوگ موجود تھے۔ شاہد کے کمرے کی نگرانی پر موجود گارڈ نے خالد کا اشارہ پاتے ہی دروازہ کھول دیا۔ ہم نے اندر داخل ہونے سے پہلے دیکھ لیا کہ شاہد ایک پہلو کے بل ننگے فرش پر لیٹا بہت گہری نیند سو رہا تھا۔ کھٹ پھٹ کی آوازیں اور آہٹیں بھی اس کی نیند میں خلل انداز نہیں ہوسکی تھیں۔

جلال نے اپنے دوسرے شکار کو دور سے دیکھا پھر باہر آکر اشارے سے اپنے ایک آدمی کو وہاں بلالیا۔ اس دراز قامت شخص کو پہلے سے متوقع ضروریات کا اندازہ تھا۔ وہ آیا تو اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیوں کا ایک جوڑا موجود تھا۔

"اسے بے ہوش کرکے گاڑی میں ڈال لو۔ یہ بھی ہمارے ساتھ جائے گا۔" جلال نے سپاٹ لہجے میں اسے

Downloaded from https://paksociety.com

اس نے ہتھکڑیوں والی زنجیر اپنے کندھے پر ڈالی اور جیب سے سرنج اور محلول کی شیشی نکال کر انجکشن تیار کرنے میں مصروف ہوگیا۔ اس کے اعتماد اور پھرتی سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کے لیے وہ کام نیا نہیں تھا۔ اس نے شیشی سے سیال کی کچھ مقدار سرنج میں داخل کی۔ سرنج سے ہوا کے بلبلے خارج کیے اور پھر شاہد کی آستین ہٹانے کی زحمت کیے بغیر سوئی اس کے بازو میں اتار دی۔

سوئی کی چبھن سے شاہد کے بدن میں جھرجھری پیدا ہوئی مگر اس کی نیند میں فرق نہیں آیا۔ جلال کا وہ دراز قامت اور صحت مند آدمی چند لمحوں تک عقابی نظروں سے شاہد کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے جھک کر ایک ہی جھٹکے میں شاہد کے صحت مند وجود کو یوں اپنے کندھے پر لاد لیا جیسے وہ مدتوں سے صرف بوجھ ڈھونے کا کام کرتا رہا ہو۔ شاہد کو اٹھانے سے پہلے اس نے ہتھکڑیاں ایس ٹی ایف کے گارڈ کو تھما دی تھیں۔

اس کمرے میں ہمارا کام ختم ہو چکا تھا۔ محافظ وہیں رک گیا۔ ہم لوگ آئی بی کے دراز قامت باربردار کے پیچھے ہولیے۔ اس کا ساتھی چوہدری عظمت کی نگرانی کے لیے گاڑی کے قریب موجود تھا۔ ان دونوں نے مل کر بہت تیزی سے شاہد کو پچھلی سیٹ پر اس طرح ڈال دیا کہ زیادہ وقت ضائع نہ ہو۔ چوہدری عظمت کی طرح شاہد بھی بے ہوش تھا مگر احتیاط اور روایات کے تقاضے اپنی جگہ پر تھے۔ شاہد کو بھی ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔

جلال کا کام پورا ہو چکا تھا۔ اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔ خالد نے رسمی طور پر بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ جلال مجھے اپنے ساتھ لایا تھا اور ساتھ ہی لے جانا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اسے قیدیوں اور ڈکی میں موجود ہیروئن کے سربہ مہر تھیلوں کے ساتھ ائرپورٹ پر چھوڑ کر' اس کے دونوں آدمی واپسی میں مجھے ہوٹل پر اتار دیں گے مگر شاہد کو لادنے کے بعد اس گاڑی میں گنجائش نہیں رہی تھی۔ دوسری طرف خالد کی گاڑی بھی موجود تھی۔ اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ہم نے اسے وہیں سے رخصت کر دیا۔

چوہدری عظمت اور ہیومن سوسائٹی کے بارے میں پیدا ہونے والی ہر الجھن رفع ہو چکی تھی۔ جلال کی بھاگ دوڑ رنگ لائی تھی اور اس کے مطلوب مجرم خوش اسلوبی سے اس کی تحویل میں جا چکے تھے۔ لاہور میں ہیروئن کی اضافی کھپت اور فراہمی کے بارے میں خالد کی پریشانی بھی دور ہو گئی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے قدرت اچانک ہم سب لوگوں پر مہربان ہو گئی ہو اور ہماری بھارت کی طرف روانگی سے پہلے مقامی بکھیڑوں کو سمیٹنے میں ہماری مدد کر رہی ہو۔

جلال وغیرہ کو رخصت کرنے کے بعد ہم دونوں بھی اسٹیشن تھری واپس چل دیے۔ سر پر تاروں بھرا آسمان پھیلا ہوا تھا۔ بہت دیر ہو گئی تھی مگر پھر بھی صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے ہوٹل پہنچ کر نیند پوری کرنے کا موقع موجود تھا۔

خالد سے میرا تعارف لاہور پہنچنے کے بعد اچانک ہوا تھا۔ میرے بارے میں اس کی معلومات سنی سنائی باتوں تک محدود تھیں جو محدود حلقوں سے سینہ بہ سینہ سفر کرتی رہتی تھیں۔ میں نے ان میں اضافہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی لیکن اس رات پونے گیارہ بجے ہونے والی گفتگو میں' میں نے پہلی بار اسے اعتماد میں لے کر یہ بتایا تھا کہ آئی بی والوں سے میرا روابط تھے اور وہ اس بات پر ناخوش تھے کہ ہم نے چوہدری عظمت اور ہیومن سوسائٹی کا کیس مقامی پولیس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

جلال کی درون خانہ سرگرمیوں کی وجہ سے وہ کیس پولیس کے ہاتھوں میں نہ پہنچ سکا مگر خالد کو یہ علم نہ ہو سکا کہ آئی بی میں میرے مراسم کس سطح پر تھے۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ جلال سے میرا تعارف اول خان کی کوشش کا رہین منت تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے اور جلال کے مراسم میں زیادہ قربت پیدا ہوتی چلی گئی تھی۔ خالد کو حیرت تھی کہ آئی بی کے ایک اعلیٰ افسر سے میرے اتنے گہرے اور قریبی تعلقات تھے۔

راستے بھر وہ اس کیس اور آئی بی کے بارے میں باتیں کرتا رہا پھر مجھے ہوٹل کے پورچ میں اپنی گاڑی سے اتار کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

میں برآمدے میں کھڑا ہاتھ ہلاتا رہا۔ جب خالد کی گاڑی ہوٹل کے احاطے سے نکل گئی تو میں مڑا اور ہوٹل کے صدر دروازے سے ہوٹل کی لابی میں داخل ہو گیا۔

ہوٹل کی لابی میں بہت کم لوگ نظر آ رہے تھے۔ میں سرسری نظروں سے گردوپیش کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک میری نظر غزالہ پر پڑی اور میرے دل کی دھڑکنیں یک لخت تیز ہو گئیں۔ میرے روانہ ہونے کے بعد اصولی طور پر اسے کمرے تک ہی محدود رہنا چاہیے تھا۔ اگر وہ اتنی رات گئے اپنے کمرے سے باہر نکلنے پر مجبور ہوئی تھی تو ضرور اس کا کوئی اہم سبب تھا۔

بے اختیار میرے قدموں کی رفتار تیز ہو گئی۔ میں غزالہ کی طرف جا رہا تھا مگر وہ میری آمد سے بے خبر تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیمپ کے افتتاح ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے' یہاں مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کھنول راجوانی کا نام سامنے آیا' اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے چکنی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آچکے تھے اسے واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرنل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے خدار کی حیثیت سے ملا اور اسے یقین دلایا کہ میں ذہبی کو تلاش کرکے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے معقل ثابت ہورہا تھا' اس نے میرے اور اول خان کے فگر پر تنس بھی حاصل کرلیے۔ اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اول خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے اولی سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہوچکا تھا' اس نے مجھے انڈین قونصلیٹ کے میجر بخشی کے سپرد کردیا۔ جس نے مجھے دھن راج سے بھی متعارف کرادیا۔ میجر بخشی کرنل جمال دستی کا فوجی ماضی جانتا چاہتا تھا اس چکر میں اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی تاہم بعد میں اسے کرنل جمال دستی کی حیثیت پر یقین آگیا۔ اولی ہنٹ نے اپنی کارروائیاں تیز کیں مگر ناکامیوں کے بعد وہ دہلی فرار ہوگیا۔ میجر بخشی کی طرف سے میرے اغوا کی ایک اور کوشش کے نتیجے میں رستم ایرانی ہمارے سامنے آیا وہ پاکستان میں رہ کر ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ کرائے کے قاتل بھی فراہم کیا کرتا تھا میں نے اس تک رسائی حاصل کی اور بھاری معاوضے پر اولی ہنٹ کے قتل کی ذمے داری اسے سونپ دی۔ حسب توقع اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی دوران میں رستم ایرانی نے انکشاف کیا کہ ذہبی کی تلاش کا کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ علم ہوا کہ پنڈت منوہر لال سے اس کے گہرے مراسم ہیں جس کے بعد میں نے پنڈت منوہر لال کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے ایسے کاغذات ملے جن سے پنڈت منوہر لال کا اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا ایجنٹ ثابت ہوتا تھا۔ رستم نے ان کاغذات کے لیے خطیر رقم کی پیش کش کی۔ میں نے جواب میں پنڈت منوہر لال کو مانگ لیا۔ اس کے انکار پر اس کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور رستم نے خودکشی کرلی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرم الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھانجا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ میں نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں مقید اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آپریشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نیا نام بنا کر اپنی ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آپریشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ یوب رائیل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آرہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جارہی تھی ہم اسے یوب رائیل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر یوب رائیل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی مگر وہیں اپنے حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محب وطن ٹیکسی ڈرائیور مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی کا پیچھا کرلیا۔ ہوٹل میں یوب رائیل نے اپنی گھوطا سی کی کوشش کی مگر ناکام ہوا اور بالآخر امریکی صدر کے فرمان کے تحت اپنے عملے سے برخاست ہوکر امریکا جانے کا عازم سفر ہوا۔ اکرام الٰہی نے تفتیش کے دوران میں بتایا کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کے پیغامات کے حوالے سے بلیک میل کرتا رہا ہے اور اس نے فاؤنڈیشن کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی فائل بنا رکھی ہے۔ ہم نے وہ فائل حاصل کرلی۔ مقبول چوہدری اور اکرام الٰہی سے مصرف ہوچکے تھے لہٰذا انہیں ٹھکانے لگادیا گیا۔ اکرام الٰہی کی مرتب کردہ فائل سے ہمیں بہت ساری معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں ایک نام مراد ظریف کا تھا جو اندرون سندھ ایک این جی او چلا رہا تھا۔ فائل سے ظاہر ہوا کہ اس کی اہمیت کے پیش نظر میں نے اسے مقبول چوہدری کے حوالے سے بلانا چاہا مگر وہ قابو میں نہیں آیا۔ سلطان شاہ اس کی تلاش میں حیدر آباد اور بدین تک سے مراد ظریف کے ٹھکانے میں پہنچ گیا۔ سلطان شاہ کو چھڑانے کے لیے ہم نے پہلے مراد ظریف کو حیدر آباد سے گرفتار کیا اور پھر ایک مختصر سے معرکے کے بعد سلطان شاہ کو سپرو خاص سے بازیاب کرالیا گیا۔ مراد ظریف نے ہماری تحویل میں خود کشی کرنے سے پہلے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہوکر بھارت چلا گیا ہے۔ اکرام الٰہی سے ملنے والی فائل میں درج دیگر افراد سے یکے بعد دیگرے اپنے انجام کو پہنچتے رہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہوچکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر شکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے تجدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی مارونا نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ کرشن کمار دوامریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی سے ہمیں ہری چند تک پہنچنا پڑا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہوکر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوچکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ اعلیٰ بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا' بلال بھی میری اس خواہش میں شریک تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنادیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کرچکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اب میں انڈیا کے سفر کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی۔ ہم لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ لاہور میں ہم نے ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کو ہیروئن کی بڑھتی ہوئی وبا کے حوالے سے بہت فکرمند پایا۔ لاہور میں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان میں سے ایک ہیومن سوسائٹی مجھے غیر معمولی طور پر مشکوک محسوس ہوئی۔ دوران تفتیش انکشاف ہوا کہ اس سوسائٹی کا کرتا دھرتا چوہدری عظمت' جاسٹیر کی بیوی کا ماموں ہے۔ ہیومن سوسائٹی کے حوالے سے ہمارا شک درست نکلا۔ وہ ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کے علاقہ گلبرگ اسکاٹلینڈ اور وہاں سے ہیروئن لاہور میں پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھا' اس کے علاوہ وہ انسداد ہیروئن کے ایک امریکی ادارے فورڈ فاؤنڈیشن سے بھی بھاری امداد لے رہا تھا۔ اس کے دست راست شاہد سے یہ معلومات حاصل ہوتے ہی جلال نے فوری کارروائی کی اور چوہدری عظمت کو اس کے گھر سے ہیروئن کی بیالیس تھیلوں سمیت گرفتار کرلیا گیا۔ میں اسے رخصت کرکے ہوٹل واپس لوٹا تو غیر متوقع طور پر غزالہ کو کمرے سے باہر دیکھ کر پریشان ہوگیا۔ میں اس کی طرف جارہا تھا مگر وہ میری آمد سے بے خبر بھی

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

غزالہ کی پوزیشن سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ میری آمد سے ضرور بے خبر تھی مگر اس کی توجہ کسی خاص شے یا شخص پر مرکوز تھی۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے اس نے چلتے چلتے کسی کو دیکھا ہو اور پھر ٹھٹک کر اپنی جگہ پر کھڑی رہ گئی ہو۔ میں تیز رفتاری سے پیش قدمی کرتے ہوئے' متجسس نگاہوں سے اس کے گرد و پیش کا جائزہ لیتا رہا اور چند ثانیوں میں' میں خود بھی حیران رہ گیا۔

ہوٹل کے استقبالیہ کاؤنٹر پر ویرا موجود تھی۔ اس کے انداز.... سے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ ہوٹل کی لابی میں غزالہ کی موجودگی سے بالکل بے خبر ہو۔ وہ کاؤنٹر پر رکھے

Downloaded from https://pksociety.com

ہوئے کسی کاغذ یا فارم پر لکھنے میں منہمک تھی۔

ویرا کی ہوٹل میں موجودگی میرے لیے حیرت کا باعث تھی مگر غزالہ کی طرف سے اس کی لاتعلقی اس سے زیادہ حیران کن تھی۔ میرے ذہن میں سب سے پہلے یہ بات آئی کہ ویرا نے لاہور ائرپورٹ پر اترتے ہی یا ہوٹل پہنچنے پر غزالہ کو اس کے کمرے میں فون کرکے اپنی آمد سے آگاہ کردیا ہوگا۔ ان دونوں کے درمیان کیا گفتگو ہوئی' میں اس سے لاعلم تھا مگر ایک بات یقینی تھی کہ اس طرح غزالہ کو ویرا کی آمد کی خبر مل گئی اور وہ ویرا کو اپنے کمرے میں بلانے کے بجائے' نیچے لابی میں اتر آئی۔ ایسی صورت میں ویرا کی بے خبری اور غزالہ سے لاتعلقی غیر فطری محسوس ہو رہی تھی۔

میں تیزی سے بڑھتا ہوا غزالہ کے قریب پہنچا اور نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہیلو کہا۔ وہ بری طرح چونک کر میری طرف گھومی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں فکر اور تشویش کے سائے لہراتے دیکھے۔ اس کی وہ کیفیت بس چند لمحوں تک برقرار رہی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ میرے مزید کچھ کہے بغیر وہ خاموشی سے میرے ساتھ ہولی۔

رات عملاً گزر ہی چکی تھی۔ وہ صبح کا پہلا حصہ تھا۔ ہوٹل کی وسیع لابی خالی خالی سی نظر آرہی تھی مگر پھر بھی وہاں اِکا دُکا شب بیدار مہمان اِدھر اُدھر بیٹھے یا چلتے پھرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ان کی تعداد اتنی کم تھی کہ وہ سب ایک دوسرے کی نظروں میں رہے ہوں گے۔ ایسے ماحول میں یہ بات کسی طرح میرے ذہن میں نہیں بیٹھ رہی تھی کہ غزالہ کی موجودگی کے بارے میں وہ اتنی ہی بے خبر تھی جتنا خود کو ظاہر کررہی تھی۔

"تم اس وقت یہاں لابی میں کیا کرتی پھر رہی ہو؟" کاؤنٹر سے آگے نکل جانے کے بعد میں نے دبی دبی تحیر زدہ سرگوشی میں غزالہ سے پوچھا۔

"شاید آپ نے غور نہیں کیا۔ ویرا یہاں پہنچ چکی ہے اور ہوٹل کے استقبالیہ کلرک سے باتوں کے بعد کچھ لکھنے پڑھنے میں مصروف ہے" غزالہ نے میرے ساتھ قدم ملاتے ہوئے اسی لہجے میں جواب دیا۔

"یہ کسی پرواز کا وقت نہیں ہے۔ اس وقت وہ کیسے یہاں پہنچ گئی" میں غزالہ کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بڑبڑایا۔

"کراچی سے آنے والی نائٹ کوچ سے پہنچی ہے۔ کسی خرابی کی وجہ سے پرواز کی روانگی میں تاخیر ہوگئی تھی ورنہ وہ اس سے پہلے ہی یہاں آگئی ہوتی۔"

میں نے چونک کر غزالہ کو گھورا "یہ باتیں تمہیں کیسے معلوم ہوئیں۔"

"وہ ایک کمرے میں تین بستروں کا تصور لے کر یہاں آئی ہے" غزالہ نے برا سا منہ بنا کر بتانا شروع کیا "ہوٹل کی لیموزین سروس کے ذریعے ائرپورٹ سے یہاں پہنچی تھی۔ غنیمت یہ ہے کہ وہ براہِ راست ہمارے کمرے میں نہیں پہنچی۔ اس نے نیچے سے انٹر کام استعمال کرکے مجھے اپنی آمد کی خوش خبری سنائی۔ وہ ہمارے کمرے میں آنے کی اجازت طلب کررہی تھی۔ میں نے اسے سختی سے روک دیا۔ دیکھنا ہے کہ اب وہ کیا کرتی ہے۔"

"شاید تم کافی دیر سے نیچے آئی ہوئی ہو؟" میں نے سگریٹ سلگا کر سوال کیا۔

"بس ابھی ابھی آئی ہوں۔ میں بہت مشکل سے اسے قائل کرسکی کہ یہاں کے حالات بھی مخدوش ہیں۔ ہم ایک چکر میں الجھے ہوئے ہیں۔ فی الحال اسے ہم دونوں سے دور اور الگ تھلگ رہنا چاہیے۔ میں شب خوابی کے لباس میں مسہری پر لیٹی آپ کی واپسی کا انتظار کررہی تھی۔ ویرا سے گفتگو ہونے کے بعد میں نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کیے۔ بال سنوارے اور پھر نیچے آگئی۔ یہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا ہے کہ وہ میرا انتظار کرنے کے بجائے کاؤنٹر پر مصروف ہے۔"

"شاید تمہاری بات اس کی سمجھ میں آگئی ہے اور وہ کباب میں ہڈی بننے کے بجائے اپنے لیے الگ کمرا بک کرا رہی ہے' اس نے تمہیں دیکھ تو لیا ہوگا؟"

"ہاں!" غزالہ نے بے زاری سے جواب دیا "وہ کراچی سے ایسے بے تکے وقت پر لاہور پہنچی ہے۔ اس کی آمد کی اطلاع مل جانے کے بعد میرا نیچے آنا ضروری ہوگیا تھا۔ اس نے دور سے مجھے دیکھا مگر انجان بنی رہی اور کلرک سے باتوں میں مصروف ہوگئی۔۔۔ کچھ ناراض سی لگ رہی تھی۔"

غزالہ کی زبان سے وہ تفصیل سن کر میرے ذہن کا بوجھ ہلکا ہوگیا اور میں نے ہنستے ہوئے کہا "وہ تم کو لپک کر اپنی بانہوں میں لے لیتی تو تم ناراض ہوجاتیں۔ وہ انجان بن کر الگ تھلگ رہی تب بھی تم کو اس سے شکوہ ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس کی ناراضی پانی کے ابال سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ناراض ہے تو بھی تھوڑی سی دیر میں سب کچھ بھول بھال کر اعتدال پر آجائے گی۔ بڑی بات یہ ہے کہ اس نے فساد پیدا کرنے کے بجائے تمہارا مشورہ قبول کرلیا۔"

"ہوں۔۔۔ اوں!" غزالہ نے پرخیال انداز میں اپنے سر کو جنبش دی "دیکھنا ہے کہ یہ طوفان بلاکس کمرے کا رخ کرتا

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔"

میں خاموشی سے سگریٹ کے کش لیتا رہا۔ میرے لیے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی کہ غزالہ اپنے دل میں ویرا کے لیے نرم گوشہ رکھنے کے باوجود اس کی بعض حرکتوں کو سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتی تھی اس لیے اس کا ملا جلا ردِعمل حیران کن نہیں تھا۔

"اس نے کتنی دیر پہلے تم سے انٹرکام پر بات کی تھی؟" کچھ توقف کے بعد میں نے پوچھا۔

"یہ سب بس پانچ سات منٹ پہلے کی بات ہے۔ اچھا ہوا کہ آپ برقت آگئے، میرے سر سے ایک بوجھ اتر گیا ہے۔ اب آپ جائیں اور آپ کا کام۔ ویرا آپ کی بات زیادہ توجہ سے سنتی ہے۔ میں اس دردِ سر سے بچی رہوں گی۔"

وہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل تھا۔ ایسے ہوٹلوں میں گاہکوں کو بہت تیزی سے اعلیٰ ترین خدمات فراہم کی جاتی ہیں اور لوگ اس متاثر کن سروس کے لیے بہت خوشی سے بھاری دام ادا کرنے پر رضامند ہوجاتے ہیں۔ ویرا ذرا سی دیر میں کاؤنٹر سے فارغ ہوگئی۔ اس کے پاس ایک ہلکے سے دستی بیگ کے سوا کوئی سامان نہیں تھا مگر پھر بھی ہوٹل کے باوردی پورٹر نے بڑھ کر وہ بیگ اس کے ہاتھ سے لے لیا، بکنگ کلرک سے چابی لی اور پھر لفٹ کی طرف ہولیا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ پورٹر کے ساتھ لفٹ کی طرف جاتے ہوئے ویرا نے مجھے اور غزالہ کو دیکھ لیا تھا مگر اس کی چکراتی ہوئی نظریں ہم دونوں پر سے پھسلتی ہوئی گزر گئیں۔ اگر وہ غزالہ کی کسی بات کا برا مان کر ناراض نہیں تھی تو ہم سے الگ تھلگ رہنے کی بہترین اداکاری کر رہی تھی۔

وہ پورٹر کے ساتھ لفٹ میں سوار ہوئی تو میں نے اپنی جگہ چھوڑی۔ اس وقت گراؤنڈ فلور پر دوسری خالی لفٹ بھی موجود تھی مگر مجھے اوپر جانے کی کوئی عجلت نہیں تھی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ ہوٹل میں قیام کے لیے ویرا نے کس منزل کا انتخاب کیا ہے۔ ہم دونوں دھیرے دھیرے لفٹ کی طرف بڑھے۔ لفٹ کی پوزیشن بتانے والی بیرونی برقی پٹی پر ہندسے روشن ہوکر بجھتے رہے۔ لفٹ نچلی منزلوں سے اوپر جارہی تھی۔ چھ کا ہندسہ روشن ہوا اور روشن ہی رہا۔ میرے دہانے سے بے اختیار ایک گہرا سانس آزاد ہوگیا۔ ہوٹل کی وسیع اور بلند و بالا عمارت میں ویرا کو رہائش کے لیے وہی منزل ملی تھی جس پر ہمارا قیام تھا۔

میں غزالہ کا ہاتھ تھام کر دوسری لفٹ میں سوار ہوگیا۔ چھٹی منزل پر ہم لفٹ سے اترنے کے بعد اپنے کمرے کے قریب پہنچے تھے کہ برابر والے کمرے کا دروازہ کھلا اور اس میں سے وہی پورٹر برآمد ہوا جو ویرا کے ساتھ اوپر آیا تھا۔ اس نے اپنے سرکی خلیفانہ جنبش کے ساتھ اپنی واپسی کی راہ لی اور غزالہ پھرتی سے اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر گھس گئی۔ اسے اندیشہ رہا ہوگا کہ کہیں ویرا اپنے کمرے سے راہداری میں نہ نکل آئے۔

"اسے پورے ہوٹل میں یہی کمرا لینا تھا؟" غزالہ نے تھکے ہوئے انداز میں مسہری پر گر کر قدرے غصے سے پوچھا۔

"تم جانتی ہو کہ اس کا نام ویرا ہے۔ وہ دوسروں کو چڑانے اور ان کا خون سلگانے کے فن میں مہارت رکھتی ہے۔ اس سے بھول کر بھی نہ پوچھنا کہ وہ ہمارے برابر والے کمرے میں کیوں ٹھہری ہے۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ یہ اتفاق نہیں ہے۔ اس نے بکنگ کلرک سے خاص طور پر ہمارے پڑوس کے کمروں کے بارے میں پوچھا ہوگا۔ اگر تم نے ویرا کی اس حرکت پر ذرا سی بھی برہمی کا اظہار کیا تو وہ خوش ہوگی کہ اس کی تدبیر کارگر رہی۔"

"وہ کہیں بھی میرے سینے پر مونگ دلنے سے باز نہیں آتی۔" غزالہ برا سا منہ بنا کے بولی۔

"غنیمت ہے کہ اس وقت وہ ہمارے کمرے میں نہیں ہے، برابر والے کمرے میں ہے۔ وہ یہیں ڈیرا ڈالنے پر اڑ جاتی تو ہم دھکے دے کر اسے باہر نہیں نکال سکتے تھے۔ اس وقت ہمیں باتیں کرنے کی آزادی کے ساتھ مکمل تخلیہ بھی حاصل ہے۔ وہ رات بھر خوار ہونے کے بعد یہاں پہنچی ہے۔ شب بیداری اور تھکن سے نڈھال ہو رہی ہوگی۔ تھوڑی سی دیر میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوکر گہری نیند سو جائے گی۔"

"وہ ڈھیٹ ہے۔ کوئی گل کھلائے بغیر اتنی آسانی سے نہیں سوئے گی۔ دیکھیں، اب بھارت میں کیا گزرتی ہے۔"

"بھارت کے لیے یہ طے ہوچکا ہے کہ وہ ہم سے دور اور الگ رہے گی" میں نے کرسی سنبھال کر سختی سے کہا "وہاں کسی غلطی یا خرمستی کی اجازت نہیں ہوگی۔ بھارت جیسے دشمن ملک کی سرزمین پر غلطی کا مطلب موت ہوگا۔"

"جب بھارت پہنچیں گے تو پتا چلے گا۔ ابھی تو اسے یہاں بھگتنا ہے" ویرا کی غیر متوقع اور بے وقت آمد سے غزالہ چڑی ہوئی تھی۔

"آج کی رات گزر چکی ہے" میں نے اسے سمجھایا "تھوڑی دیر میں صبح کا اجالا پھیل جائے گا۔ وہ چند گھنٹے سو گزارے گی پھر روانگی کی تیاری شروع ہوجائے گی۔ میرا خیال ہے کہ اب مجھے جلال کو فون کردینا چاہیے تاکہ وہ اور

Downloaded from https://paksociety.com

واپسی کی تیاری کرے۔"

"ابھی تو وہ لاہور سے زیادہ دور بھی نہیں نکلا ہوگا۔ مسافر بردار جہازوں کے مقابلے میں ہیلی کاپٹروں کی رفتار بہت کم ہوتی ہے۔ نو' دس بجے سے پہلے اس سے رابطہ قائم کرنے میں شاید ہی کامیابی ہو سکے۔"

غزالہ کی بات معقول تھی۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی مگر وہ خاموشی زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکی۔ چند ثانیوں بعد فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے ویرا کی تر و تازہ آواز سنائی دی۔

"غنیمت ہے کہ تم اپنے کمرے میں موجود ہو" ویرا کی آواز میں پرواز میں تاخیر اور سفر کی تکان کا کوئی نام و نشان نہیں تھا" تمہاری بیوی نے مجھے اپنے کمرے میں بلانے سے صاف انکار کردیا تھا۔ اس وقت میں تمہارے برابر والے کمرے میں مقیم ہوں۔ تم آرہے ہو یا میں تمہاری طرف آؤں۔"

"غزالہ کو تم سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ اس نے تم سے جو کچھ کہا۔ وہ احتیاط کا تقاضا تھا۔ اگر یہ چھوٹی سی بات اب بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آسکی تو ہم دونوں تمہارے پاس آرہے ہیں۔ مقصد ایک دوسرے سے دور رہنا تھا۔ تم پھر ہماری جڑوں میں گھس آئی ہو" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم بھول رہے ہو کہ اس وقت ہم امرتسر میں نہیں' لاہور میں ہیں" ویرا نے قہقہہ لگا کر جواب دیا "ادھر آجاؤ تو باتیں ہوں گی۔"

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ غزالہ کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"وہ تھکنے والی مخلوق نہیں ہے۔ آؤ' تھوڑی دیر کے لیے اسی کے کمرے میں چلتے ہیں تاکہ اس کی زبان کی خارش دور ہو سکے۔"

ویرا کو اندازہ ہوگیا تھا کہ ہم دونوں اس کے کمرے تک پہنچنے میں دیر نہیں لگائیں گے۔ ہم اپنے کمرے سے باہر نکلے تو وہ دروازے میں کھڑی ہمارا انتظار کررہی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا اور اس نے پورا دروازہ کھول کر ہمارے داخلے کے لیے راستہ پیدا کردیا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم یہاں آکر خوا مخواہ جہانگیر کے ماموں سسر کے پیچھے پڑ گئے ہو مگر یہ اندازہ نہیں تھا کہ تم اس سے خوف زدہ ہو۔ میں خاموشی سے تمہارے کمرے میں پڑی رہتی تو اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہوپاتا کہ تمہارے کمرے میں کوئی تیسرا فرد بھی مقیم ہے۔ آج کی رات ائرلائن والوں نے برباد کردی۔ بس اگلی رات کا معاملہ تھا پھر تو ہمیں سرحد پار نکل ہی جانا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ اتنی مختصر سی مدت کے لیے بھی تم لاہور جیسے اپنے شہر میں اتنے زیادہ محتاط ہو۔"

اسے یہ بتانا قطعی ضروری نہیں تھا کہ غزالہ اپنے اور میرے درمیان اس کی موجودگی پسند نہیں کرتی تھی۔ میں نے اس کے ہر سوال کا جواب گول کرتے ہوئے اس کی تصحیح پر اکتفا کیا اور کہا "پروگرام تبدیل ہوچکا ہے۔ آنے والی رات ہم بھارتی سرزمین پر بسر کریں گے۔"

"کیوں؟" اس نے چونک کر پوچھا "فون پر تو تم پرسوں روانگی کی بات کررہے تھے۔"

"وقت اور حالات کے ساتھ ایسی تبدیلیاں ناگزیر ہوجاتی ہیں" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم جہانگیر کے ماموں سسر والے قصے سے بالکل فارغ ہوچکے ہو؟" ویرا نے پوچھا۔

"تم بار بار چوہدری عظمت اور جہانگیر کے رشتے کا حوالہ دیے جارہی ہو" میں نے چڑ کر کہا "وہ ہماری نظروں میں آیا تو مجھے شبہ تک نہیں ہوسکا تھا کہ وہ جہانگیر کا کوئی قریبی یا دور کا رشتے دار ہوگا۔ یہ عقدہ اس وقت کھلا جب ہم اس کے گھر گئے اور وہاں گھنٹی بجانے پر سلمٰی نے دروازہ کھولا تھا۔"

"اوہ ... تو سلمٰی بھی یہاں آئی ہوئی ہے۔" میرے انکشاف پر ویرا چونک گئی "تمہارے ہاتھوں اپنے ماموں کی درگت بننے پر وہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔"

"ہمارا اس سے سامنا ضرور ہوا تھا مگر میں نے بات بنادی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ ہم اس سے ملنے کے لیے وہاں پہنچے ہیں۔ اس سے اس کے ماموں کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس سے اسے کسی قسم کا شبہ ہوسکے..."

انتباہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

Downloaded from https://paksociety.com

ویرا نے میری بات کاٹ دی "یہ سب تمہاری خوش فہمی ہے۔ ایسی باتیں پوشیدہ نہیں رہتیں۔ ایک دو روز میں اسے معلوم ہوجائے گا کہ سارا کیا دھرا تمہارا تھا۔ وہ پھر جائے گی' شاید جہانگیر کو خوشی ہو کہ تمہارے ہاتھوں اس کے ایک سسرالی رشتے دار کو ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ ہر کانے آدمی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دنیا کے سارے لوگ اسی کی طرح یک چشم ہوجائیں۔ کراچی واپس لوٹنے پر تمہیں ان دونوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

میں نے خاموش رہ کر اسے اپنی بات مکمل کرنے کا موقع دیا پھر کہا "لاہور میں ہم گمنام ہیں۔ یہاں ایس ٹی ایف کا اسٹیشن کمانڈر اپنی سوجھ بوجھ سے فیصلے کرتا ہے۔ میرے مشوروں نے اسے الجھن میں ڈال دیا تھا اس لیے یہ کام اتفاقات کے تحت خودبہ خود آئی بی والوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ چوہدری عظمت ان کا ملزم اور مجرم ہے۔ پوری کہانی میں کہیں بھی میرا نام آنے کا امکان نہیں ہے۔ جو کچھ ہوا ہے وہ آئی بی والوں نے خود کیا ہے۔"

"مجھے ذرا تفصیل سے بتاؤ کہ قصہ کیا تھا؟" ویرا نے پہلو بدلتے ہوئے مطالبہ کیا "تم نے فون پر وعدہ کیا تھا کہ لاہور آنے پر مجھے پوری بات بتاؤ گے۔"

میں نے ہیومن سوسائٹی کی آڑ میں چوہدری عظمت اور ملک اقبال کی گھناؤنی سماج دشمن سرگرمیوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ ویرا حیرت سے منہ پھاڑے وہ تفصیلات سنتی رہی۔ وہ درمیان میں چبھتے ہوئے سوال بھی کرتی جارہی تھی۔ اس کے لیے یہ یقین کرنا دشوار ہو رہا تھا کہ ہیومن سوسائٹی والے محض اپنی غیر معمولی تشہیر کی وجہ سے پہلے غزالہ کی اور پھر میری نظروں میں آئے تھے۔ ان کی تمام غیر قانونی سرگرمیاں اس قدر پوشیدہ اور رازدارانہ تھیں کہ ایس ٹی ایف سمیت' قانون نافذ کرنے والے سارے ادارے پریشان تھے۔ ہیروئن اور اس کی تیاری میں استعمال ہونے والے کیمیکل کی بھاری مقدار میں فراہمی جاری تھی' اس کام میں ملوث مجرموں کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا اور پھر وہ اپنے دیوار گیر اشتہاروں کی وجہ سے یکایک عتاب میں آگئے۔

"لاہور میں ماموں آئی بی کے عملے سے تمہاری شناسائی کیسے ہوگئی؟" ویرا نے سوال کیا۔

یہ بہت بڑا کیس تھا۔ اسلام آباد سے جلال ایک فوجی ہیلی کاپٹر سے یہاں آیا اور اپنے مجرموں کو لے کر چلا گیا" میں نے بتایا۔

"بہت تیزی سے سارا کام نمٹا" ویرا نے مزید حیرت ظاہر کی "مجھے اندازہ تھا کہ آئی بی والے فوج سے مل کر کام کرتے ہوں گے۔"

"شاید عام طور سے ایسا نہیں ہوتا۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ راولپنڈی سے ایک کوبرا ہیلی کاپٹر لاہور آرہا تھا۔ کوئی فوری پرواز میسر نہ ہونے کی وجہ سے جلال بھی اسی پر لاہور آگیا۔"

"کوبرا ہیلی کاپٹر!" ویرا نے چونک کر دہرایا "تم کہہ رہے ہو کہ وہ اس سے دو مجرموں کو بھی ساتھ لے گیا ہے؟"

"ہاں! چوہدری عظمت ہیومن سوسائٹی کا سربراہ تھا۔ شاہد اس کا انتظامی سربراہ تھا۔ تیسرا بڑا مجرم ملک اقبال تھا۔ اسے آئی بی کے مقامی عملے نے اٹھالیا ہوگا۔ سب سے زیادہ سنگین معاملہ چوہدری عظمت کا تھا۔ وہ معززین شہر میں شمار ہوتا ہے' اس کی اپنی حیثیت مسلّمہ ہے اور وہ کُرے اثرورسوخ کا مالک ہے۔"

"مجھے ان باتوں سے کوئی اختلاف نہیں۔ میں حیران ہوں کہ کوبرا سے پائلٹ سمیت چار افراد کیسے گئے ہوں گے۔ میری معلومات کے مطابق اس میں صرف دو نشستیں ہوتی ہیں۔"

"اس بارے میں' میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ دو نشستوں کے ساتھ کارگو وغیرہ کے لیے تھوڑی بہت گنجائش ہوتی ہوگی۔ وہ دونوں معزز مسافر نہیں' مجرم تھے۔ ہوسکتا ہے کہ انہیں بے دست وپا کرکے ہیلی کاپٹر کے پچھلے حصے میں ڈال لیا گیا ہو۔ میں نے کوبرا کو پرواز کرتے ہوئے نہیں دیکھا مگر جلال کا ارادہ یہی تھا کہ وہ ان دونوں کو اپنے ساتھ ہیلی کاپٹر میں لے جائے گا۔ اگر اس کی وہ تجویز ناقابل عمل یا خطرناک تھی تو پھر اس نے کوئی متبادل ذریعہ اختیار کیا ہوگا۔"

"یہ بحث بالکل بے سود ہے" غزالہ نے لب کشائی کی "جلال ایک ذمّے دار اور اعلیٰ افسر ہے۔ اسے قیدیوں کی اہمیت کا اندازہ تھا۔ ہمارے اطمینان کے لیے صرف یہ بات کافی ہونی چاہیے کہ وہ دونوں ہی نہیں' اب پوری ہیومن سوسائٹی آہنی گرفت میں ہے۔"

"پہلے مجھے صرف غزالہ نظر آئی تھی۔ اس وقت تم کہاں تھے؟" ویرا نے اچانک موضوع بدل دیا۔

"میں تھوڑی پہلے اسٹیشن تھری سے واپس لوٹا ہوں۔ غزالہ مجھے ہوٹل کی لابی میں ملی تھی۔"

"اوہ...! اس کا مطلب ہے کہ یہ تازہ ترین قصہ ہے۔ تم نے تو فون پر بتایا تھا کہ چوہدری عظمت کا صبح تک تیاپانچا ہوجائے گا۔"

"اب صبح طلوع ہونے والی ہے۔ میں نے غلط نہیں کہا

Downloaded from https://paksociety.com

تھا" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"صبح ہونے والی ہے لیکن ہوٹل کی لابی میں شکاری عورتیں ابھی تک منڈلا رہی ہیں۔ پتا نہیں اس وقت انہیں کون منہ لگائے گا۔"

"مجھے تو وہاں ایسی کوئی عورت نظر نہیں آئی جو شکاریوں کے لباس میں ہو یا رائفل اٹھائے ہوئے ہو" غزالہ نے سوچے سمجھے بغیر اعتراض جڑ دیا۔

ویرا بے ساختہ ہنس پڑی "احمق لڑکی! عورتوں کا مرغوب ترین شکار مال دار مرد ہوتا ہے۔ میں دوسری قسم کی عورتوں کی بات کر رہی تھی۔"

غزالہ خفت آمیز لہجے میں بولی "مجھے نیچے کوئی ایسی ویسی عورت بھی نظر نہیں آئی۔"

"وہ ہر ایک کو نظر نہیں آتیں" ویرا نے اسے آگاہ کیا "ان کو دیکھنے اور پہچاننے کے لیے جس چشم بینا کی ضرورت ہوتی ہے، وہ تمہارے پاس نہیں ہے۔ تاڑنے والے دور ہی سے انہیں تاڑ لیتے ہیں۔ ویسے بھی یہ ایک بڑا ہوٹل ہے۔ خراب چال چلن کی بدنام عورتوں کو ہوٹل کی انتظامیہ اندر پھٹکنے بھی نہیں دیتی ہوگی۔ ان کال گرلز کے سامنے سب مجبور ہو جاتے ہیں جو معززانہ وضع قطع میں یہاں آتی ہوں، چائے یا کافی کی ایک پیالی اور سینڈوچ پر چند گھنٹے گزار کر اشاروں کنایوں میں کسی شکار کو دور غلاتی ہوں اور پھر کامیابی کے دوسرے مرحلوں کی طرف پیش قدمی کرنے میں مصروف ہو جاتی ہوں۔ شاید ہی دنیا کا کوئی بڑا ہوٹل اس لعنت سے محفوظ ہو۔"

"تم عورت ہو کر عورتوں میں کیڑے نکال رہی ہو۔ کیا ہوٹلوں میں سارے فرشتہ سیرت مرد آتے ہیں؟" غزالہ نے منہ بنا کر کہا "رنگین مزاج، آوارہ اور اوباش مرد گھروں میں کم ملتے ہیں۔ ہر وقت ہوٹلوں اور دوسری تفریح گاہوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ تم دونوں کن واہیات باتوں میں الجھ گئیں۔ بدفطرت لوگ مردوں میں بھی ہوتے ہیں، عورتوں میں بھی۔ یہ گھروں سے لے کر ہوٹلوں، کلبوں تک میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں باتیں کر کے تم دونوں اپنا وقت برباد کر رہی ہو۔"

"چوہدری عظمت کی گرفتاری کے بعد تمہیں اخلاقاً سلمٰی سے ضرور ملنا چاہیے" ویرا نے چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد مشورہ دیا "وہ بے قصور ہے۔ اس واقعے نے اسے ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔ تم کو دیکھ کر اسے کافی ڈھارس ملے گی۔"

"تم شرانگیزی سے باز نہیں آؤ گی؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے سختی سے پوچھا۔

"کیوں؟ میں کیا شرانگیزی کر رہی ہوں۔ سلمٰی تمہاری پرانی واقف کار ہے۔ تمہارے بہت پرانے دوست کی بیوی ہے۔ پریشانی اور مصیبت کے لمحات میں اس کی دل جوئی کرنا تمہارا اخلاقی فرض بنتا ہے" اس نے ذومعنی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"اس سے ملنا چاہیے" غزالہ نے ویرا کی تائید کی "پتا تو چلے کہ اس کے کیا تاثرات ہیں۔ باہر کی طرح وہ اپنے گھر میں بھی نیک نام تھا یا گھر والوں کو اس کے گھناؤنے کاموں کا علم تھا۔"

"کوئی مجرم اپنے زیر کفالت افراد کو یہ نہیں بتاتا کہ وہ لوٹ مار، چوری اور حرام کے مال سے انہیں پال رہا ہے۔" میں نے ترشی سے کہا۔

"فریڈم انٹرنیشنل، صحرا..... اور اب ہیومن سوسائٹی!" ویرا خود کلامی کے انداز میں بولی "یقین نہیں آتا کہ غیر سرکاری فلاحی اداروں کی آڑ میں سب این جی اوز اتنے بڑے بڑے گھپلے کر رہی ہوں گی۔ ان تینوں واقعات نے میرے اعتبار کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔"

"سب نہیں مگر بہت سے لوگ ایسا کر رہے ہیں۔ فیاضی سے ملنے والے پیسوں کی چمک دمک ان لوگوں کو اندھا کر دیتی ہے اور یہ ملک و قوم کے مفادات کو بھول کر اپنا الّو سیدھا کرنے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ ہم سے پہلے آئی بی والے ہیومن سوسائٹی کے پیچھے لگے ہوئے تھے لیکن ان کی توجہ سوسائٹی کے وسائل پر مرکوز تھی۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ پرانے کپڑوں اور امدادی ساز و سامان کی آڑ میں منشیات اور ہیروئن سازی کے فروغ کے لیے کام کر رہے ہیں۔"

"پھر بھی سلمٰی سے ملنے میں کیا حرج ہے؟" غزالہ نے اصرار کیا۔

"اس سے ملنے کی کوئی تک نہیں ہے۔ چوہدری عظمت کو چند گھنٹوں قبل اٹھایا گیا ہے۔ یہ خبر آج کے بجائے کل کے اخباروں میں آئے گی۔ اس سے پہلے ہمیں کیسے پتا چل سکتا ہے کہ سلمٰی کے ماموں کو قانون کے آہنی ہاتھوں کا سامنا کرنا پڑا ہے" میں نے جواب دیا۔

اچانک غزالہ کو خیال آیا کہ ویرا، سلطان شاہ کو کراچی میں تنہا چھوڑ کر آئی تھی۔ اسے بے چینی سے ویرا کے پہنچنے کی اطلاع کا انتظار ہوگا۔ اس کے خیال دلانے پر میں نے ویرا

Downloaded From https://paksociety.com

کے کمرے سے ہی ریسیور اٹھا کر بورڈ سے لائن لی اور اپنے گھر کا نمبر ملالیا۔

سلطان شاہ واقعی طویل اور اعصاب شکن انتظار کے لمحات سے گزر رہا تھا۔ دوسری طرف گھنٹی بجتے ہی میرے کانوں میں اس کی آواز آئی تھی۔

"ویرا آرام سے ہم لوگوں تک پہنچ گئی ہے۔ آج رات کو ہم کسی وقت اگلی منزل کے لیے روانہ ہوجائیں گے۔" میں نے اسے بتایا۔

"میں نے ائرپورٹ فون کیا تھا تو وہاں سے پتا چلا کہ ویرا والی پرواز سوا دو گھنٹے کی تاخیر سے روانہ ہوئی تھی۔ اچھا ہوا کہ تم نے اطلاع دے دی ورنہ میں انتظار کرتا رہتا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنے پروگرام کے مطابق تمہارے ہی کمرے میں گھسی ہوئی ہوگی۔"

"کوشش کی تھی مگر ایسا نہیں ہوسکا" میں نے کن انکھیوں سے ویرا کی طرف دیکھتے ہوئے گول مول الفاظ میں جواب دیا پھر پوچھا "اول خان کہاں ہے؟"

"ویرا کو ائرپورٹ پہنچانے کے بعد وہ مجھے ڈراپ کرتا ہوا اپنے گھر چلا گیا تھا۔ اس کو لاہور کے بارے میں خاصی تشویش تھی۔"

"کسی تشویش کی ضرورت نہیں" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "یہاں سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ ہر کام خوش اسلوبی سے مکمل ہوا ہے۔ اب تم اکیلے ہو' اپنا دھیان رکھنا۔ موقع ملا تو چند روز بعد تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"روانگی سے پہلے ضرور فون کرلینا" اس کی آواز التجا آمیز ہوگئی "تمہارا سفر زیادہ طویل نہیں ہے مگر خطرناک ہے۔ مجھے ہر وقت پریشانی رہے گی۔ اتل بکواس سے زیادہ آگے ہاتھ پیر پھیلانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ وہاں الجھ کر رہ جاؤ گے۔"

اس نے اتل بکواس کے نام کی جو درگت بنائی تھی' اس پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا۔ میں نے پوری سنجیدگی سے اسے یقین دلایا کہ اپنا کام جلد از جلد ختم کرکے ہم وہاں سے واپس لوٹنے کی کوشش کریں گے۔ غزالہ کو اس سے جذباتی گفتگو کا موقع دیے بغیر میں نے فون بند کردیا۔

ہم مزید کچھ دیر وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ساری گفتگو گزرے ہوئے واقعات کے گرد گھومتی رہی۔ میں نے دانستہ جان بوجھ کر ذکر نہیں چھیڑا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ میں اس کی اور ویرا کی گفتگو کے بارے میں زیادہ سے زیادہ تفصیلات جاننے کا خواہش مند تھا مگر مجھے یہ اندازہ بھی تھا کہ اس وقت میں نے کوئی نیا موضوع چھیڑا تو وہ نشست طول پکڑ جائے گی۔ میری خواہش تھی کہ آنے والی رات کے سفر کا آغاز ہونے سے پہلے ہم تینوں کچھ دیر کے لیے سولیں تاکہ اگلے اہم مرحلے کے لیے تازہ دم ہوسکیں۔

میری وہ تدبیر کارگر رہی۔ کوئی نیا موضوع نہ ملنے کے سبب ویرا پر اکتاہٹ طاری ہونے لگی۔ یوں سورج طلوع ہونے سے پہلے ہم اپنے کمرے میں لوٹ آئے۔

جلال کی اچانک لاہور آمد کی وجہ سے میں رات کے ابتدائی لمحات میں بھی پوری نیند نہیں لے سکا تھا۔ کمرے میں جاکر بستر پر دراز ہوا تو تھوڑی سی دیر میں گہری نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو گھڑی دن کے گیارہ بجا چکی تھی۔ کھڑکیوں پر غزالہ نے پردے کھینچ دیے تھے مگر پھر بھی کہیں کہیں سے باہر پھیلی ہوئی' دن کی تیز روشنی جھلک رہی تھی۔ غزالہ آرام سے کرسی پر دراز اخبار کے مطالعے میں مصروف تھی۔ مجھے بیدار ہوتا دیکھ کر اس نے اخبار ایک طرف ڈال دیا۔

"آپ صحیح کہہ رہے تھے۔ چوہدری عظمت یا ہیومن سوسائٹی کے بارے میں اخبار میں کوئی خبر نہیں ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے مجھے بتایا۔

"یہ خبر نہیں آسکتی تھی" میں نے انگڑائی لے کر بستر چھوڑ دیا۔ "رات کے دو تین بجے تک ہر اخبار کے بیرونی صفحات چھپائی کے لیے پریس میں چلے جاتے ہیں۔ اس وقت کے بعد وجود میں آنے والی خبریں صبح کے اخباروں میں شامل ہونے سے رہ جاتی ہیں۔"

"اور ویرا ابھی ابھی تک گھوڑے بیچ کر سو رہی ہے' غزالہ نے مجھے آگاہ کیا۔

"کیا تم نے اس کے دروازے پر دستک دی تھی؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ جاگتے ہی ہمیں فون کرے گی۔ دیر تک سوتی رہے تو اچھا ہے۔"

ویرا کا نام سنتے ہی مجھے جلال یاد آگیا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ چوہدری عظمت کا معاملہ آسان نہیں تھا۔ حالات کے پھیر میں پڑ کر جلال نے اسے گرفتار کرلیا تھا مگر اس کی گرفتاری پر اسلام آباد میں موجود کئی جبینیں شکن آلود ہوسکتی تھیں۔ ہر طرف سے اس کی رہائی کے لیے پڑنے والے دباؤ کو نظرانداز کرنا آسان کام نہیں تھا۔ ایک طرف وہ اس چکر میں پھنسا ہوا تھا اور دوسری طرف اسے ہم لوگوں کو بھارت کی سرزمین پر پہنچانا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

اپنی مصروفیات میں سے وقت نکالنے کے لیے ضروری تھا کہ اسے زیادہ سے زیادہ مہلت دی جائے۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ میں نہادھو کر اسے فون کروں گا مگر اس کے حقیقی مسائل کا ادراک کرتے ہی میں نے فوری طور پر اسے فون کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

پہلی دو کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ جلال کا ڈائریکٹ نمبر مصروف تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس کے دیے ہوئے دوسرے نمبر پر اس کے پی اے سے بات کی۔ اسلام آباد کے سفر کے موقع پر اس سے میرا تعارف ہوچکا تھا۔ حوالہ دیتے ہی وہ مجھے پہچان گیا۔ اس نے تصدیق کی کہ جلال اپنے دفتر میں موجود تھا مگر فون پر کسی سے اہم بات کررہا تھا۔ اس موقع پر پی اے میری کال اسے نہیں دے سکتا تھا۔ چوتھی بار میں نے پھر اس کا ڈائریکٹ نمبر ملایا' اس مرتبہ رابطہ ہوگیا۔

"میں بہت بری طرح دباؤ میں آگیا ہوں" میری آواز پہچانتے ہی جلال پھٹ پڑا "مجھے پہلے سے تجربہ ہے کہ ہوم ورک مکمل کیے بغیر کسی مضبوط مہرے پر ہاتھ ڈالنے سے سنگین مسائل کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس وقت چوہدری عظمت میرے گلے کی ہڈی بنا ہوا ہے۔"

"اس ہڈی کو اگلو اور سختی سے کچل دو۔ تمہیں علم ہے کہ وہ کس قدر خطرناک اور موذی شخص ہے" میں نے سفاکی سے کہا۔

"مجھے سب معلوم ہے۔ میں ٹیپ سن چکا ہوں۔ شاہد نے وہ سب باتیں دہرانے کے ساتھ کچھ نئے انکشافات بھی کیے ہیں۔ وہ مدد فراہم کرنے کے بہانے جوان اور خوب رو بیواؤں کو ہیومن سوسائٹی کے دفتر میں بلا کر بے آبرو کرتا تھا اور انہیں دوسرے عیاش دوستوں تک بھی پہنچایا کرتا تھا۔ ایسے دوستوں میں اہم سرکاری افسروں اور سیاست دانوں کے نام شامل ہیں۔ یہ سب درندے اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھو رہے تھے۔"

جلال کی زبان سے وہ تفصیلات سن کر میرا خون کھول اٹھا۔ میں نے مضطرب ہوکر اس کی بات درمیان سے ہی کاٹ دی "تمہیں یہ سب معلوم ہوچکا ہے اور پھر بھی تم کہہ رہے ہو کہ تمہارا ہوم ورک نامکمل ہے۔ وہ ہیروئن کے ساتھ اپنے گھر سے پکڑا گیا ہے۔ اس کے دستِ راست کا اقبالی بیان تمہارے سامنے ہے۔ اسے تو سرِسری سماعت کی کسی عدالت میں پیش کرکے ہفتے عشرے میں ہی سولی پر لٹکا دینا چاہیے تاکہ اس جیسے دوسرے بھیڑیوں کے حوصلے پست ہوجائیں۔"

"یہ سب صرف مجھے اور میرے ساتھیوں کو معلوم ہے مگر ہم سب بہت نیچے کے لوگ ہیں۔ جن لوگوں کے ہاتھ بہت دراز ہیں وہ چوہدری عظمت کے ان گھناؤنے کرتوتوں سے ناواقف ہیں۔ یا جانتے بوجھتے ہوئے بھی انجان بن رہے ہیں کیونکہ اس گنگا کے کسی گھاٹ سے وہ بھی فیض یاب ہوتے رہے ہیں۔ وہ سب اس کی رہائی کے لیے بے پناہ دباؤ ڈال رہے ہیں' سرتوڑ کوشش کررہے ہیں۔ ایک دو آدمی کس کس کو جواب دے سکتے ہیں؟"

"ہمارا معاشرہ بگڑا ہوا ہے۔ دولت آدمی کے ہر عیب' گناہ اور جرم پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہ سب وقتی ریلا ہے۔ جب حقائق سامنے آئیں گے تو یہی لوگ چوہدری عظمت سے اپنے تعلق کو گالی سمجھنے لگیں گے۔"

"گڈ!" ریسیور میں جلال کی بے ساختہ آواز ابھری "میں بھی تم سے یہی کہہ رہا تھا کہ بعد میں یہ سب ہوجائے گا مگر اس وقت کے حالات سخت مخاصمانہ ہیں۔ اس ریلے کو برداشت کرنا معمولی اعصاب والے کسی آدمی کا کام نہیں ہے۔"

"تمہارے اعصاب معمولی نہیں ہیں۔ دل گردے والا آدمی ہی اس کرسی پر بیٹھ سکتا ہے" میں نے پھر قطع کلامی کی۔

"میں بہت اعصاب شکن دباؤ سے دوچار ہوں۔ میں پوری مزاحمت کررہا ہوں۔ میرے بڑے پوری طرح میری پشت پناہی کررہے ہیں مگر ایک شخص نے سب کو ہلایا ہوا ہے۔ شاید وہ پورے خلوص سے چوہدری عظمت کو معصوم' بے گناہ اور مخیر سمجھتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ چوہدری عظمت جیسے معزز آدمی کو براہِ راست کیوں گرفتار کیا گیا۔ اگر اس کے خلاف کچھ الزامات تھے تو ان کی سمری بنا کر وزارت داخلہ سے اس کی گرفتاری کی اجازت لینی ضروری تھی۔ اگر یہ گرفتاری صوبائی پولیس کے ہاتھوں ہوئی ہوتی تو اب تک نہ جانے کتنے افسر معطل یا برطرف ہوچکے ہوتے۔ چوہدری عظمت کا اثر و رسوخ میری توقع سے بہت زیادہ ہے۔"

"مجھے یہ یقین دلادو کہ اسے آزاد نہیں کیا جائے گا" میں نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"میں اپنی جان لڑادوں گا۔ اس موت کے سوداگر کو نہیں چھوڑوں گا۔ مجھ سے منصب اور اختیار چھن جائے تو دوسری بات ہے ورنہ میں چوہدری عظمت' ملک اقبال اور شاہد کو ان کے کیفرِ کردار تک پہنچا کر رہوں گا۔ مجسٹریٹ کی موجودگی میں برآمد کی ہوئی بیالیس کلو ہیروئن ان تینوں کے ہر

Downloaded from https://paksociety.com

حمایتی کے ہوش اڑا دے گی۔"

"اس بارے میں تم اتنے پُریقین ہو تو پھر پریشانی کس بات کی ہے۔ جو فون کرتا ہے' اسے سب سے پہلے بیالیس کلو ہیروئن برآمد ہونے کی کہانی کیوں نہیں سناتے؟"

"یہی کیا جارہا ہے مگر بعض لوگ صرف بولنا جانتے ہیں' سننے کے عادی نہیں ہوتے۔ اس کا سب سے بڑا حامی کچھ سننے پر آمادہ نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے کہ چوہدری عظمت کو رہا کیا جائے۔ اس کے بعد ہی وہ کسی کی کوئی بات سنے گا۔"

"حکم ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا "اس کا مطلب ہے کہ وہ کوئی مقتدر آدمی ہے؟"

"کچھ لوگ مقتدر نہیں ہوتے مگر بادشاہ گر گردانے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے سرکاری ملازم اور صاحب اقتدار لوگ ان کی محفلوں میں حاضری دینا باعث فخر سمجھتے ہیں" جلال کی آواز میں بلا کی تلخی امڈ آئی "وہ ایسا ہی ایک بددماغ آدمی ہے۔ کچھ نہ ہوتے ہوئے خود کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ اس کے نیاز مند اور حواری بہت کچھ ہیں۔ اس کی بیشتر خواہشات کو اپنے قلم کی ایک جنبش سے پورا کردیتے ہیں۔ وہ خود چوہدری عظمت کا یہی خواہ ہے۔"

"ایسے لوگ واقعی بہت خطرناک ہوتے ہیں" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "کچھ پتا نہیں ہوتا کہ وہ کس رخ سے وار کرگزریں گے۔ تم قانون اور اپنے اختیار کی حدود کا ہمیشہ خیال رکھتے ہو۔ ان میں رہ کر ہر ایک کا مقابلہ کرسکتے ہو مگر اس بادشاہ گر کا مقابلہ کیسے کرو گے؟ نام کیا ہے اس کا؟"

"نام میں کیا رکھا ہے" ہلکی سی استہزائیہ ہنسی کے بعد اس کی آواز ابھری "کل کے اخبار ذرا غور سے دیکھ لینا" اخبار والے بھی ان لوگوں کے آگے پیچھے گھومتے رہتے ہیں۔ چوہدری عظمت کی ہمدردی میں اس کا کوئی تیز و تند بیان ضرور چھپے گا۔"

میرے ذہن میں یکے بعد دیگرے چند نام گھوم گئے مگر میں فیصلہ نہیں کرسکا کہ ان میں سے کون سا شخص چوہدری عظمت کا ہمدرد ہوگا۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ملک و قوم کا وہ درندہ صفت دشمن صحیح ہاتھوں میں تھا۔ اگر وہ کسی کمزور یا مصلحت کوش افسر کی گرفت میں آیا ہوتا تو اس وقت تک قید و بند کی صعوبتوں سے آزاد ہوکر دوبارہ لاہور کی آزاد فضاؤں میں دندناتا پھر رہا ہوتا۔

"اگر تم اس کا نام نہیں بتانا چاہتے تو نہ بتاؤ مگر اتنا تو بتادو کہ اس کا منہ کیسے بند کرو گے؟" میں نے کہا۔

"میں ایک پریس کانفرنس کی اجازت لے چکا ہوں۔ اس گروہ کو سزایاب کرانے کے لیے قانون کے ساتھ ساتھ پروپیگنڈے کا سہارا بھی لینا پڑے گا۔ اخباروں میں الزامات کی فہرست آجانے کے بعد کوئی بے غیرت شخص ہی ان کی ہم نوائی کی ہمت کرسکے گا۔"

میں نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ اس کی وہ کوشش ملزم کی کردار کشی اور مقدمے سے قبل عدالت پر اثر انداز ہونے کے مترادف تو قرار نہیں دی جاسکے گی۔ میرا وہ سوال شاید اس کے لیے حوصلہ شکن ہوتا۔ ان دنوں ویسے بھی اخبارات آزاد تھے۔ جس کا جی چاہتا تھا' کسی کی پگڑی اچھال دیتا تھا۔ اخباروں کو چند روز تک الزامات اور جوابی الزامات کی صورت میں سنسنی خیز اور چٹپٹی سرخیوں کا مواد ملتا رہتا تھا پھر کوئی نئی بات یا نیا اسکینڈل سامنے آجاتا تھا۔ اس تمام میں تقریباً سب ہی ننگے تھے اس لیے بات اخباری بیانات سے آگے کبھی نہیں بڑھنے پاتی تھی۔ دشمنوں یا حریفوں کی الزام تراشی پر کسی نے ہتک عزت کا کوئی مقدمہ درج کرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ بات عدالت میں گئی تو ایسی کھری کھری باتیں کھل کر سامنے آئیں گی کہ اخباروں کی سرخیاں ماند پڑجائیں گی۔

"مجھے اندازہ ہے کہ تم بہت بری طرح الجھے ہوئے ہو مگر میں تمہیں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ ویرا کراچی سے لاہور آچکی ہے۔"

"مجھے یاد ہے" اس نے اضطراری لہجے میں میری بات کاٹ دی "یہ یہاں کے قصے ہیں جو چلتے ہی رہتے ہیں۔ میرے لیے تمہارا مشن زیادہ اہم ہے۔ تم کامیاب لوٹے تو ہم کافی دنوں تک پوری یک سوئی سے یہاں کا گند صاف کرسکیں گے ..... ویرا لاہور کب پہنچی؟"

اس کا جواب سن کر میرا حوصلہ بڑھ گیا "میں اسٹیشن تھری سے ہوٹل واپس پہنچا تو وہ آچکی تھی۔"

"شاید نائٹ کوچ لیٹ ہوگئی ہوگی۔ تم فکر نہ کرو۔ یہ معاملہ ہر مسئلے پر مقدم ہے۔ اچھا ہوا کہ تم نے اس وقت بتادیا۔ میں اپنی مصروفیات کو اس طرح سمیٹتا ہوں کہ شام کی کسی پرواز سے لاہور پہنچ سکوں۔ اس وقت تک یہاں کے حالات واضح ہوچکے ہوں گے۔"

"تم ہوٹل ہی آؤ گے؟" میں غیر ارادی طور پر سوال کر بیٹھا۔

"نہ آسکا تو فون کروں گا۔ کسی نہ کسی طرح تم سے رابطہ ہوجائے گا۔ سات بجے کے بعد تم اپنے کمرے میں موجود رہنا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

مجھے ریسیور پر اس کے دفتر میں بجنے والی دوسری گھنٹی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس نے مجھ سے کافی دیر بات کرنا تھی اور وہ گفتگو سمیٹنے کے موڈ میں معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے اس کی ناگزیر مجبوریوں کا اندازہ لگاتے ہوئے الوداعی فقرے کہہ کر فون بند کردیا۔

میں نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ کمرے کے دروازے پر تیز دستک کی آواز سنائی دی۔ غزالہ نے ہڑبڑا کر کرسی چھوڑی اور دروازے کی طرف تقریباً دوڑ لگادی۔ اس کے پہنچتے پہنچتے کسی نے دوبارہ دروازہ بجا ڈالا۔ غزالہ نے جوں ہی دروازہ کھولا' ویرا شب خوابی کے شکن آلود لباس میں اندر گھس آئی۔

"کیا ہو رہا تھا۔؟ کس سے فون پر لمبی باتیں کر رہے تھے؟" ویرا نے اندر آتے ہی وحشت زدہ لہجے میں پوچھا۔

"تم اس قدر گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟" میں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے نرمی سے سوال کیا۔

"میں انٹرکام پر کئی بار ناکام کوشش کر چکی ہوں" وہ قدرے سنبھل کر بولی "آپریٹر سے معلوم کیا تو وہ اس سے زیادہ کچھ نہ بتا سکا کہ فون مصروف ہے۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں تمہارے ساتھ کوئی حادثہ پیش نہ آگیا ہو اور ریسیور کریڈل سے نیچے گر گیا ہو' میں گھبرا کر ادھر آگئی۔"

میں ہنس پڑا "بیدار ہونے سے پہلے شاید تم برے برے خواب دیکھ رہی تھیں۔ معدے میں گرانی ہو تو آدمی جاگنے کے بعد بھی دیر تک برے خوابوں کے زیر اثر رہتا ہے۔ تم دیکھ رہی ہو کہ یہاں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے اور ریسیور بھی اپنے کریڈل پر ہے۔"

"اگر تمہارا ہاتھ روم خالی ہو تو میں ہاتھ منہ دھولوں؟" اس نے برا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"بہتر یہ ہوگا کہ تم اپنے کمرے سے تیار ہو کر آؤ۔ اتنی دیر میں' میں بھی تازہ دم ہو جاؤں گا۔ پھر ہم یہیں بیٹھ کر ناشتا کریں گے۔" میں اسے یہ مشورہ دیتا ہوا باتھ روم کی طرف ہولیا۔ میرے اندر جانے کے چند ثانیوں بعد کمرے کا دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز آئی۔ شاید وہ اپنے کمرے میں لوٹ گئی تھی۔

میں نہا دھو کر باتھ روم سے نکلا تو ویرا عجلت میں تیار ہو کر دوبارہ ہمارے کمرے میں آچکی تھی۔ غزالہ نے مجھے مطلع کیا کہ وہ انٹرکام پر ہوٹل کی روم سروس کو تینوں کے لیے ناشتا لانے کی ہدایت کر چکی تھی۔ میں اطمینان سے ویرا کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تم منہ دھوئے بغیر فون پر کس سے باتیں کر رہے تھے؟" ویرا نے میرا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

میں نئے دن کا آغاز کسی حجت یا تکرار سے نہیں کرنا چاہتا تھا۔ نرمی سے کہا "جلال سے روانگی کا پروگرام طے کر رہا تھا۔"

"وہ صبح سویرے قیدیوں کو ساتھ لے کر یہاں سے گیا ہے۔ کیا شام تک آسانی سے دوبارہ لوٹ آئے گا؟"

"اس نے وعدہ تو کیا ہے۔ کوئی ناگہانی مجبوری پیش آجائے تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔" میں نے شانے اچکا کر جواب دیا۔

"دوبارہ فون کر کے اس سے کوئی یقینی پروگرام طے کرلو" ویرا نے مصالحانہ انداز میں مشورہ دیا "اگر وہ نہیں آرہا تو ہم آج کا باقی دن شہر کی سیر میں گزار سکتے ہیں۔ میں کئی مرتبہ لاہور آئی ہوں مگر مال روڈ اور ہوائی اڈے سے آگے کچھ نہیں دیکھا۔ سنا ہے کہ تاریخی یادگاروں اور سبزہ زاروں کے لحاظ سے لاہور تمہارا اہم ترین شہر ہے۔"

"تمہاری زبان سے لاہور کی یہ تعریف سن کر ہر لاہوری تم پر قربان ہو سکتا ہے" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"زندگی رہی تو سیر و تفریح بعد میں بھی ہوتی رہے گی" غزالہ گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے بولی "اس کا آج آنا ہی زیادہ بہتر رہے گا۔"

"ہم اسے پابند نہیں کر سکتے" میں نے ویرا کو سمجھایا "چوہدری عظمت کی گرفتاری پر اس کے سارے دوست اور حلیف حرکت میں آگئے ہیں۔ اس کے باوجود جلال آنے پر آمادہ ہے۔ یہ معاملہ اس کی ذات تک محدود نہیں ہے۔ اسے سرحد پار کے لوگوں کے ساتھ کوئی نہ کوئی بندوبست کرنا ہوگا ورنہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سرحد عبور کرتے ہی ہم بھارت کی بارڈر سیکیورٹی فورس یا فوج کی گولیوں کا نشانہ بن جائیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو" ویرا نے اعتراف کیا "یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی کہ سفری دستاویزات مکمل ہونے کے باوجود ہم غیر قانونی طور پر سرحد پار کریں گے۔ اس بندوبست کے لیے جلال کو وقت درکار ہوگا۔"

"ہم تینوں کے پاسپورٹ وغیرہ کہاں ہیں؟" قدرے خاموشی کے بعد ویرا کو وہ سوال یاد آگیا۔

"سب کچھ جلال کے پاس ہے۔ روانگی سے پہلے پاسپورٹ ہمیں واپس مل جائیں گے۔ ان پر پاکستان سے اخراج اور بھارت میں داخلے کی مہریں لگی ہوئی ہوں گی۔ شاید تمہیں یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ ہم میں سے ہر ایک کا ویزا پولیس رپورٹنگ سے مستثنیٰ ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"معلوم ہے" ویرا بے پروائی سے بولی "ہمارے کام اور دونوں ملکوں کے کشیدہ تعلقات کی روشنی میں یہ بہت بڑی سہولت ہے۔"

اسی وقت روم سروس کی خاتون ویٹریس دستک دے کر اندر آگئی۔ باہر موجود سروس ٹرالی سے دو چکروں میں اس نے ناشتے کے اشتہا انگیز لوازم ہماری میز پر منتقل کیے اور کراکری قرینے سے سجا کر واپس لوٹ گئی۔

"اب تم بتاؤ کہ جان اسمتھ سے تم نے کیوں رابطہ کیا تھا؟" ناشتا شروع کرنے کے بعد میں نے ویرا سے پوچھا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ کراچی میں جان اسمتھ کی موجودگی شروع سے میری آنکھوں میں کھٹک رہی ہے۔ ہمارے سامنے ابھی تک صرف اٹل بسواس کا نام ہے۔ غزالہ تمہارے ساتھ ہوگی۔ تم دونوں اس کا پیچھا کرکے اسے گھیروگے۔ مجھے تم سے دور رہنا ہے۔ میں وہاں کیا کروں گی؟"

"میں اسی لیے کہہ رہا تھا کہ تمہارا جانا غیر ضروری ہے۔ اس وقت تم نے یہ منطق پیش کی تھی کہ تم دور رہ کر ہم دونوں کی حفاظت کروگی حالانکہ یہ بالکل احمقانہ بات ہے۔ میرے اوپر چلائی ہوئی گولی تم اپنے سینے پر نہیں روک سکتیں۔ قسمت ہی اس گولی سے بچا سکتی ہے۔ اب بھی وقت ہے۔ اگر تمہیں احساس ہوگیا ہے کہ بھارت میں تمہارا کوئی مصرف نہیں ہوگا تو اپنا پاسپورٹ پھاڑ کر تم اب بھی کراچی واپس جاسکتی ہو۔"

"میری واپسی کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔" اس نے میری بات اڑا کر کہا "مجھے ہر حال میں نئی دہلی جانا ہے۔ جلال نے ایسے کاغذات کا بندوبست کیا ہے کہ میں چاہوں تو دو چار دن بعد قانونی طور پر سرحد پار کرکے واپس آسکتی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ جان اسمتھ بھارت ضرور بھاگے گا۔"

"وہ بہت زیرک آدمی ہے۔ تم نے کسی خبطی مقامی عورت کا انداز اختیار کرکے اسے ویرا لائیڈ کے نام سے دھمکیاں دی تھیں۔ خود تم نے بتایا کہ وہ تمہاری بات پر یقین کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ تم اسے یہ تاثر دینا چاہ رہی تھیں کہ تم نے کسی عورت کو رقم کا لالچ دے کر اس کے پیچھے لگادیا ہے۔ وہ ایسے جال میں آنے والا آدمی نہیں ہے۔ اگر تم نے اپنی اصل آواز اور انداز میں اس سے بات کی ہوتی تو وہ خوف زدہ ہوسکتا تھا۔"

"وہ جو کچھ بھی سمجھ رہا ہو، میں اس کی آواز اپنے کانوں سے سن کر محظوظ ہو رہی تھی۔ میں نے تمہیں اپنی پہلی کوشش کے بارے میں بتایا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت اسے کوئی خطرہ محسوس نہ ہوا ہو مگر میں نے دوسری مرتبہ فون کیا تو وہ اس کی آواز سے خوف جھلک رہا تھا۔ میرے تیسرے اور آخری فون نے اس کے سارے کس بل نکال دیے۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ میں اپنی آواز بدل کر کسی مقامی عورت کی طرح ٹوٹی پھوٹی انگریزی بول رہی تھی مگر میری ہر بات سچ، چبھتی ہوئی اور اپنے نشانے پر تھی۔ تم خود سوچو کہ اس کے لیے وہ کیسی خوف ناک صورتِ حال رہی ہوگی۔ وہ صرف آواز سن رہا تھا۔ وہ بگڑی ہوئی آواز میری نہیں تھی مگر حقائق وہ تھے جو صرف میں جانتی ہوں یا امریکا کے خفیہ اداروں کے بڑے جانتے ہیں۔ وہ دہشت زدہ ہوکر سمجھ رہا تھا کہ میرا دماغ الٹ گیا ہے۔"

"یعنی کل چند گھنٹوں کی مدت میں تم نے اسے تین بار فون کرڈالا؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے پہلے فون کی اطلاع دیتے ہوئے تم کو بتادیا تھا کہ میں اسے کم از کم دو مزید فون کروں گی۔ اگر وہ واقعی امریکی ہے تو تیسرے فون پر خوف اور دہشت سے اس کا پیشاب خطا ہوگیا ہوگا۔ یہ لوگ زندگی سے اس قدر پیار کرتے ہیں کہ مرنے کا تصور ہی انہیں ادھ موا کردیتا ہے۔ وہ کبھی کراچی میں رکنے کا خطرہ مول نہیں لے گا۔ چھٹی کی درخواست دے کر اس کی منظوری کا انتظار کیے بغیر بھاگ جائے گا۔"

"وہ اتنا دہشت زدہ ہے تو ضروری نہیں کہ دہلی کا رخ کرے۔ وہ واپس امریکا بھی جاسکتا ہے۔"

"تمہاری یہ بات وزنی ہے۔ یہ خطرہ میرے ذہن میں بھی ابھرا تھا مگر سوچ بچار کے بعد میں نے اسے مسترد کردیا۔ وہ میرے انتقام سے بچنے کے لیے بھاگے گا تو اپنے گھر یا ملک کا رخ نہیں کرے گا۔ میں لاکھ ناپسندیدہ سہی مگر امریکی شہری ہوں۔ ہر خطرہ مول لے کر وہاں اس کے سر پر پہنچ سکتی ہوں۔ کراچی سے بھاگ کر وہ کسی ایسے ٹھکانے کا رخ کرے گا جہاں میرے پہنچنے کا کم سے کم خطرہ ہو۔ آسٹریلیا اور افریقہ اس کے لیے اجنبی ثابت ہوں گے۔ اپنے دفتری کام اور تفریح کے اعتبار سے دہلی اس کے لیے موزوں ترین شہر ہے۔ میری دلی آرزو اور دعا ہے کہ وہ کراچی سے نکل کر نئی دہلی کا رخ کرے تاکہ وہاں میں اس کی کھال میں بھوسا بھر سکوں۔"

"تم یہاں سے ایک الگ پروگرام لے کر جارہی ہو۔ جان اسمتھ وہاں مل گیا تو تمہارا مقصد پورا ہوجائے گا ورنہ تم لوٹ آؤگی یا پھر بھارت میں تفریح کرتی پھروگی۔ تمہارا ہم سے

Downloaded from https://paksociety.com

یا ہمارے مشن سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ میرے لیے یہ باتیں خاصی تکلیف دہ ہیں۔"

ویرا تلخی سے ہنس پڑی "تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ جان اسمتھ سے میری کون سی ذاتی دشمنی ہے۔ وائٹ ہاؤس کے ڈرائیوے میں جبی لائیڈ پر اس نے فائر نہیں کیا تھا نہ اس نے میری کسی جاگیر پر قبضہ کیا ہے۔ وہ پاکستان کا، تمہارے ملک اور وطن کا دشمن ہے اس لیے میں اس کے لہو کی پیاسی ہوں۔ پاکستان میں امریکیوں کا بہت خون بہہ چکا ہے۔ تمہاری حکومت ان بڑھتے ہوئے واقعات کے نتائج سے خائف ہے اس لیے میں نے تمہارے ساتھ مل کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ جان اسمتھ کو پاکستان سے باہر ٹھکانے لگایا جائے گا۔ وہ جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیا کے بڑے خطے میں سی آئی اے کے آپریشنز کا سربراہ ہے۔ پاکستان اس کا خاص ہدف ہے۔"

اس نے رک کر اپنی چائے کی پیالی خالی کی پھر اسی زہریلے لہجے میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی "یہ تمہارا اور سب پاکستانیوں کا مشن ہونا چاہیے۔ تم کیسے الزام لگا رہے ہو کہ میں اپنا کوئی الگ تھلگ مقصد لے کر تمہارے ساتھ جا رہی ہوں۔"

"مقصد اور مشن کے لیے کام کرنے والے کسی ڈسپلن کے پابند ہوتے ہیں۔" غزالہ ایک مرتبہ پھر دخل اندازی پر مجبور ہوگئی "تم خود کو ہر ڈسپلن سے آزاد تصور کرتی ہو۔ جانے کا ارادہ کرلیا تو کوئی تمہیں کراچی میں رکنے پر آمادہ نہیں کرسکا۔ جان کو ڈرانے پر تل گئیں تو کسی کا مشورہ کام نہیں آیا۔ اگر تم ٹھنڈے دل سے غور کرو تو یہ سب کھلی من مانی ہے۔ ہم دونوں نئی دہلی میں دن رات اٹل بسواس کی دم سے بندھے ہوئے نہیں پھریں گے۔ جان وہاں دیکھا گیا تو اس سے بھی نمٹ لیں گے....."

"یہ باتیں تم نہیں سمجھ سکو گی۔ اسے میں زیادہ آسانی سے ذبح کرسکوں گی۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ دی "وہ میرا ہم وطن ہے۔ اسے میں زیادہ سمجھتی ہوں۔"

غزالہ استہزائیہ انداز میں ہنس دی "یہ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ والی بات ہے پھر تو اٹل بسواس کے شکار کے لیے کسی بھارتی کو جانا چاہیے۔ ہم دونوں بلاوجہ اتنے خطرات مول لے رہے ہیں۔"

میں نے دیکھا کہ غزالہ کے منہ توڑ جواب پر ویرا کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔ اصل بات یہ تھی کہ وہ ہمارے ساتھ جانے کا فیصلہ کرچکی تھی اور اس کے خلاف کوئی حجت یا دلیل سننے پر آمادہ نہیں تھی۔ میں نے کسی بدمزگی سے بچنے کے لیے فوراً ہی بات سنبھال لی۔ "تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اب اس پر بحث کرنا بے سود ہے۔ ہم تینوں بھارت جائیں گے، ہمیں ایک دوسرے کے لیے نیک توقعات رکھنی چاہئیں۔"

شاید میرے لہجے میں کوئی غیر معمولی بات تھی۔ غزالہ نے لمحہ بھر کے لیے غور سے میری طرف دیکھا اور خاموشی سے سر جھکا لیا۔ میرے جواب میں ویرا کے لیے درپردہ حمایت موجود تھی اس لیے اس نے کسی غور و فکر کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ خوش ہوگئی۔ اس کی پیشانی پر نمودار ہونے والی شکنیں بھی فوراً صاف ہوگئیں۔

غزالہ کے دل میں ابتدا سے ہی ویرا کے لیے ایک نرم گوشہ موجود تھا۔ اس کے معاملات میں وہ ہمیشہ چشم پوشی اور درگزر سے کام لیتی تھی۔ اس کی کڑوی کسیلی باتوں کو بھی نظر انداز کردیتی تھی لیکن میں پچھلے کچھ روز سے محسوس کررہا تھا کہ غزالہ نے ویرا کے بارے میں اپنے رویے پر نظرثانی کرلی تھی۔ وہ اسے ایک خاص حد تک ڈھیل دیتی تھی۔ ویرا اس حد سے متجاوز ہونے کی کوشش کرتی تو غزالہ اسے ٹوکنے سے نہیں چوکتی تھی۔

ان کے باہمی مراسم میں رونما ہونے والی اس تبدیلی نے میری ذمے داری بڑھا دی تھی۔ پیش نظر سفر کے موقع پر مجھے ان پر کڑی نظر رکھنی تھی تاکہ ان کے درمیان کوئی بدگمانی پیدا نہ ہوسکے اور ہم بھارت میں خوش اسلوبی سے کچھ دن گزارنے کے بعد لوٹ آئیں۔

مجھے وہ دونوں عزیز تھیں۔ ویرا صرف میری دوست نہیں بلکہ پاکستان کی بہت بڑی اور فعال حامی تھی جب کہ غزالہ میری چہیتی بیوی تھی۔ میں ان میں سے کسی ایک کی خاطر دوسری سے کسی زیادتی کا تصور نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے اس توازن کو بہت کامیابی سے برقرار رکھا ہوا تھا مگر آثار بتا رہے تھے کہ ان کی وہ مفاہمت زیادہ دیر تک چلنے والی نہیں تھی۔ غزالہ کم گو اور محتاط طبیعت کی مالک تھی۔ مجھے اس کی طرف سے کسی زیادتی کا اندیشہ نہیں تھا لیکن ویرا بہت منہ پھٹ اور باتونی تھی۔ وہ ہر بات میں ٹانگ اڑانا اپنا پیدائشی حق سمجھتی تھی۔ ویرا کی اس عادت کی وجہ سے کسی بھی وقت تلخی پیدا ہوسکتی تھی۔

ان دونوں کے درمیان بات بگڑتے بگڑتے سنبھل گئی تھی۔ انہیں جلال سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتا دیا گیا تھا۔ ناشتا ختم کرنے کے بعد فاضل وقت کے بارے میں بات چھڑ گئی۔ ویرا لاہور کی سیر کرنے کی خواہش مند تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

ہمارے پاس شام کے سات بجے تک کا وقت تھا۔ ان دونوں نے ہوٹل سے نکلنے کا ارادہ کرلیا مگر میں نے ان کا ساتھ دینے سے معذرت کرلی۔ لاہور میرا اپنا شہر تھا۔ میں وہیں پیدا ہوا اور پلا بڑھا تھا مگر جوانی میں باپ کے سائے سے محروم ہونے کے بعد میرے لیے اس شہر کی زمین تنگ ہوتی چلی گئی۔ سوتیلے بھائیوں نے نفرت کا رویہ اپنایا اور مجھے آبائی گھر سے بے دخل کردیا۔ ماں کی ذات میرا واحد سہارا تھی۔ اس نے اپنے آخری دن بہت بے بسی اور کسمپرسی میں گزارے اور جب اس نے اپنی زندگی کی گھڑیاں پوری کرلیں تو میری نظروں میں دنیا تاریک ہوگئی۔ لاہور کی زمین اور آسمان میں میرے لیے کوئی گنجائش نہیں رہی۔ نفرت، عسرت اور کچوکوں کے سوا میرے لیے کچھ نہیں تھا۔ مایوسی اور ابتلا کے اس دور میں، میں نے لاہور کو خیرباد کہہ کر کراچی کا رخ کرلیا جہاں نئے شب و روز میرے منتظر تھے۔

لاہور چھوڑنے سے پہلے میں اس شہر کا کونا کونا دیکھ چکا تھا۔ ویرا کی طرح میرے دل میں شہر کی کوچہ نوردی کا کوئی شوق نہیں تھا۔

غزالہ باہر جانے کے لیے تیار تھی۔ وہ گھر میں ہر وقت اس طرح صاف ستھری رہنے کی عادی تھی کہ بیٹھے بیٹھے بھی اچانک کہیں جانے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ کوئی تاخیر کیے بغیر روانہ ہوسکے۔ ویرا ابھی فیشن کی عادی نہیں تھی۔ قدرت نے اسے ایسے رنگ روپ سے نوازا تھا کہ وہ میک اپ کے بغیر ہی پرکشش نظر آتی تھی مگر اسے کپڑے تبدیل کرنے کی ضرورت تھی۔ وہ کپڑے بدلنے کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ پوری طرح تیار ہوکر آگئی۔ غزالہ اس کی منتظر تھی۔ دونوں نے مجھے الوداع کہا اور چل دیں۔ درمیانی تخلیے میں، میں نے غزالہ کو سمجھا دیا کہ ویرا اس سے کوئی ہلکی پھلکی بھاری بات کرے تو وہ اسے نظرانداز کردے۔

ویرا کے بارے میں مجھے امید تھی کہ وہ محتاط رہے گی۔ میری موجودگی میں وہ بہت تیزی سے بے لگام ہونے کی کوشش کرتی تھی۔ میری غیرحاضری میں وہ غزالہ اور سلطان شاہ کے ساتھ بردباری کے ساتھ پیش آتی تھی۔ یہ اس کی ایک عجیب ذہنی گرہ تھی جسے میں نے بارہا محسوس کیا تھا لیکن اس کا کوئی سبب نہیں جان سکا تھا۔

وقت گزاری کے لیے میں نے بستر پر دراز ہوکر اخبار سنبھال لیا اور سرخیوں کے مطالعے میں مصروف ہوگیا۔

کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا، ریسیور اٹھایا تو ایس ٹی ایف کا مقامی سربراہ لابی سے اپنی آمد کی اطلاع دے رہا تھا۔ میں نے اسے اوپر بلالیا۔

وہ اوپر آیا اور سلام دعا کے بعد کمرے میں میرے ساتھ بیٹھ گیا مگر اس کی متجسسانہ نگاہیں تیزی سے کمرے کا طواف کررہی تھیں۔ میں نے چند ثانیوں تک اس کی وہ بے چینی محسوس کی پھر مسکراتے ہوئے پوچھا "کیا بات ہے؟ تم کچھ مضطرب نظر آرہے ہو۔"

"بیگم صاحبہ نظر نہیں آرہیں۔ کیا تم نے انہیں کہیں اور بھیج دیا ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"وہ تفریح کے لیے نکلی ہے۔" میں نے ویرا کی آمد کا ذکر کیے بغیر اسے بتایا "اسے لاہور کچھ زیادہ ہی پسند آگیا ہے۔"

"اوہ! پھر تو مجھے فرزانہ کو اپنے ساتھ لانا چاہیے تھا۔" اس نے خفت آمیز لہجے میں کہا "میرا خیال تھا کہ تمہاری غیر حاضری کی وجہ سے بیگم صاحبہ کی پوری رات بھی جاگتے ہوئے گزری ہوگی اور وہ دن میں آرام کریں گی۔ اس خیال سے فرزانہ کو گھر پر چھوڑ دیا۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ غزالہ کم گو اور تنہائی پسند ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ سارا دن الارنس گارڈن کے پرسکون گوشے میں بیٹھے بیٹھے گزار دے۔ اسے تمہاری بیوی کو ساتھ لے جانے کی ضرورت محسوس ہوتی تو میں بلا تکلف تم کو فون کردیتا۔ تم اطمینان سے بیٹھو اور یہ بتاؤ کہ شہر میں کیا ہورہا ہے۔"

"آئی بی والوں نے پچھلی رات ناقابل یقین تیزی دکھائی ہے۔ مجھے محسوس ہورہا ہے جیسے میری اور ڈی آئی جی کی ملاقات کے التوا میں بھی کوئی پس پردہ ہاتھ کارفرما تھا۔ ایس ٹی ایف والوں کے ساتھ مقامی پولیس کا رویہ ہمیشہ بہترین اور مثالی رہا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ گیارہ بجے شب کی طے شدہ ملاقات یوں اچانک ملتوی ہوجائے گا۔"

خالد ذہین آدمی تھا۔ واقعات کی کڑیوں کو یک جا کرکے بالکل صحیح نتیجے پر پہنچا تھا۔ میں نے انجان بن کر پوچھا "تمہیں پس پردہ ہاتھ کا خیال کیوں آیا؟"

"ایک طرف ڈی آئی جی غائب ہوا۔ دوسری طرف آئی بی والوں نے براہِ راست چوہدری عظمت پر ہاتھ ڈال دیا۔ برا نہ مانو تو میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔"

"ایک نہیں، تم دو باتیں کہو۔" میں نے فراخ دلی سے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"یہ سب خدشے تم نے فون پر کل رات ظاہر کردیے تھے۔ یہاں تک کہہ دیا تھا کہ آئی بی والے چوہدری عظمت

Downloaded from https://paksociety.com

کے کیس میں غیر معمولی دلچسپی لے رہے ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم کو یہ سب باتیں پہلے سے معلوم تھیں اور تم ہیومن سوسائٹی کے چکر میں لاہور آئے تھے لیکن شروع میں تم نے مجھے اپنے اعتماد میں نہیں لیا۔ اول خان نے تمہاری آمد کی اطلاع دی تو اس نے بھی اس بارے میں کوئی تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ مجھے اس کی طرف سے بڑا قلق ہے۔"

"لاہور ہمارا ٹرانزٹ اسٹیشن تھا۔ ہمیں دو تین راتیں یہاں گزارنے کے بعد آگے روانہ ہونا تھا۔ ہیومن سوسائٹی کا نام بعد میں سامنے آیا۔ اس سے پہلے تم لاہور میں ہیروئن کی وبا اور سرحدی علاقے میں اے این ایچ کی وافر سپلائی کے بارے میں اپنی فکر مندی کا اظہار کر چکے تھے۔"

"میں ممبئیوں سے ان مسائل پر سر کھپا رہا تھا۔ یقین نہیں آتا کہ تم نے اتنی تیزی سے سب کچھ معلوم کر لیا۔"

"واقعات تمہارے سامنے ہیں۔ ہیومن سوسائٹی کے بارے میں میری معلومات صفر تھیں۔ ان کے بارے میں بیشتر معلومات تم نے فراہم کیں۔ تم یہ ضرور کہہ سکتے ہو کہ این جی اوز کے بارے میں میرے تجربے نے کسی فیصلے تک پہنچنے میں میری بہت زیادہ رہنمائی کی۔ ہم نے ان کا رخ کیا' شاہد پر ہاتھ ڈالا اور پھر ساری گرہیں خود بہ خود کھلتی چلی گئیں۔ میں کراچی سے بالکل خالی ذہن کے ساتھ آیا تھا۔ یوں سمجھ لو کہ اس معاملے میں قدرت نے میری رہنمائی کی ہے۔ لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ میرا خمیر اس مٹی سے اٹھا ہے اور میں اس مٹی کا مقروض تھا۔ میں یہ قرض پوری طرح اتارنے کے قابل نہیں ہوں مگر ہیومن سوسائٹی کا قصہ ختم کر کے میں نے اس شہر میں بسنے والوں کی خدمت کی ہے۔ چوہدری عظمت اور اس کے حواریوں کے عبرت ناک انجام کے بعد کوئی مہم جو اپنے چہرے پر بھیڑ کی نقاب اوڑھ کر لاہور کے باسیوں کے لیے بھیڑیا نہیں بن سکے گا۔"

خالد حیرت سے آنکھیں پھاڑے میری بات سنتا رہا۔ میری بات مکمل ہوئی تو اس نے تحیر زدہ آواز میں کہا "تمہاری ساری کہانیاں کراچی سے پھیلتی آئی ہیں۔ میں تمہیں وہیں کا رہنے والا سمجھتا تھا۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم لاہوری ہو۔ ایک چوہدری عظمت ہے۔ وہ بھی پشتوں سے یہیں کا بسنے اور رہنے والا ہے مگر اس کے کرتوت شرمناک تھے۔ اسے اپنے شہر کے نوجوانوں پر کوئی رحم نہیں آیا۔ اس نے دولت کمانے کے لیے ان کی رگوں میں ہیروئن کا زہر پھیلانا شروع کر دیا۔ تم نے اس کی سرکوبی کر کے اس داغ کا ازالہ کر دیا۔"

اس کے فقروں میں دور دور تک تعصب کا کوئی شائبہ نہیں تھا' بس فخر کا ایک احساس نمایاں تھا پھر بھی میں نے وضاحت ضروری سمجھتے ہوئے اس کی بات کو آگے بڑھایا "مجھے لاہور میں پیدا ہونے پر کوئی ندامت ہے نہ کراچی میں بسنے پر ناز ہے۔ میں نے خود کو صرف پاکستانی سمجھا ہے۔ ایک غیرت مند اور بے غیرت پاکستانی میں وہی فرق ہوتا ہے جو مجھ میں اور چوہدری عظمت میں ہے۔ اس نے وقتی عزت اور دولت تو حاصل کر لی مگر اس کا انجام عبرت ناک ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں کھل کر تمہارے فیصلوں کا ساتھ نہیں دے سکا۔ اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تمہارے بارے میں کہی جانے والی باتیں حقیقت سے کس قدر قریب ہیں۔ ہر شخص اس بات کا معترف ہے کہ تمہارے فیصلے بہت تیز' بروقت اور صحیح ہوتے ہیں۔ اب تک...."

"بس!" میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا "اتنے قصیدے نہ پڑھو کہ میرا دماغ خراب ہو جائے۔ تم نے میرا بھرپور ساتھ دیا ہے۔ اگر تمہاری مدد سے شاہد کو اغوا کر کے اس سے کڑی باز پرس نہ کی جاتی تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔"

خالد منکسرانہ انداز میں ہنسنے لگا اور بولا "اس کے اغوا میں بھی سارا کردار تمہارا تھا۔ تم ہی نے اسے اپنی گاڑی سے اترنے کا موقع دیے بغیر بے ہوش کیا تھا اور پھر سارے سوال بھی تمہارے تھے۔ تمہارے لیے چند افراد کا تحفظ اور سواریاں فراہم کر کے میں یہ سہرا اپنے سر نہیں باندھ سکتا۔"

"کوئی بھی شخص اپنی ذات کے خول میں بند رہ کر ایسے بڑے کام انجام نہیں دے سکتا' میں نے سنجیدگی سے کہا "ایسی بھرپور کامیابیاں ٹیم ورک کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ ہر شخص کا ایک مخصوص اور معین کردار ہوتا ہے۔ اس کی ادائیگی میں کہیں کوئی لغزش ہو جائے تو پورا منصوبہ ناکام ہو جاتا ہے۔ یک اپ میں آنے والوں نے شاہد کی کالی ٹویوٹا کو روکنے کے لیے کسی غلط جگہ کا انتخاب کیا ہوتا تو وہاں بھیڑ لگ جاتی۔ ہم اسے اٹھانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔"

"جلال آئی بی میں بہت بڑے عہدے پر مامور ہے۔ رات گئے میں تمہاری زبانی اس کی آمد کی خبر سن کر دنگ رہ گیا۔ گیارہ بجے تک سب کچھ غیر یقینی تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ پنجاب پولیس کے ذریعے ہیومن سوسائٹی کی بیخ کنی کی جائے گی۔ صبح چار بجنے سے پہلے وہ اپنے مختصر سے عملے کے ساتھ چوہدری عظمت کو پکڑ چکا تھا۔"

"وہ قصہ نمٹ گیا تھا۔ یہ بتاؤ کہ ہیومن سوسائٹی کے ہیڈ آفس اور دوسرے کارندوں کا کیا بنا؟"

Downloaded from https://paksociety.com

"سب عتاب میں آئے ہوئے ہیں۔ آئی بی والوں نے پورے شہر میں بہت بڑا کریک ڈاؤن شروع کیا تھا۔ فضا میں اجالا پھیلنے سے پہلے ہیومن سوسائٹی کے دفاتر اور بادامی باغ والے گودام کو سیل کیا جاچکا تھا۔ اس کے سرگرم کارکن پکڑے جاچکے تھے۔ جو بچ گئے وہ خوف سے زیرِ زمین چلے گئے تھے۔"

"سنا ہے کہ چوہدری عظمت کی گرفتاری کے خلاف کوئی سیاسی لہر بھی اٹھی ہے۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔

"معززین اور شرفا کے طبقے میں چھپی ہوئی کسی کالی بھیڑ پر جب بھی ہاتھ ڈالا جاتا ہے تو ایسا ہی شور و غوغا بلند ہوتا ہے جوں جوں حقائق سامنے آتے ہیں' یہ شور خود بہ خود ختم ہوجاتا ہے۔ یہ بھی ایک طرح کا برادری سسٹم ہے جس میں ذات پات کے بجائے لوگ مال و دولت اور جاہ و حشمت کی بنیاد پر یکجا ہوتے ہیں۔ چوہدری عظمت کچھ زیادہ سرگرم سماجی رہنما تھا لیکن اب اس کی گلوخلاصی ناممکن ہے۔ آئی بی والے اپنے ملزم کو آخر تک ڈھیل دیتے ہیں اور پھر اچانک اس کے حلق میں ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔ وہ پہلے سے ہیومن سوسائٹی کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ رہی سہی کسر تم نے ان کی نقاب الٹ کر پوری کردی۔ بیالیس کلو ہیروئن کی برآمدگی پوری دنیا میں خبروں کا موضوع بن سکتی ہے۔"

اس کی گفتگو بہت اطمینان بخش تھی۔ جلال خود براہِ راست ہیومن سوسائٹی کے معاملات میں الجھا ہوا تھا اس لیے اس کے تجزیے پر اس کے عصیلے جذبات اور جھنجلاہٹ کا غلبہ تھا مگر خالد باہر کا ایک باخبر آدمی تھا۔ ہیومن سوسائٹی اور چوہدری عظمت کے بارے میں اس کے اندازے غلط نہیں ہوسکتے تھے۔

"شاید تم کو یقین آگیا ہوگا کہ میں کراچی سے ہیومن سوسائٹی کے خلاف کوئی مواد لے کر نہیں آیا تھا۔" میں نے ہنس کر اسے چھیڑا۔

"یہ یقین پہلے بھی تھا لیکن ان بدمعاشوں کے تیز ترین انجام نے مجھے تذبذب میں ڈال دیا تھا۔" اس نے خفت سے جواب دیا۔

"ہوسکتا ہے کہ یہ میری اور تمہاری آخری ملاقات ہو۔ آج رات ہم اس کام پر روانہ ہوجائیں گے جس کے لیے کراچی سے نکلے ہیں۔"

وہ چونک پڑا "نہیں... یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ فرزانہ سخت ناراض ہوجائے گی۔ وہ تمہاری دعوت کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ میں یہی کہنے آیا تھا کہ آج رات کا کھانا تم کو اور بیگم صاحبہ کو ہمارے گھر پر کھانا ہے۔ دعوت کھائے بغیر تم لاہور سے نہیں جاؤ گے۔"

"مجبوری ہے۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے سمجھایا "رات کے اندھیرے میں ہمیں سرحد پار نکلنا ہے۔ یہ بندوبست دوسرے لوگ کریں گے۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ ایسے معاملات کتنے پیچیدہ ہوتے ہیں۔ طے شدہ پروگرام سے ذرا بھی انحراف ممکن نہیں ہے۔"

اس کا چہرہ اتر گیا۔ "سرحد پار جانے والوں کو کوئی نہیں روک سکتا۔ تم نے مختصر سی بات بتا کر میرے دل و دماغ میں ہلچل مچادی ہے۔ اس راہ کے مسافروں کو زادِ راہ کے طور پر پرخلوص دعاؤں کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔" اس کی عقیدت سے لبریز نگاہیں میرے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔

"یہ دعائیں ہی ہم سب کو چلا رہی ہیں ورنہ ہمارے کرتوت وہی ہیں جن کا مظاہرہ چوہدری عظمت کرتا رہا ہے۔"

"خود کو اس ملعون سے نہ ملاؤ۔ تم ایک عظیم آدمی ہو۔ ہم لوگ اپنے بارے میں کوئی ناز نہیں کرتے مگر میں اپنے اور اول خان کے بارے میں بہت عاجزی سے کہہ سکتا ہوں کہ ہم لوگ دانستہ کبھی کسی غلط کام میں ملوث نہیں ہوئے۔ اس سرزمین پر کچھ ایسے لوگ ضرور باقی ہیں جن کے دم قدم سے یہاں کا کاروبار چل رہا ہے۔"

"آج رات تم چلے جاؤ گے۔ کیا میں جان سکتا ہوں کہ ہوٹل سے تمہاری روانگی کس وقت ہوگی۔"

"ہماری روانگی کا انحصار آگے سے طے ہونے والے پروگرام پر ہے۔ شام سات بجے کے بعد ہم کسی بھی وقت ہوٹل چھوڑ دیں گے۔"

"پھر میں چھ بجے سے پہلے فرزانہ کو ساتھ لے کر آؤں گا۔ وہ تم دونوں کی بہت گرویدہ ہے۔ تم لوگوں سے اس کی الوداعی ملاقات نہ ہوسکی تو وہ کئی دنوں تک ملول و افسردہ رہے گی۔" اس نے بہت اشتیاق سے کہا۔

میں نے اپنے دل میں اس کے لیے احترام اور ہمدردی کے جذبات محسوس کرتے ہوئے دھیرے سے جواب دیا "فرزانہ سے میرا سلام کہنا اور اسے یہاں نہ لانا۔ رازداری تمہارے لیے کوئی اجنبی لفظ نہیں ہے۔ روانگی تک ہم ہر ایک سے الگ تھلگ اور دور رہنا چاہتے ہیں۔ تمہیں علم ہوگا کہ لاہور میں را کے ایجنٹ اکثر آتے جاتے رہتے ہیں۔"

وہ سر ہلا کر رہ گیا "را کے باقاعدہ ایجنٹ کم ہوں گے لیکن مخبروں کی تعداد خاصی ہے۔ سرحدوں کے قریب واقع شہروں

Downloaded from https://paksociety.com

اور آبادیوں میں یہ مسئلہ ہر وقت درپیش رہتا ہے مگر بقائے باہمی کے نظریے کے تحت ہم انہیں نظر انداز کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہ ہمارے مخبروں کو بھولے رہتے ہیں۔"

وہ مزید کچھ دیر بیٹھا اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ ہماری اچانک روانگی کی خبر سن کر وہ اداس ہو گیا تھا۔

جاتے ہوئے وہ مجھ سے نہایت گرم جوشی سے بغل گیر ہوا۔ میں نے اس کی پشت تھپتھپاتے ہوئے کہا "اپنا دل چھوٹا نہ کرو۔ ہم ہمیشہ کے لیے وہاں ہجرت نہیں کر رہے۔ کچھ دنوں میں اپنا مشن پورا کر کے واپس آئیں گے تو تمہاری کئی دعوتیں بھی قبول کر لیں گے۔"

اپنے ہونٹوں پر افسردہ مسکراہٹ لیے وہ کمرے سے نکل گیا۔ اس سے میری رفاقت مختصر رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے میرے مشوروں پر عمل نہیں کیا تھا۔ اس کے باوجود اس کے اخلاق اور کردار نے مجھے متاثر کیا تھا۔ اس سے ملاقات کے بعد میرے دل و دماغ میں اسپیشل ٹاسک فورس کی عظمت کا نقش کچھ اور گہرا ہو گیا تھا۔

میں ایک بار پھر اپنے کمرے میں تنہا رہ گیا اور اپنے ذہن میں گزرے ہوئے واقعات کا اعادہ کرنے لگا۔ لاہور سے روانہ ہونے سے پہلے میں اول خان سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ کوئی اہم بات یاد آجاتی تو میں اسے تبادلہ خیال میں شامل کر سکتا تھا۔

میں نے ناشتا دیر سے کیا تھا اس لیے دو بجے تک بھی اشتہا بیدار نہ ہو سکی۔ مجھے معلوم تھا کہ زیادہ تاخیر کی صورت میں ہوٹل کا کچن بند ہو جائے گا اور مجھے لنچ کول کرنا پڑے گا جب کہ رات کے کھانے کے بارے میں کوئی بات یقینی نہیں تھی۔ اگر شام کے سات آٹھ بجے کوچ کرنا پڑا تو بھارت کی سرزمین پر پڑاؤ کی نوبت آنے تک کھانے پینے کے بارے میں سوچنا محال تھا۔ میں نے روم سروس والوں کو اپنے لیے کوفتوں کا آرڈر دے دیا۔

میں بدستور بستر پر دراز رہا۔ اس دوران میں ناشتے کے برتن اٹھا لیے گئے۔ لنچ کی ٹرے میز پر رکھ دی گئی۔ اس وقت تک میرا کھانے کا موڈ نہیں بنا تھا۔ ویٹر نے جانے سے پہلے قاب کا ڈھکن اٹھا کر دوبارہ بند کر دیا اور کمرا کوفتوں کی خوشبو سے بھر گیا۔

شاید وہ ویٹر کا کوئی آزمودہ پیشہ ورانہ حربہ تھا۔ اس کے باہر جانے کے بعد میں چند منٹ کے لیے بھی مسہری پر دراز نہ رہ سکا۔ کوفتوں کی خوشبو نتھنوں میں آتے ہی میری بھوک یکایک بیدار ہو گئی تھی۔ میں نے بستر چھوڑ کر کھانے کی ابتدا کر دی۔

ابھی میں فارغ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کرسی چھوڑی اور ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

ہوٹل کی خوش آواز آپریٹر نے بتایا کہ میرے لیے کراچی سے اول خان کی کال تھی۔ میرے ایما پر اس نے فوراً کال مجھے منتقل کر دی۔

"روانگی کا پروگرام طے ہو چکا ہے لیکن مجھے بھنک بھی نہیں ملنے دی کہ کب جا رہے ہو!" اول خان نے شکوہ کیا۔

"تمہیں بتائے بغیر میں لاہور چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔" میں نے منہ میں موجود لقمہ نگلنے کے بعد کہا۔

"معلوم ہوتا ہے تم کھانا کھا رہے تھے۔" میرے دہانے سے پیدا ہونے والی آوازیں سن کر اس نے تبصرہ کیا۔

"ہاں' لنچ ہو رہا ہے۔ اس کے بعد تم سے رابطہ کرتا..." میں اپنی بات پوری نہیں کر سکا۔

"پہلے تم اطمینان سے اپنی شکم سیری کر لو۔ میں تھوڑی دیر بعد دوبارہ فون کر لوں گا۔" اس نے درمیان سے میری بات اچک لی۔

"نہیں... میں فارغ ہو چکا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کہاں ہو' سلطان شاہ کہاں ہے؟"

"میں تمہارے گھر سے بات کر رہا ہوں۔ سلطان شاہ شکوہ کر رہا ہے کہ تم اسے بھولے ہوئے ہو۔"

"پہلے اس سے بات کرا دو تاکہ اس کا شکوہ دور ہو جائے۔ تنہائی کی ایک رات بھی نہیں گزری کہ اس نے شکایتیں شروع کر دیں۔ ویرا کے یہاں پہنچنے پر میں نے خود اسے اطلاع دی تھی۔ شاید اس وقت وہ نیند کی پینک میں تھا۔ میری اس کال کو بھول گیا۔"

"مجھے صبح والی کال یاد ہے۔" ریسیور میں سلطان شاہ کی آواز آئی۔ شاید میرا آخری فقرہ اول خان کے بجائے اسی نے سنا تھا "مجھے اکیلا رہنے کی عادت نہیں ہے۔ کبھی کبھی مجھے فون کرتے رہا کرو۔ تمہیں وقت نہ ملے تو یہ ذمے داری غزالہ کو سونپ دو۔"

"تمہیں یہ عادت ڈال لینی چاہیے کیونکہ آج رات ہم آگے روانہ ہو رہے ہیں۔ وہاں سے روز فون کرنا ممکن نہیں ہو گا۔"

"اوہو' اتنی جلدی پروگرام طے ہو گیا۔ ہمارا اندازہ تھا کہ ہیومن سوسائٹی کی وجہ سے تم کو لاہور میں رکنا پڑے گا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"وہ معاملہ جلال نے سنبھال لیا ہے۔ ہم یہاں بلاوجہ وقت برباد نہیں کریں گے۔"

"یہ بتاؤ کہ جہانگیر اپنے ماموں سسر کے بارے میں کچھ جاننے کے لیے مجھ سے رابطہ کر بیٹھے تو مجھے کیا کہنا چاہیے۔"

وہ ایک اہم نکتہ تھا جو اسے یاد آگیا تھا۔ میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا اور جواب دیا "انجان بنے رہنا۔ ہماری لاہور میں موجودگی کی پردہ پوشی کی ضرورت نہیں کیونکہ میں غزالہ کے ساتھ سلمیٰ سے مل چکا ہوں۔ اس وقت وہ اپنے ماموں کے گھر میں موجود تھی۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ جہانگیر آسانی سے جان چھوڑنے والوں میں سے نہیں ہے۔ وہ یہ بات تسلیم نہیں کرے گا کہ تم لاہور میں ہوتے ہوئے چوہدری عظمت کے قصے سے بے خبر تھے۔ وہ اپنی بیوی کے رشتے داروں کی بے عزتی کر کے خوشی محسوس کرتا ہے۔"

"اس کو اپنی ہانکنے دو۔ تم کو اسی کہانی پر جما رہنا ہے جو میں بتا چکا ہوں۔ لاہور بہت بڑا شہر ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ میں وہاں پیش آنے والے ہر واقعے سے باخبر رہوں۔ تمہارے لیے آج کا دن ذرا مشکل ہے۔ کل کے اخباروں میں پوری کہانی آجائے گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی بیوی کے ایما پر اس نے لاہور کی طرف دوڑ لگا دی ہو۔ اپنی بیوی پر احسان جتانے کے چکر میں وہ اتنا بدحواس ہو رہا ہو کہ کراچی کو بھول کر مجھے لاہور میں تلاش کر رہا ہو گا۔"

سلطان شاہ ہنس پڑا "وہ تمہارا اتنا مخلص دوست ہے اور تم بے دردی سے اس کا مضحکہ اڑا رہے ہو۔"

"میں مضحکہ نہیں اڑا رہا' حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ اب تم اس کی زیادہ وکالت نہ کرو۔ جو کچھ بتا رہا ہوں' اس کے مطابق عمل کرو گے تو سکھی رہو گے ورنہ جہانگیر فون کر کر کے تمہاری زندگی اجیرن کر دے گا۔ میری طرف سے فی امان اللہ' اب فون اول خان کو دے دو۔"

سلطان شاہ نے مجھے خدا حافظ کہہ کر فون کا ریسیور اول خان کے حوالے کر دیا۔

"تم نے این کی پوری کہانی تو سن ہی لی ہو گی۔" اول خان نے پوچھا "اس نے خاصے گھل کھلائے ہیں۔"

"کون این؟" میں نے روا روی اور بے دھیانی میں پوچھا۔ سچ یہ ہے کہ اس وقت وہ نام میرے ذہن سے نکلا ہوا تھا۔

"کمال ہے۔ شام کو تمہاری روانگی ہے اور تم اپنی ہم سفر کا نام بھولے ہوئے ہو' اس کا پاسپورٹ مس این کاویل کے نام پر ہے۔"

"سب یاد ہے لیکن اس وقت میرا ذہن کہیں اور بھٹکا ہوا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ جہانگیر سے اگلی ملاقات میں اس کے ماموں سسر کے انجام پر اس سے اظہار ہمدردی کرنا مناسب ہو گا یا وہ مبارک باد ملنے پر زیادہ خوشی کا اظہار کرے گا۔"

"تم دونوں کے مراسم بہت گہرے اور پُرپیچ ہیں۔ اس کی دماغی ساخت کو تم بہتر طور پر سمجھ سکتے ہو۔ میں کوئی مشورہ نہیں دوں گا۔"

"این کاویل کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے؟" میں نے جہانگیر کا ذکر وہیں ادھورا چھوڑ دیا۔

"اس نے کل شام تک چند گھنٹوں کی مدت میں جان کو فون کیے تھے۔"

میں نے اول خان کی بات درمیان سے اڑا دی "وہ مجھے بتا چکی ہے۔ اس کی وہ حرکت احمقانہ تھی۔"

"میں تمہیں یہی بتانا چاہ رہا تھا۔" اس نے میرا تبصرہ سننے کے بعد زور دے کر کہا "ویرا کی وہ تدبیر سو فیصد کارگر رہی ہے۔ آج جان غائب ہے۔ دفتر اور گھر میں فون کی گھنٹیاں بج رہی ہیں۔ کوئی جواب نہیں مل رہا۔"

"کیا تم نے اسے فون کیا تھا؟" میں نے چونک کر قدرے ترش لہجے میں پوچھا "کہاں سے کال کی تھی؟"

"مظہر خان! میں اتنا احمق نہیں ہوں۔" اول خان کی مزاحیہ آواز سنائی دی "ویرا نے تینوں بار مختلف پبلک بوتھ استعمال کر کے اسے پریشان کیا تھا۔ میں نے بھی پبلک بوتھ استعمال کیے تاکہ اس کے نمبر پر آبزرویشن لگا ہوا ہو تب بھی کال کرنے والے کا سراغ نہ مل سکے۔ رابطہ ہو جاتا تو میں اس کی آواز سنتے ہی ایک ہذیانی قہقہہ لگا کر فون بند کر دینے کا ارادہ رکھتا تھا مگر اس کی نوبت نہیں آئی۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ دانستہ فون نہ سن رہا ہو۔ تم کیسے کہہ رہے ہو کہ ویرا کی تدبیر کارآمد رہی ہے۔" "سچ یہ ہے کہ ویرا کی بچگانہ ترکیب کی کامیابی کی غیر مصدقہ خبر سن کر مجھے ذہنی کوفت ہوئی تھی۔ میری دانست میں ایک سفارت کار اتنا بے وقوف نہیں ہو سکتا تھا کہ تین گمنام بلکہ دھمکی آمیز فون کالز ملنے پر اپنا گھر اور دفتر چھوڑ کر کہیں روپوش ہو جائے۔ جان اسمتھ صرف سفارت کار ہی نہیں' سی آئی اے کا اعلیٰ افسر بھی تھا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ میں غیر ذمے دارانہ باتوں سے گریز کرتا ہوں۔" اول خان فون پر کہہ رہا تھا۔ "میں نے

Downloaded from https://paksociety.com

دوسرے ذرائع سے بھی تصدیق کرلی ہے۔ وہ پچھلی رات سے اپنے گھر اور دفتر سے غائب ہے۔ ممکن ہو تو تم اپنے طور پر مزید چھان بین کرسکتے ہو۔"

"میرے پاس چھان بین کا وقت کہاں ہے۔ اب نئی دہلی پہنچنے کے بعد پتا چلے گا کہ وہ وہاں پہنچا ہوا ہے یا کراچی یا اسلام آباد میں کہیں روپوش ہے۔"

گفتگو کی ابتدا میں اول خان بہت تکلف سے کام لے رہا تھا۔ مجھے ذہن پر بات کرنے کے بجائے کھانا کھانے کا مشورہ دے رہا تھا لیکن باتوں کا سلسلہ چل نکلا تو وہ یہ بھی بھول گیا کہ میں نے اپنے منہ میں موجود لقمہ نگلنے کے بعد پانی نہیں پیا تھا۔ مجھے اپنے حلق اور سینے میں ہلکی سی جلن کا احساس ہو رہا تھا لیکن مروت میں' میں بھی خاموش تھا۔ آخر کار ہماری باتیں ختم ہوگئیں۔ اول خان نے اس سفر کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

پانچ بجے وہ دونوں واپس لوٹ آئیں۔ تاریخی عمارات کی سیر میں ہمیشہ بہت پیدل چلنا پڑتا ہے۔ وہ دونوں تھکن سے نڈھال تھیں۔ ویرا مجھے اپنا چہرہ دکھا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ غزالہ بھی تیز شاور کے نیچے طویل غسل کی شدید ضرورت محسوس کررہی تھی۔ ان دونوں کے لوٹ آنے کے باوجود میں ایک مرتبہ پھر تنہا رہ گیا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ہم تینوں یک جا ہوسکے۔ چائے نوشی کے دوران میں وہ دونوں لاہور کی عام شہری زندگی کے بارے میں اپنے تجربات اور مشاہدات دہرا رہی تھیں جن میں دلچسپی کا خاصا عنصر موجود تھا مگر میں ان کی باتوں پر اپنی توجہ مرکوز نہیں کرسکا۔ روانگی کا متوقع وقت قریب آنے کے ساتھ ساتھ میرے اعصاب پر ہلکا سا تناؤ طاری ہوتا جارہا تھا۔ اہم اور خطرناک مہمات کے آغاز سے پہلے میری چھٹی حس ہمیشہ مجھے یوں ہی چوکنا کردیتی تھی۔

"میرے پاس اپنے ذاتی استعمال کے تین جوڑوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔" اپنی دن بھر کی سرگرمیوں کے جائزے کے بعد ویرا مجھ سے مخاطب ہوکر بولی "تم اس سفر پر اپنے ساتھ کیا کیا لے جانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ آخری لمحات پر ہم کوئی چیز بھول جائیں۔"

"سارا بوجھ میرے اوپر نہ لادو۔ اپنی ضروریات کا تعین خود کرو کیونکہ تم کو ہم دونوں سے الگ رہنا ہے۔"

"بیزار ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تم سے مشورہ طلب کررہی تھی۔ جہاز پر سوار ہونے سے پہلے ہونے والی تلاشی کے اندیشے سے میں کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لائی۔" ویرا نے میرے جواب پر بدکے بغیر کہا "آپس میں مشورہ کرکے ہم بہتر تیاری کرسکتے ہیں۔"

"شاید تمہیں علم ہوگا کہ تمہاری طرح ہم بھی جہاز سے آئے ہیں اور اسی خدشے کی وجہ سے کوئی آتشیں ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لاسکے۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا "لیکن آتشیں ہتھیار ناگزیر ہیں۔ جلال ان کا بندوبست کرے گا یا پھر بھارت میں ان کے حصول کا کوئی ذریعہ تجویز کرے گا۔"

"اس وقت تم چبا چبا کر باتیں کررہے ہو۔" ویرا مجھے گھورتے ہوئے بولی "کیا تمہیں ہم دونوں کا باہر جانا ناگوار گزرا ہے۔"

"میں طنز نہیں کررہا تھا۔ جب سے تم آئی ہو' ہم غیر ضروری باتوں اور مصروفیات میں الجھے ہوئے ہیں۔ تمہیں ان باتوں کا پہلے خیال آنا چاہیے تھا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہاری اپنی تیاری مکمل ہے۔ تم کیا کیا ساتھ لے جارہے ہو؟"

"بیم گن' سی ایس ڈی اور زہریلے کیپسولوں والی چند انگوٹھیوں کے علاوہ ذاتی استعمال کا مختصر سا سامان ہے۔ کراچی میں تم نے وہ سب دیکھ لیا تھا۔"

"بیم گن اور دو انگوٹھیاں مجھے دے دو۔" ویرا نے مطالبہ کیا "باقی بندوبست میں خود کرلوں گی۔"

وہ ایک انار دو بیمار والا معاملہ تھا۔ ہر قسم کے دھماکے اور شور شرابے سے محفوظ بیم گن کی افادیت ہر شک و شبے سے بالاتر تھی۔ کراچی سے روانہ ہوتے ہوئے ویرا کی انفرادی ضروریات میرے ذہن میں نہیں تھی۔ میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ بیم گن کو اپنے آخری ہتھیار کے طور پر ہر دم اپنے ساتھ رکھوں گا۔ اس سے تھوڑی سی بحث ہوئی اور پھر میں نے بیم گن اس کے حوالے کرنے پر اپنی رضامندی ظاہر کردی۔ وہ عورت ذات تھی اور دشمن کی سرزمین پر اسے اکیلا رہ کر کام کرنا تھا۔

ساڑھے چھ بجے ویرا اپنے کمرے سے سامان بیگ میں سمیٹ کر لے آئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ رفتہ رفتہ وہ دونوں بھی انتظار کے اضطراب کا شکار ہوتی جارہی تھیں۔ ان کے چہروں پر سنجیدگی پھیل گئی تھی' نگاہوں سے فکرمندی مترشح تھی اور زبانیں سست پڑگئی تھیں۔

ہم تینوں کی نظریں بار بار وال کلاک کی طرف اٹھ رہی تھیں جس کی سوئیاں اپنی مقررہ رفتار سے سفر کررہی تھیں مگر کم از کم مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس روز وقت کی رفتار ماند پڑگئی ہو۔ خدا خدا کرکے سات بجے لیکن دروازے

Downloaded from https://paksociety.com

پر کوئی دستک ہوئی نہ فون کی گھنٹی بولی۔

"ایسا نہ ہو کہ جلال اسلام آباد میں پھنس گیا ہو۔" سوا سات بجے غزالہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا "آپ نے بتایا تھا کہ ہیومن سوسائٹی کے سربراہ والا معاملہ خاصا نازک ہو گیا ہے۔ اس پر جلال نے ہاتھ ڈالا ہے۔ اب اپنے اقدام کے دفاع کی ذمے داری بھی اس کے سر ہوگی۔"

"ایسی باتیں زبان سے نہ نکالو۔" ویرا نے اسے ٹوک دیا "روانگی کی پوری تیاری کے باوجود وہ نہ آیا تو سخت کوفت ہوگی۔"

"اسے خود بھی احساس تھا کہ وہ بہت برے چکر میں پھنسا ہوا ہے۔" میں نے انہیں بتایا "اس کے باوجود اس نے آنے کا یقین دلایا تھا۔ کوئی بہت ہی ان ہونی یا ناگزیر بات ہوگی تو وہ رکے گا ورنہ آج ضرور آئے گا۔"

ہم وقت گزارنے کے لیے اپنی اپنی قیاس آرائیاں کرتے رہے۔ مجھے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے باندھ کر وہاں بیٹھا دیا گیا ہو۔ جلال نے سات بجے کے بعد کا وقت دیا تھا۔ سات بجے ہوئے آدھے گھنٹے سے زیادہ مدت گزر چکی تھی۔ بارہ گھنٹے بعد بھی سات بجے کے بعد کا وقت ہوتا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کب ہم سے رابطہ کرتا۔

"تم اسلام آباد فون تو کرلو۔" کچھ دیر بعد ویرا نے اچانک مجھ سے کہا "پتا چل جائے گا کہ وہ وہیں ہے یا نکل چکا ہے۔"

نچلے عملے کے لیے اسلام آباد کے دفتری اوقات شام پانچ بجے تک ہوتے تھے لیکن ضرورت پیش آجانے پر اعلیٰ افسران اپنے ذاتی عملے کے ساتھ دیر تک دفاتر میں موجود رہتے تھے۔ میں خود جلال اور رحمان سے دفتری اوقات کے بہت بعد بات کر چکا تھا۔ مجھے ویرا کا مشورہ مناسب لگا مگر میں نے اس پر عمل درآمد کا ارادہ ساڑھے آٹھ بجے تک ملتوی کردیا۔ اگر اسلام آباد میں چوہدری عظمت کی وجہ سے کوئی ہلچل تھی تو جلال کو ساڑھے آٹھ بجے بھی وہیں کہیں ہونا چاہیے تھا۔

ٹھیک آٹھ بجے فون کی گھنٹی یکایک بج اٹھی۔ میں نے فوراً ریسیور اٹھالیا۔

اس بار آپریٹر نے جلال کی کال کی نوید سنائی اور پھر کال مجھے دے دی۔

"میں ساڑھے آٹھ بجے تم سے آملوں گا۔" ریسیور پر جلال کی دبی دبی اور پرجوش آواز سنائی دی "تم لوگ حساب کرکے ابھی ہوٹل چھوڑ دو اور باہر نکل کر لوئر مال کی طرف دھیرے دھیرے چلنا شروع کردو۔ میں خود تمہیں دیکھ کر گاڑی روک لوں گا۔"

"تم لاہور میں ہو یا اس کے مضافات سے گزر رہے ہو؟" میں نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

"میں لاہور میں ہوں۔ میرے پاس وقت کم ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے لیے سامان لے کر پیدل چلنا مشکل تو نہیں ہوگا؟"

"ہمارے پاس ہلکے پھلکے دستی تھیلوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہم ابھی ہوٹل چھوڑ دیتے ہیں۔" میں نے اس کی آواز میں پوشیدہ ہیجان کا اندازہ کرکے اس سے مزید کوئی سوال کرنے کا ارادہ ترک کردیا اور جواب دینے میں بھی اختصار سے کام لیا۔

"گڈ!" اس کی طرف سے جواب دیا "تم نکل آؤ۔ میں پہنچتا ہوں۔" اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی لائن بے جان ہو گئی۔

ان دونوں کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ انہوں نے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ فون پر دوسری

ہدایات

ہیوسٹن، ٹیکساس کے ایک ہوٹل کے کمرے میں یہ ہدایات درج تھیں۔

○—— مہمان چونکہ کمرے میں رکھے ہوئے پھل سچ مچ کھانا شروع کردیتے اس لیے اب آپ کو تپائی پر پھلوں کی باسکٹ رکھی نظر نہیں آئے گی۔

○—— ہوٹل میں آگ لگ جانے کی صورت میں کھڑکی سے کود جائیں اور بائیں طرف مڑ جائیں۔

○—— تولیے سے جوتے ہرگز صاف نہ کریں البتہ اگر تولیہ کسی دوسرے ہوٹل سے چرایا ہوا ہو تو پھر اجازت ہے۔

○—— کمرے میں کوئی چوہا نظر آئے تو ہمیں اطلاع دیں۔ ہم بلی بھیج دیں گے۔

○—— بغیر سامان والے حضرات باہر جاتے وقت اپنی بیوی کو ضمانت کے طور پر کاؤنٹر کلرک کے پاس جمع کرا جائیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

طرف جلال بول رہا تھا مگر میرے یک طرفہ مکالمے سن کر انہیں صحیح اندازہ نہیں ہو سکا کہ فوری طور پر ہوٹل چھوڑنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔

"وہ کہاں ہے؟ ہوٹل چھوڑ کر ہم کہاں جائیں گے؟" میرے کچھ بتانے سے پہلے ویرا سوال کر بیٹھی۔

"ہوٹل چھوڑ کر ہمیں مال روڈ کی طرف چلنا ہے۔ وہ ساڑھے آٹھ بجے کہیں بھی ہم سے آملے گا۔"

میں نے تپائی پر موجود فہرست دیکھ کر ہوٹل کے کیشئر کو انٹرکام پر ہدایت کی کہ وہ فوری طور پر دونوں کمروں کا حساب بنادے۔

ویرا پہلے ہی اپنے کمرے سے دست بردار ہو چکی تھی۔ ہم نے اپنے کمرے پر طائرانہ نظریں دوڑائیں' غزالہ نے ڈریسنگ ٹیبل کی درازیں وغیرہ دیکھیں اور ہم کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل ہی رہے تھے کہ اس فلور کے عملے کا نگران آموجود ہوا۔

"جارہے ہیں سر؟" اس نے مسکرا کر خوش اخلاقی سے پوچھا۔ شاید اسے نیچے سے انٹرکام پر دونوں کمروں کے بارے میں بتادیا گیا تھا۔

ہماری چابی دروازے کے قفل میں لگی ہوئی تھی۔ ویرا نے اپنے کمرے کی چابی اس کے حوالے کی اور ہم تینوں لفٹ کی طرف بڑھ گئے۔ غزالہ نے چلتے چلتے اپنے پرس سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر حق خدمت کے طور پر اس کے حوالے کردیا۔

ہوٹل سے روانہ ہونے میں ہم نے بہت تیزی دکھائی اور وقت بچانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر پھر بھی ہوٹل کے احاطے سے نکل کر مال روڈ پر پہنچنے تک ہمیں سوا آٹھ بج چکے تھے۔ دونوں کمروں میں فراہم کی جانے والی خدمات اور فون سروس وغیرہ کی بل میں شمولیت میں چند منٹ صرف ہوئے۔ واجبات کی رقم ہم نے نقد ادا کردی اور عملے کے پورٹر کو کوئی بوجھ نہ اٹھانے کے صلے میں ٹپ دے کر باہر نکلتے چلے گئے۔

ہوٹل کے کمروں کے بند اور مخصوص ماحول سے کھلی فضا میں آتے ہی میرا ذہن سبک ہوگیا۔ آزادی اور کسی پیش قدمی کی امید نے میرے پورے وجود میں توانائی کی ایک نئی لہر سی دوڑا دی تھی۔ ذہن سے سارے وسوسے دور ہو چکے تھے اور مجھے پوری امید ہوگئی تھی کہ اس رات کا کچھ حصہ ہم بھارتی سرزمین پر گزاریں گے۔

اس وقت میں ایک خاص ذہنی کیفیت سے دوچار تھا۔ مجھے مال روڈ پر رواں دواں زندگی کے آثار ہمیشہ سے کہیں زیادہ خوبصورت اور جان دار نظر آرہے تھے۔ بے یقینی کے انجان راستوں پر سفر کرنے سے پہلے مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے لاہور بلکہ پورے پاکستان کا حسن اور زندگی کا نکھار مال روڈ پر اتر آیا ہو۔ میں مسحور انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا دھیرے دھیرے آگے بڑھتا رہا۔ میرے ذہن کے کسی حصے میں تاریک اور اجاڑ سرحدی ویرانے ناچ رہے تھے جن سے ہمیں کچھ دیر بعد گزرنا تھا۔

"تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ وہ ہمیں مال روڈ سے اٹھا کر سیدھا واہگہ کی طرف لے جائے گا یا درمیان میں کوئی اور منزل بھی ہوگی" کچھ دور تک خاموشی سے چہل قدمی کرنے کے بعد ویرا نے فکرمندانہ آواز میں پوچھا۔

"اس سوال کا جواب مجھے بھی معلوم نہیں ہے۔ اس نے جو کچھ بتایا تھا وہ میں دہرا چکا ہوں مگر ایک بات ضرور کہوں گا کہ اب واہگہ اور اٹاری کا خیال اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ ہم اس معروف راستے سے بھارت میں داخل نہیں ہوں گے۔"

"تاریک سرحدی پٹی عبور کرنے سے پہلے ہم اپنے فوجیوں کی گولیوں کی زد میں بھی آسکتے ہیں" غزالہ نے دھیمی آواز میں خدشہ ظاہر کیا۔

"یہ امکان بھی ہے" میں نے اقرار کیا "دیکھنا یہ ہے کہ ان خطرات سے بچنے کے لیے جلال نے کیا بندوبست کیا ہے؟"

"وہ پہلے بھی اپنے آدمیوں کو اس راستے سے بھارت بھیجتا رہا ہوگا" غزالہ نے امید کا اظہار کیا۔ اپنے لب و لہجے سے وہ کچھ سہمی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

"اس بارے میں بھی میں اندھیرے میں ہوں۔ میں نے آنکھ بند کرکے اس پر بھروسا کیا ہے۔ تم دونوں میں سے کسی کے دل میں کوئی بدگمانی پیدا ہو رہی ہو تو وہ اسی وقت واپس لوٹ سکتا ہے۔ مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں ہوگی" میں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟" غزالہ شکایتی لہجے میں بولی "مجھے اپنی جان سے زیادہ آپ کی فکر ہے۔ مجھے ویرا کی جان بھی بہت عزیز ہے۔ جلال پر بھروسا کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنی سلامتی کے بارے میں سوچنے کے حق سے دستبردار ہو چکے ہیں۔ اب ہمیں واپسی تک خطرات ہی میں سے گزرنا ہے۔"

"ہتھیاروں کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتا" ویرا نے نیا شوشا چھوڑ دیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"یہ سب باتیں بے سود ہیں۔ جلال کے آجانے کے بعد ہی ہمیں ان سوالوں کے جواب مل سکیں گے" میں نے خفگی سے جواب دیا۔ ویرا چپ ہوگئی۔

ہمیں جلال نے وقت دیا ہوا تھا۔ مال روڈ کے کنارے ٹہلتے ہوئے ہم تینوں بار بار اپنی گھڑیاں دیکھ رہے تھے پھر مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے ہمیں پیچھے سے آنے والی روشنیوں سے شبہ ہوا جیسے کوئی گاڑی ہم پر چڑھنے والی ہو۔ ہم تینوں سڑک سے اچھل کر فٹ پاتھ پر ہوگئے۔ آنے والی ایک بڑی پجیرو تھی جس کی رفتار کم ہو رہی تھی۔ وہ گاڑی اس وقت سڑک کے انتہائی بائیں حصے پر رواں تھی۔ میں چلتے چلتے رک گیا۔

اگلے لمحے پانچ دروازوں والی وہ نیلی پجیرو ہمارے قریب رک گئی۔ فرنٹ سیٹ پر جلال براجمان تھا۔ سخت اور کھردرے چہرے والا ایک سادہ پوش شخص پجیرو کے اسٹیئرنگ وہیل پر نظر آرہا تھا۔ جلال نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور ہم تینوں پچھلا دروازہ کھول کر تیزی سے پجیرو کی عقبی نشست پر سوار ہوگئے۔

"چلو!" جلال کی آواز کے ساتھ ہی گاڑی تیزی سے حرکت میں آگئی۔ عقبی دروازہ بند ہونے کے بعد وہ گاڑی ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رکی تھی۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ڈرائیور کی موجودگی میں جلال سے کس طرح مکمل کر بات ہو سکے گی۔ جلال کو شاید ہماری اس الجھن کا احساس تھا۔ اس نے خود ہی سکوت توڑ دیا "میں بہت مشکل سے لاہور پہنچا ہوں۔ چوہدری عظمت والی پریس کانفرنس ضرورت سے زیادہ طول پکڑ گئی تھی۔ ابھی ہم کچھ دیر انتظار کریں گے۔ دوسری طرف سے پیغام ملتے ہی سفر شروع ہوجائے گا۔ اس دوران میں آپس میں بریفنگ کرلیں گے۔"

"ہم تینوں سنتے ہیں" ویرا نے موقع ملتے ہی اپنی بات چھیڑ دی "کسی کے پاس چاقو تک نہیں ہے۔"

"یہ بہت اچھا ہے۔ ہتھیاروں کے ساتھ سرحد پار کرنے کی کوشش جان لیوا ثابت ہوسکتی ہے" جلال نے ویرا کے غبارے سے فوراً ہوا نکال دی "ڈالر اور دوسری کرنسی بھی جسم کے ساتھ باندھ کر اس طرح چھپا لینا کہ تلاشی کی صورت میں آسانی سے اس کا پتا نہ چل سکے۔"

"تو کیا ہمیں چوروں کی طرح سرحد پار جانا ہوگا۔ تمہارا کوئی آدمی ہمارے ساتھ نہیں ہوگا؟" غزالہ نے سوال کیا۔

"آدمی بھی ہوگا۔ بندوبست بھی ہوگا مگر احتیاط ضروری ہے۔ رات زیادہ اندھیری ہو یا آسمان پر اچانک گھرے بادل آجائیں تو راستہ بھٹکنے کا امکان بھی ہوتا ہے۔ ایسی انسانی غلطیوں کے بارے میں پہلے سے سوچ سمجھ لینا زیادہ سودمند ثابت ہوتا ہے" جلال نے ہماری طرف گردن گھما کر اپنے ڈرائیور کی پشت پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "لانس نائیک فضل داد ان راستوں کا کیڑا ہے۔ آنکھوں پر پٹی باندھ کر ان سرحدی علاقوں میں منزل پر پہنچا سکتا ہے۔ جہاں تک یہ لے جائے گا وہاں تک بھٹکنے یا راستہ بھولنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس سے آگے کے بارے میں، میں ہمیشہ بہت محتاط رہتا ہوں۔"

فضل داد کا فوجی عہدہ سن کر مجھے اطمینان ہوا کہ فوجی علاقوں میں سے گزرنے کے لیے جلال نے ایک فوجی ڈرائیور کی خدمات حاصل کی تھیں۔ اس کی موجودگی میں یہ خطرہ نہیں تھا کہ ہم اپنی سرزمین پر اپنے فوجیوں کی کسی گولی کا شکار ہوجائیں۔

پجیرو تیز رفتاری سے مال روڈ پر دوڑتی رہی۔ آخر کار شہر کی وہ خوبصورت سڑک لوئر مال کے سر راہے سے ملی تو گاڑی بائیں طرف گھومی اور تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک بنگلے نما عمارت کے کھلے ہوئے پھاٹک میں گھوم گئی۔ گاڑی رکتے ہی جلال نیچے اتر گیا۔ ہم تینوں نے اس کی تقلید کی۔

برآمدے میں رکھی ہوئی کرسی پر ملیشیا کی وردی میں

شوقِ آوارگی

بھائی اللہ رکھا پچاس سال سے گاؤں میں ایک ہی مکان میں رہ رہے تھے۔ ایک روز اچانک وہ برابر میں خالی ہونے والے مکان میں شفٹ ہوگئے۔ گاؤں کا اکلوتا اخباری رپورٹر وجہ پوچھنے کے لیے ان کے پاس جا پہنچا۔

"بس... کیا بتاؤں..." بھائی اللہ رکھا ٹھنڈی سانس لے کر بولے "میرا خیال ہے وہ جو مجھ میں ایک خانہ بدوش کی روح ہے... وہ مجھے چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔"

Downloaded from https://paksociety.com

ملبوس ایک مسلح نگہبان موجود تھا جو گاڑی کی روشنیاں پڑتے ہی کھڑا ہو چکا تھا۔ عمارت کا داخلی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ نگہبان جلال کو پہچانتا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر جلال کو سلام کیا۔ ہم چاروں داخلی دروازے سے گزر کر ہال میں داخل ہو گئے۔

وہ ایک وسیع ہال تھا جس میں چاروں طرف متعدد کمروں کے بند دروازے نظر آ رہے تھے۔ مجھے ہال میں گھستے ہی احساس ہوا تھا کہ وہ عمارت کسی دفتر وغیرہ کے طور پر استعمال ہو رہی ہوگی لیکن جب جلال داہنی طرف کا دوسرا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو میرا یہ اندازہ غلط ثابت ہو گیا۔ وہ ایک مستطیل اور کشادہ کمرا تھا جس میں تین مسہریاں پڑی ہوئی تھیں اور کمرے کی دیواروں کے ساتھ ایک پرانا لیکن صاف ستھرا صوفہ سیٹ رکھا ہوا تھا۔

"یہ ہمارا عارضی مہمان خانہ ہے" جلال نے صوفے پر بیٹھ کر اپنی جیب سے ایک اپریٹس نکالتے ہوئے بتایا "آخری پیغام آنے تک ہم یہاں رکے رہیں گے۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ ہماری ہتھیاروں کی ضروریات کیسے پوری ہوں گی" ویرا نے اپنا سوال پھر دہرایا۔

اس نے غور سے ویرا کی طرف دیکھا پھر کہا "تم اپنے طور پر کوئی بندوبست نہ کر سکو تو میرا کوئی آدمی تمہاری مدد کرے گا۔ میں نے ان سے رابطے کا نمبر ڈینی کو دے دیا ہے"

ویرا کو جواب دینے کے بعد اس کی مستفسرانہ نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

"شاید مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ان میں سے کون ویرا اور کون غزالہ ہے؟" میں نے جلدی سے کہا "غزالہ سے تم پہلے مل ہی چکے ہو۔"

اپنے بڑھتے ہوئے ذہنی دباؤ کے باوجود وہ مسکرا دیا "میرا کام بہت عجیب ہے۔ بعض نام برسوں گزر جانے کے باوجود میرے لیے صرف ایک آواز ہیں۔ ان سے میری بات ہوتی رہتی ہے مگر کبھی ان سے سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئی مگر ویرا کو میں نے دیکھ لیا۔"

وہ عجیب انداز کا تعارف تھا۔ ویرا نے انتظار کیے بغیر اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا جسے جلال نے نرمی سے تھام لیا۔ ویرا بولی "مجھے تم سے مل کر خوشی ہوئی۔ تم جیسے ذہین اور حوصلہ مند افسر ہر ملک کے لیے باعث فخر اثاثہ ہوتے ہیں۔ مجھے بہت دنوں سے تم سے ملنے کا اشتیاق تھا۔"

"میں بھی تم سے ملنے خواہش مند تھا" جلال نے مصافحے میں ویرا کی گرم جوشی کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "پاکستان سے تمہاری محبت چوہدری عظمت جیسے رذیل پاکستانیوں کے لیے ایک بہت سخت طمانچہ ہے۔ ڈینی کے ساتھ مل کر تم نے ہمارے ملک کی بہت خدمت کی ہے جس کا کوئی صلہ نہیں دے سکتا۔"

ویرا ایک ادا کے ساتھ مسکرائی اور اس نے جلال کا ہاتھ چھوڑ دیا "میں اس توقع پر ڈینی کے ساتھ جا رہی ہوں کہ تم نے ہم تینوں کی زندہ واپسی کے امکان پر اچھی طرح غور کر لیا ہوگا۔ میں نے کبھی بزدلی کا مظاہرہ نہیں کیا لیکن میں بے مصرف اور احمقانہ موت کے تصور سے کبھی کبھی خائف ہو جاتی ہوں۔"

"میری یہاں موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ میں نے سب کچھ دیکھ بھال لیا ہے۔ کہیں کوئی خامی ہوتی تو میں ڈینی کو ہرگز روانگی کا اشارہ نہ دیتا۔ ڈینی پر میں ناز کرتا ہوں۔ یہ ہمارا قومی اثاثہ ہے۔ میں اسے بے سروسامانی کی حالت میں کھو دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس نے لاہور سے گزرتے گزرتے ایک ایسے سومنات کو منہ کے بل گرایا ہے کہ میں سوچ سوچ کر حیران ہو رہا ہوں۔ چوہدری عظمت نے پنجاب کے کئی بڑے شہروں اور سرحد کے قبائلی علاقوں میں بہت مکاری سے اپنا ایسا نیٹ ورک پھیلایا ہوا تھا کہ سر توڑ کوششوں کے باوجود کوئی اس کا سراغ نہیں لگا سکا تھا۔ آج وہ ثبوت اور دو مضبوط گواہوں کے ساتھ ہمارا قیدی ہے۔"

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ چوہدری عظمت اور تمہاری پریس کانفرنس کا کیا بنا" چوہدری عظمت کا ذکر آ جانے پر میں نے اسے یاد دلایا۔

"پریس کانفرنس توقع سے زیادہ کامیاب رہی۔ اس کے حامی اور نمک خوار چوروں کی طرح منہ چھپا کر درمیان میں ہی واپس چلے گئے' کل صبح کے اخبارات لوگوں کی آنکھیں کھول دیں گے۔ دوسری اہم کامیابی یہ ہوئی ہے کہ شاہد کی طرح ملک اقبال بھی سب کچھ اگلنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ ان لوگوں نے ہیومن سوسائٹی اور ہیروئن سے اندھی دولت کمائی ہے۔ غریبوں کی نام نہاد فلاح و بہبود پر کروڑوں روپے صرف کرنے کے باوجود ان کے اثاثے اربوں میں پہنچے ہوئے ہیں جو نکلوائے جائیں گے۔"

"اس بادشاہ گر کا کیا ہوا جو چوہدری پر ہاتھ ڈالنے والوں کو کچا چبا جانے پر تلا ہوا تھا؟"

"اس کا بھی سارا گھمنڈ پاش پاش ہو گیا" جلال نے پہلو بدل کر کہا "پرائم منسٹر ہاؤس سے ہدایت آ گئی کہ ہیومن سوسائٹی کیس میں ہر دباؤ کو سختی سے مسترد کر دیا جائے۔ ایسی

Downloaded from https://paksociety.com

کھلی پشت پناہی کے بعد میں ساری الجھنوں سے آزاد ہوگیا۔ اب قانون کی راہ میں کوئی طاقت حائل نہیں ہوسکتی۔ اس کے خلاف کیس اتنا مضبوط ہے کہ اینٹی نارکوٹکس کورٹ سے اسے جا ہی موت کی سزا سنادی جائے گی۔ وہ مکافاتِ عمل سے بچ نہیں سکے گا۔"

"ایسے لوگوں کو دوسروں کے لیے عبرت بنادینا چاہیے" ویرا نے سنجیدگی سے کہا "وہ ہیومن سوسائٹی کی آڑ میں ہیروئن سوسائٹی چلا رہا ہے۔"

جلال متاسفانہ انداز میں سرہلا کر رہ گیا۔ اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا اور پاسپورٹوں والا وزنی لفافہ نکال کر میرے حوالے کردیا۔ میں نے لفافہ کھولا تو سب سے اوپر غزالہ کا پاسپورٹ تھا۔ میں نے اس کی ورق گردانی کی تو اس کے ایک صفحے پر اسی تاریخ میں پاکستان سے واہگہ کے راستے اخراج اور اٹاری کے راستے بھارت میں داخلے کی سرکاری مہریں لگی ہوئی تھیں۔ وہ جعلی کام تھا لیکن بظاہر اس پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

میں نے اپنا پاسپورٹ الگ کرکے بقیہ دونوں پاسپورٹ ویرا اور غزالہ کے حوالے کردیے۔

"تمہارے ذہنوں میں کوئی اور سوال موجود ہو تو اسے بھی صاف کرلو" جلال نے ویرا سے مخاطب ہوکر دعوت دی "روانگی کا بگل بج گیا تو پھر موقع نہیں ملے گا۔"

"جب تک میں تم سے نہیں ملی تھی، میرے ذہن میں بہت سے سوال ابھر رہے تھے مگر ڈینی پر اعتماد تھا" ویرا نے جواب دیا "ساری بات سمجھانے والے پر اعتماد کی ہوتی ہے۔ ڈینی تم کو جانتا ہے اس لیے پوری طرح مطمئن تھا۔ اب میری بھی تم سے ملاقات ہوگئی ہے تو بہت سے سوالات ازخود ختم ہوگئے ہیں۔"

"تم یہ ڈبا کیوں لیے بیٹھے ہو؟" میں نے جلال کی گود میں رکھے ہوئے خاموش اپریٹس کی طرف اشارہ کرکے پوچھا۔

"اس پر بنگو کا پیغام آئے گا" جلال نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "وہ اپنی روانگی کی اطلاع دے گا اور ہم یہاں سے چل دیں گے۔"

"یہ بنگو کون ہے؟" ویرا کسی بھی موقع پر سوال کرنے میں کوئی تاخیر نہیں کرتی تھی۔

"یہ بریفنگ کا ایک حصہ ہے۔ تم تینوں کو سفر کی ساری طے شدہ جزئیات اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہئیں" جلال نے غیر ارادی طور پر اپنی رسٹ واچ پر ایک نظر ڈال کر کہا "ان سے انحراف تم تینوں کے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔

امرتسر میں کچھ وقت گزارنے کے بعد تم اپنی مرضی سے مطابق فیصلے کرسکو گے۔ تم کو یہ بھی طے کرلینا چاہیے کہ تمہارے درمیان باہمی رابطے کی کیا صورت ہوگی کیونکہ ویرا کو تم دونوں سے الگ بلکہ دور رہنا ہوگا۔"

"میں چاہوں گا کہ ہمارے درمیان کوئی لاسلکی رابطہ رہے۔ بھارت میں ہمیں تین اپریٹس مل سکیں تو ہر مشکل آسان ہوجائے گی" میں نے کہا۔

"اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی لیکن میں اس وقت کوئی وعدہ نہیں کرسکتا.... اور کوئی بات؟" اس کی مستفسرانہ نگاہیں باری باری غزالہ اور ویرا کے چہروں سے پھسلتی ہوئی میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔

ہم تینوں میں سے کسی نے کوئی سوال نہیں کیا۔ ویرا کی یہ بات سو فیصد درست تھی کہ جلال کے آتے ہی ہمارے بیشتر سوال، اندیشے اور وسوسے خود ہی دم توڑ چکے تھے۔

"بنگو امرتسر کی زیر زمین دنیا کا ایک معروف نام ہے اور وہ پچھلے تین سالوں سے بھاری معاوضہ لے کر ہمارے لیے کام کررہا ہے" جلال نے قدرے توقف کے بعد بنگو کے تفصیلی تعارف سے اپنی بریفنگ کا آغاز کردیا۔ وہ نہایت نپے تلے اور تفصیلی انداز میں ہر پہلو کی وضاحت کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

صاحب علم

ایک صاحب فلم کی کہانی لکھ کر ڈائریکٹر کے پاس پہنچے۔ ڈائریکٹر نے کہانی کا عنوان دیکھتے ہی مسودہ واپس کرتے ہوئے کہا "نہیں.... جناب! یہ کہانی پبلک میں بالکل نہیں چل سکتی۔"

"مگر آپ نے تو اسے پڑھا ہی نہیں....! پڑھے بغیر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟" نئے مصنف نے حیرت سے کہا۔

"ارے جناب! اس کا تو عنوان ہی چلنے والا نہیں ہے...." ڈائریکٹر نے سرہلاتے ہوئے کہا "آپ نے اس کا عنوان رکھا ہے "دیدہ بینا...." اب مجھے اور آپ کو تو معلوم ہے کہ اس کا مطلب ہے؟ "بینا کی آنکھ...." لیکن بھلا جاہل پبلک کو کیا پتا...؟"

Downloaded from https://paksociety.com

وہ سلسلہ خاصی دیر تک چلتا رہا۔ جلال کا انداز خالص پیشہ ورانہ تھا۔ دریش مہم کا ہر چھوٹا بڑا پہلو اس کی نظروں میں تھا۔ صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بیٹھے بیٹھے ہی ہمیں بھارت پہنچانے کے لیے نہیں آگیا تھا۔ اس نے بہت عرق ریزی سے اس منصوبے پر کام کیا تھا۔ اس کے ہر لفظ اور فقرے سے اس کی وہ طویل محنت جھلک رہی تھی۔ درمیان میں کہیں کہیں ہم سوالات بھی کرتے رہے۔ بریفنگ کی تکمیل پر ہم تینوں ایک نیا حوصلہ پا چکے تھے۔ اس دوران میں ویرا اور غزالہ نے باتھ روم میں جا کر باری باری کرنسی کو جسم کے ساتھ چھپا لیا تھا۔

"یہ محدود رینج میں طاقت ور فری کوئنسی پر کام کرنے والا ٹرانسمیٹر ہے" اپنے موضوع سے نمٹ کر اس نے اپنے اپریٹس کے بارے میں بتایا "اس کا دائرہ کار صرف سو کلومیٹر ہے۔ اسی قسم کا دوسرا اپریٹس بنکو کے پاس ہے۔ اس سے میری بات ہو چکی ہے۔ جوں ہی اس کے مہرے اپنی جگہیں سنبھالیں گے، وہ مجھے اطلاع دے گا اور امرتسر سے چل پڑے گا۔ پاکستانی سرحد پر گشت کرنے والوں کو اس کے بارے میں معلوم ہے۔ کوئی پاکستانی فوجی اس کی راہ میں مزاحم نہیں ہوگا۔ ایک مخصوص علاقے میں گشت روک دیا جائے گا اور وہ پاکستان کی سرزمین پر ہم سے آملے گا اور اپنی گاڑی میں تمہیں بھارت لے جائے گا۔ اِدھر ہمارا بندوبست ہے۔ سرحد پار اس کا بندوبست ہوگا۔"

دس بجے کے قریب بے جان اپریٹس پر اچانک سگنل موصول ہونے لگا۔ "بنکو کالنگ بنگ ڈیڈی.... اوور!"

وہ آواز سنتے ہی سب سنبھل کر بیٹھ گئے۔ بنکو کی آواز پختہ اور خاصی بھاری تھی۔ میرے ذہن میں اس کا ایک خاکہ ترتیب پانے لگا۔

"بنگ ڈیڈی بول رہا ہوں۔ کیا خبریں ہیں۔ ہم بالکل تیار ہیں، اوور!" جلال نے اپریٹس کا بٹن دبا کر فوراً پیغام کا جواب دیا۔

"آل سیٹ.... پرواز شروع ہو رہی ہے۔ گیارہ بجے.... زیرو پوائنٹ.... اوور!"

مکمل فقروں کے بجائے اس نے مخصوص اور شکستہ الفاظ میں اپنا پیغام دیا جو جلال کی دی ہوئی بریفنگ کی روشنی میں میرے لیے قابل فہم تھا۔ جلال اپنی رسٹ واچ دیکھنے کے بعد کہہ رہا تھا "اوکے.... ون اے ایم.... ٹوپی ایم.... اوور!"

وہ الفاظ ہمارے سروں پر سے گزر گئے مگر بنکو بات سمجھ گیا۔ اس نے گفتگو ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔

جلال کے ساتھ سب اٹھ گئے۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر ہم تینوں کو گڈ لک کہا۔ ہم نے بھی جواب میں اس کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا پھر ہم تیزی سے باہر نکل آئے۔ لائسنس نائیک فضل داد نے ٹریکٹر کو پورچ میں واپسی کے لیے گھما کر پارک کیا ہوا تھا اور بے داغ شیشوں کو مزید چمکانے میں مصروف تھا۔

ہم چاروں کو پرانی ترتیب سے گاڑی میں سوار کرانے کے بعد فضل داد نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا اور زبان سے کچھ کہے بغیر واپسی کا سفر شروع کر دیا۔

میں نے اسٹریٹ لیمپس کی روشنی میں غزالہ کے ہونٹ ہلتے دیکھے۔ شاید وہ زیر لب دعائیں پڑھ رہی تھی۔ میں نے بھی دل ہی دل میں سفر کے آغاز کی دعا پڑھ لی۔ ویرا سے ایسے کسی نیک کام کی توقع عبث تھی۔ وہ پوری طرح دنیا دار تھی اور دعاؤں سے زیادہ تدبیر اور عمل پر یقین رکھتی تھی۔

"اے ایم اور پی ایم کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا" گاڑی دوبارہ مال روڈ پر پہنچ جانے کے بعد میں نے جلال سے کہا۔

"یہ آپس کے بے رحمانہ کوڈ ہیں۔ اس پورے علاقے میں دونوں اطراف کی طاقت ور فوجی مواصلات کا جال پھیلا ہوا ہے۔ ساری احتیاط کے باوجود کچھ پتا نہیں ہوتا کہ کب ہماری گفتگو سنی جا رہی ہوگی" جلال نے بے فکری سے بتایا "یہ پرواز سے بھیجے جانے والے کارگو کی تفصیل ہے۔ اے ایم سے مراد مرد ہیں اور پی ایم سے عورتوں کی تعداد بتائی گئی ہے۔ یہ تفصیل اسے پہلے سے بتا دی گئی تھی مگر اس وقت نفری کی دوبارہ تصدیق ضروری تھی۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا۔ اس کی زبان سے وہ الفاظ سننے کے بعد میں مسلسل الجھن میں مبتلا تھا کہ گیارہ بجے کا وقت مقرر ہو جانے کے بعد رات کے ایک اور دن کے دو بجے کا ذکر کیوں کیا گیا تھا۔ بھول کر بھی میرا ذہن اپنی نفری کی طرف نہیں گیا تھا۔

ٹریکٹر دو رویہ مال روڈ کے دوسرے ٹریک پر تیزی سے واپسی کا سفر طے کر رہی تھی۔ گاڑی میں گمبھیر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ویرا نے اپنے اعصاب کو پرسکون رکھنے کے لیے سگریٹ سلگا لی تھی اور اپنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ گرا کر تیزی سے پیچھے کی طرف دوڑتی ہوئی دکانوں اور روشنیوں کے نظارے میں محو تھی۔

ٹریکٹر برق رفتاری سے سفر کرتی ہوئی اس چوراہے تک آئی جہاں الفلاح بلڈنگ سے ذرا آگے اسلامی سربراہی کانفرنس کا یادگاری مینار استادہ ہے۔ وہاں سے گاڑی ایجرٹن روڈ پر مڑ گئی۔ مجھے پہلے سے اندازہ تھا کہ لاہور سے بھارت کی

Downloaded from https://paksociety.com

سرزمین پر پہنچنے کے لیے بی آر بی نہر کو عبور کرنا ناگزیر تھا۔ پاکستانی سرحد اور شہری آبادی کے درمیان وہ تاریخی نہر ایک مضبوط دفاعی لکیر تھی۔ وہ پاکستان کی زرعی ضروریات کے ساتھ دفاعی ضرورتوں کو بھی پورا کرتی تھی۔

بی آر بی نہر پنجاب اور خاص طور پر لاہور کے لیے ایک انعام ہے۔ اس سے ملنے والی ایک چھوٹی نہر لاہور شہر کے وسط سے گزرتی ہوئی دور تک چلی جاتی ہے' جس کے طفیل پورے شہر میں سبزہ ہی سبزہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔

لاہور میں زندگی اپنے شباب پر تھی اور ہم ان رعنائیوں کو تیزی سے پیچھے چھوڑتے جا رہے تھے۔ ریلوے کالونی سے گزرتے ہوئے ہم جی ٹی روڈ کے اس حصے پر آگئے جو شہری آبادی کے درمیان سے ہوتا ہوا شالیمار باغ کے قریب سے سرحد تک چلا جاتا ہے۔

روشنیاں کم ہوتی چلی گئیں۔ اگلی سڑک کے بعض حصوں پر روشنی ناکافی تھی لیکن گاڑی کی رفتار تیز ہی تھی کہ وہ راستے انس نائیک فضل داد کے لیے اجنبی نہیں تھے۔ یہ وہی راستہ تھا جس پر سفر کرکے لاہور جم خانہ میں اپنی کامیابی کا جشن منانے کی آرزو میں بھارت کے لاتعداد فوجی بی آر بی نہر پار کرنے سے پہلے موت کی بھیانک وادیوں میں جا سوئے تھے۔ وہ قصہ پرانا ہو کر تاریخ کا ایک حصہ بن چکا تھا لیکن گاتے گاہے دہرائی جانے والی عزم و حوصلے کی یادگار کہانیوں سے تازہ ہوتا رہتا تھا۔

کچھ دیر کے سفر کے بعد ہمیں باٹا پور کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ ہم نے نہر کے رواں پانی میں ان روشنیوں کے بنتے اور بگڑتے ہوئے عکس دیکھے اور پل عبور کرکے اس سرحدی قصبے میں داخل ہوگئے جو واہگہ کی سرحد سے تقریباً ملا ہوا ہے۔

باٹا پور سے فضل داد نے راستہ اچانک تبدیل کرلیا۔ وہ آگے جانے والی سڑک کو چھوڑ کر قصبے کی گلیوں میں گھس گیا تھا۔ وہ آبادی زیادہ وسیع نہیں تھی۔ ذرا سی دیر میں ہم آبادی کے عقب میں پھیلے ہوئے ویرانے میں نکل آئے جہاں کھلی فضا میں سبزے اور کھیتوں کی مہکار رچی ہوئی تھی۔ ہمارے آگے دور دور تک روشنی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

کچے اور ناہموار راستے پر خاصی دیر تک سفر کرنے کے بعد ہمیں کچھ فاصلے پر ٹمٹماتی ہوئی کچھ روشنیاں نظر آئیں اور گاڑی کی رفتار کم ہونے لگی۔

"اب ہم خطرناک سرحدی پٹی میں داخل ہونے والے ہیں" جلال نے اعلان کیا "یہاں کسی پیشگی اطلاع کے بغیر' کسی بھی وقت' مشین گنیں اپنے نغمے اگلنے لگتی ہیں۔ کچھ دیر تک دونوں طرف سے دھواں دھار فائرنگ ہوتی ہے پھر یکایک موت کی سی خاموشی طاری ہوجاتی ہے۔ فضا میں جلے ہوئے بارود کی تیز بو کے سوا فائرنگ کی کوئی علامت باقی نہیں رہتی۔ یہاں اپنا فرض انجام دینے والوں کے لیے یہی زندگی کی رونق اور دل لگی ہوتی ہے۔"

"تم ہمیں خوف زدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو یا ہمارا حوصلہ بڑھا رہے ہو؟" ویرانے پھیکی ہنسی کے ساتھ پوچھا۔

"حقائق بتا رہا ہوں۔ نتیجہ تم خود اخذ کرسکتی ہو" جلال نے مختصر سا جواب دیا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

فاصلہ کم ہونے کے ساتھ وہ روشنیاں واضح ہوتی چلی گئیں۔ فضل داد نے ان کے قریب گاڑی روک دی۔ ہیڈ لیمپس اس نے دور سے ہی گل کردیے تھے۔

تین مسلح اور باوردی فوجیوں کی رائفلیں گاڑی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ گاڑی ان کی اپنی سرزمین سے آئی تھی اس لیے وہ بے خوف و خطر کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے کوئی آڑ

انکشاف

مسز داؤد سیٹھ ابراہیم کے گھر پارٹی کے دوران میں اپنی شناسا بیگمات کو بتا رہی تھیں "بھئی' میں اپنے بیٹے کی عادتوں کی وجہ سے اتنی پریشان تھی۔ وہ ادھر ادھر سے چیزیں اٹھا اٹھا کر پینٹ کی جیبوں میں ٹھونس لیتا تھا.... کہیں سے ہزار ہزار روپے نوٹ اٹھا کر رکھ لیے.... کہیں سے سونے کی چوڑیاں اٹھا کر رکھ لیں.... کہیں سے قیمتی گھڑی اٹھا کر رکھ لی.... میں تو نفسیات کے لوکل ڈاکٹروں سے علاج کرا کرا کے تھک گئی تھی.... آخر مسز کمال نے مشورہ دیا کہ نیویارک لے جاؤ' وہاں ایک بڑے مشہور ماہر نفسیات ہیں' انہوں نے بڑے بڑے مشکل کیس حل کیے ہیں۔"

"تو پھر کچھ فائدہ ہوا؟" بیگم یزدانی نے پوچھا۔

"ہاں بھئی' کمال کا ڈاکٹر تھا وہ.... یہ امریکی واقعی بڑے زبردست لوگ ہیں.... اس نے تو چٹکی بجاتے میں الجھن دور کردی۔ اس نے پہلی ملاقات میں ہی بتا دیا "مسز داؤد! آپ کا بیٹا چور ہے" بس' اتنی سی بات تھی۔"

Downloaded from https://paksociety.com

لینے یا دفاعی پوزیشن اختیار کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ اس ناکافی روشنی سے نگاہوں کے مانوس ہونے پر میں نے دیکھا کہ وہ ایک باقاعدہ مورچہ تھا۔ جہاں دو زیر زمین بنکرز کی چھتوں میں سے توپوں کی نالیں جھانکتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ مورچے کے ساتھ ہی وہ شاید ملٹری چیک پوسٹ بھی تھی۔

بنکرز کے ساتھ بنے ہوئے اکلوتے کمرے کی چھت وغیرہ پر کیموفلاج کے لیے خشک شاخیں اور پتے پھیلے ہوئے تھے۔

اس دوران میں جلال گاڑی سے اتر چکا تھا۔ فضل داد نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔ ہمیں کوئی ہدایت نہیں دی گئی تھی۔ ہم تینوں اپنی جگہوں پر بیٹھے رہے۔ اسی وقت تینوں فوجیوں کے عقب سے کپتان کے عہدے کا ایک نوجوان افسر خالی ہاتھ نمودار ہوا اور جلال کی طرف بڑھتا چلا آیا۔

کپتان کے قریب پہنچنے پر لانس نائیک فضل داد نے زمین پر زور سے پیر مار کر دھول اڑائی اور سیلوٹ پیش کر دیا۔ کپتان سر کی خفیف سی جنبش سے اس فوجی سلام کا جواب دے کر جلال کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کچھ دیر پہلے ہم مال روڈ کی جگمگاتی ہوئی روشنیوں میں ڈوبے ہوئے تھے جہاں ہر شے سے زندگی چھلک رہی تھی۔ لوگ اپنی اپنی معمول کی تفریحات اور سرگرمیوں میں مصروف تھے اور ان سے کچھ دیر کی مسافت پر ان جیسے بہت سے انسان گھربار، دوستوں اور رشتے داروں، حد یہ ہے کہ جدید زندگی کی ساری آسائشوں کو بھول کر بھیانک جنگی ماحول اور ویرانے میں پوری طرح چوکس وہوشیار بیٹھے ہوئے تھے تاکہ ان کے شہر سدا یوں ہی جگمگاتے رہیں، ان کی رونقوں کو دشمن کی نظر نہ لگے اور روزگار حیات روانی سے چلتا رہے۔

جلال نے شاید پہلے سے سب کچھ طے کیا ہوا تھا۔ اسے کپتان کے پاس زیادہ دیر نہیں لگی۔ اس سے گفتگو کر کے وہ گاڑی کی طرف لوٹ آیا۔ کپتان نے پلٹ کر اپنے سپاہیوں سے کچھ کہا اور دوبارہ اپنے عارضی کمرے میں غائب ہو گیا۔

جلال اور فضل داد کے سوار ہونے کے بعد گاڑی دوبارہ حرکت میں آگئی۔

اس ویرانے کے بہت محدود حصے میں، صرف دمدموں کے آس پاس، نقل وحرکت یا زندگی کے آثار نظر آرہے تھے ورنہ ہر سو یکساں تاریکی اور ویرانی کا راج تھا۔ گاڑی زیر زمین دمدموں کے پاس سے آہستگی سے گزری۔ لانس نائیک فضل داد کی کوشش تھی کہ غبار کا طوفان اس کے ہم پیشہ سپاہیوں کو پریشان نہ کرے۔ کچھ آگے نکلنے کے بعد اس نے رفتار بڑھا دی۔ اس مکمل تاریکی میں گاڑی کی پارکنگ لائٹس بھی دور تک اپنا انعکاس پھیلا رہی تھیں۔

"سب کچھ طے ہو چکا تھا تو ہمیں اس مورچے پر رکنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟" ویرا نے سکوت توڑنے کے لیے سوال برائے سوال کر دیا "فوجیوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ پیچھے سے آنے والے مسافر دوست ہوں گے۔"

"بندوبست ہو چکا تھا۔ وہ ہمارے گزرنے کے منتظر تھے مگر پھر بھی شناخت ضروری تھی۔ سرحدی لکیریں اسمگلروں اور چوروں کی آماجگاہ ہوتی ہیں" جلال نے برا منائے بغیر جواب دیا "چوہدری عظمت بھی فوجیوں کی اپنی سرزمین کا باسی ہے۔ ان کے لیے یہ یقین کرنا ضروری ہے کہ متوقع دوست کی آڑ میں کوئی چھپا ہوا دشمن آگے نہ نکل جائے۔ کڑی اور سنگ دلانہ جانچ پڑتال فوجی ڈسپلن کا ایک حصہ ہوتی ہے۔"

گاڑی اچھلتی اور دھچکے کھاتی ہوئی رواں رہی۔ ذرا سی دیر میں پھر ایک مورچے کے آثار نظر آئے جو ایک بلند ٹیلے پر واقع تھا۔ فضل داد نے گاڑی کا رخ قدرے موڑ لیا۔ وہ مورچے کی طرف جانے والی چڑھائی عبور کرنے کے بجائے نشیب سے گزرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"اوپر سے کوئی گولی نہ چل جائے۔" ویرا نے سانحہ اپنے اندیشے کا اظہار کر بیٹھی۔

"یہ تمام سرحدی مورچے اور چوکیاں منضبط و مواصلاتی نظام کے ذریعے ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ پہلی چوکی نے اپنے وائرلیس یا ریڈیو سسٹم پر سب کو ہماری آمد کی اطلاع دے دی ہوگی۔ اب ہمیں زیرو پوائنٹ سے پہلے کہیں نہیں رکنا پڑے گا۔"

"تمہاری یہ عادت اچھی ہے" کچھ دیر کے سکوت کے بعد جلال نے ویرا کی طرف گھوم کر کہا "حرکت اور بول چال زندگی کی واضح علامتیں ہوتی ہیں۔ تم ہر وقت کچھ نہ کچھ بولتی رہتی ہو، مجھے بھی بڑھتی ہوئی خاموشی سے وحشت ہونے لگتی ہے۔"

"یہ باتیں ڈینی کو سمجھاؤ۔ اسے فضول گوئی سے الجھن ہونے لگتی ہے" ویرا نے جواب دینے میں ذرا بھی دیر نہیں لگائی۔

جلال ہنسنے لگا "قرینے کی بول چال اور فضول گوئی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ بے کار باتوں سے ہر معقول آدمی پریشان ہو جاتا ہے۔"

"جو لوگ زیادہ بولنے کے عادی ہوتے ہیں وہ کثرت سے فالتو باتیں کرتے ہیں۔ ان سے خاموشی بہتر ہوتی ہے" غزالہ

Downloaded from https://paksociety.com

نے کہا۔

"اس وقت بھی تم خاموش رہتیں تو زیادہ بہتر ہوتا" ویرا کو اس پر چوٹ کرنے کا موقع مل گیا۔

گاڑی میں چاروں کے ملے جلے قہقہے گونجے اور پھر سب خاموش ہوگئے۔ تمام تر کوششوں کے باوجود ہم میں سے کوئی بھی باہر کے سنگین اور آسیبی ماحول کے سحر سے چھٹکارا پانے میں کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔

راستے کا انتخاب فضل داد کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ گاڑی کی بدلتی ہوئی سمتوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ سیدھا راستہ چھوڑ کر کسی پر پیچ راہ پر آگے بڑھ رہا تھا۔ شاید وہ اپنی کم سے کم فوجی پوزیشنوں سے گزرنے کی کوشش میں تھا۔ تیسرے مورچے کے بعد ہمیں کہیں زندگی کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ مقررہ وقت سے دس منٹ پہلے فضل داد نے اچانک بریکیں روکی اور انجن بند کر دیا۔

"ہم پہلے پڑاؤ پر پہنچ گئے ہیں" جلال نے کہا "یہاں ہمارا اور تمہارا ساتھ چھوٹ جائے گا۔"

میں باہر پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کچھ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے چونک کر پوچھا "ہم بھارتی سرحد سے کتنی دور ہیں؟"

"سو' سوا سو میٹر سے زیادہ فاصلہ نہیں ہوگا۔ ہم اس وقت ایک قدرتی نشیب میں ہیں جو برسات کے موسم میں گہرے تالاب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ایک طرف خود رو جنگل ہے جس میں چھوٹے موٹے جنگلی جانور پائے جاتے ہیں" جلال نے بتایا اور دروازہ کھول کر گاڑی سے اتر گیا۔

"بنگو ابھی تک یہاں نہیں پہنچا" ویرا نے بریرو سے نیچے اترتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"بس آتا ہی ہوگا" جلال بولا "میرا اپریٹس مسلسل آن ہے۔ کوئی مسئلہ ہوتا تو وہ اب تک رابطہ کر چکا ہوتا۔"

فضل داد نے گاڑی کی تمام روشنیاں گل کر دی تھیں اور ٹہلتا ہوا کچھ دور نکل گیا تھا۔ ہم چاروں گاڑی کے قریب کھڑے رہے۔

ایک دوسرے کے مقابل صف آرا فوجیں بلندی پر قبضہ کرنے کے لیے لڑتی ہیں کیونکہ بلندی سے ان کے فائر پاور میں خود بہ خود اضافہ ہو جاتا ہے' انہیں دور دور تک جائزہ لینے کی صلاحیت حاصل ہو جاتی ہے مگر ہم اس وقت ایک نشیب میں چھپے ہوئے تھے جہاں ہمارے دیکھے جانے کا امکان نہیں تھا۔ ہم بالکل نہتے تھے اور کسی کے خلاف صف آرا نہیں تھے اس لیے وہی جگہ ہمارے لیے عافیت کا بہترین گوشہ تھی۔

تھوڑی دیر بعد فضا میں کسی گاڑی کے انجن کی مدھم آواز سنائی دی جو بتدریج بڑھتی جا رہی تھی۔ اس بار ویرا بھی خاموش رہی۔ اس نئی مشینی آواز پر کوئی بحث نہیں کیا لیکن اس کے کان اسی آواز پر مرکوز تھے۔ چند ثانیوں میں' میں نے اندازہ لگا لیا کہ آنے والا ہماری طرح ڈیزل کی کسی جاندار گاڑی میں نہیں آ رہا تھا۔ اس کے انجن کی آواز بہت دھیمی اور ہموار تھی۔

ہم اپنی سرزمین پر تھے۔ جلال کے روپ میں قانون ہمارے ساتھ تھا اس لیے ہم ڈنکے کی چوٹ پر دندناتے ہوئے زیرو پوائنٹ تک پہنچے تھے لیکن بنگو جرائم پیشہ شخص تھا۔ اس کی ضروریات ہم سے بہت مختلف تھیں۔ وہ پیسے کے لالچ میں کسی چور کی طرح پرائی سرزمین پر آ رہا تھا۔

اس آواز کے تعاقب میں چاروں کی نظریں نشیب کے ایک سرے کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ چند ثانیوں بعد ایک گاڑی کا چلتا ہوا متحرک ہیولا نشیب کے سرے پر نمودار ہوا اور پھر نیچے اترتا چلا آیا۔ دور سے کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ پیٹرول انجن والی وہ گاڑی کس ساخت کی تھی۔

آنے والی گاڑی کی تمام روشنیاں گل تھیں۔ حد یہ ہے کہ پارکنگ لائٹس تک روشن نہیں کی گئی تھیں۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ آنے والا محض اپنی انکل سے ڈرائیونگ کر رہا تھا ورنہ اسے راستہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں ڈر گیا کہ کہیں وہ ہمیں نہ روند ڈالے لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ تاروں بھرے آسمان کی چھاؤں میں دور سے ڈرائیونگ کرتے کرتے شاید اس کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو چکی تھیں۔ اس نے ہمیں یا ہماری گاڑی کو دیکھ کر یک لخت اپنی رفتار کم کر لی۔

قریب آ کر اس نے انجن بند کیے بغیر گاڑی روکی اور ہانپتا ہوا نیچے اتر آیا۔ وہ پتلون اور ٹی شرٹ میں ملبوس ایک جسیم اور قد آور شخص تھا۔ اس کے چڑھے ہوئے سانسوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر آنے کے بجائے اس کے پیچھے دوڑتا ہوا وہاں تک آیا ہو۔ آتے ہی وہ سلام دعا کے بغیر جلال سے براہِ راست مخاطب ہو گیا "راستہ بہت خراب ہے۔ ہر مرتبہ مجھے نانی یاد آ جاتی ہے..... پھر بھی میں وقت پر پہنچا ہوں۔ لاؤ' مال کہاں ہے؟"

جلال نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا اور کہا "پیسا آسانی سے نہیں ملتا۔ کچھ نہ کچھ محنت کرنی پڑتی ہے۔ واپسی پر ذرا احتیاط سے ڈرائیونگ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ تم گاڑی بھگا کر دونوں عورتوں کا کچومر نکال دو۔"

میں بنگو کی گاڑی کو دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔ وہ پیچھے

Downloaded from https://paksociety.com

سے بالکل بند' آہنی باڈی والی ایک پک اپ تھی جس کی اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ بمشکل دو افراد سما سکتے تھے۔ ہم میں سے کسی ایک کو ہر حال میں پچھلے ڈبے میں بند ہونا تھا۔ جلال نے خصوصی ہدایت دے کر میری تشویش کم کردی تھی۔

"خدا حافظ!" جلال یہ کہہ کر مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔ اس نے ویرا سے ہاتھ ملایا پھر ہم چاروں بنگو کی پک اپ کی طرف بڑھ گئے۔ اس نے لپک کر آہنی باڈی کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ ویرا اور غزالہ نے پک اپ کی اگلی نشست کا رخ کیا تھا لیکن بنگو نے رکھائی سے انہیں ٹوک دیا "آگے کوئی نہیں بیٹھے گا۔ تینوں ادھر آجاؤ۔"

میں نے مڑ کر ناگواری سے جلال کی طرف دیکھا۔ وہ میرے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکا لیکن مدعا بھانپ گیا اور جلدی سے بولا "بنگو ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اگلی سیٹ پر بیٹھنے والے ہر ایک کی نظروں میں آئیں گے۔ یہ اکیلا ہوگا تو ہر ایک سے آسانی سے نمٹتا چلا جائے گا۔ تینوں پیچھے بیٹھ جاؤ۔"

ہمارے پاس بحث کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ تینوں اس پک اپ کے پچھلے حصے میں سوار ہوگئے۔ پچھلے حصے کی دونوں آہنی دیواروں کے ساتھ لمبی اور بے آرام نشستیں لگی ہوئی تھیں۔ کیبن میں عجیب ناگوار سی بدبو پرچی ہوئی تھی۔ ہمارے بیٹھنے کے بعد بنگو نے دھڑ سے دروازہ بند کرکے باہر سے بولٹ لگادیا۔ ہمارے گرد یکایک گہری تاریکی پھیل گئی۔ چاروں طرف سے بند اس آہنی صندوق میں ہم قید ہوگئے تھے۔

"میرے لیے ذرا زیادہ کام نکالا کرو" پک اپ کے چلتے ہوئے انجن کے ہلکے شور میں باہر سے بنگو کی بے ہنگم آواز آئی "آج کل مجھے مال پانی کی ضرورت رہتی ہے۔"

جلال کا جواب میرے کانوں تک نہیں پہنچ سکا۔ قدرے توقف کے بعد پک اپ نے یوٹرن لیا اور واپس روانہ ہوگئی۔ بنگو کو پانچ منٹ کے لیے بھی جلال کے پاس نہیں رکنا پڑا تھا۔

پک اپ کے چلتے ہی اندازہ ہوگیا کہ ڈرائیونگ کے بارے میں جلال کی ہدایت بے سبب نہیں تھی۔ پیجرو میں سفر کے دوران میں نے دیکھ لیا تھا کہ باٹا پور کے مضافات سے زیرو پوائنٹ تک کوئی باقاعدہ راستہ سرے سے موجود نہیں تھا۔ وہ سب کچی اور ناہموار زمین تھی۔ وہاں سے آگے بھی اسی قسم کی زمین کا تسلسل تھا۔ ایسے علاقے میں بنگو کے لیے تیز رفتاری کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس کے باوجود ہم تینوں کا سیٹوں پر بیٹھے رہنا محال ہو رہا تھا۔

"کسی ڈھنگ کی سڑک پر پہنچنے سے پہلے ہی ہمارا جوڑ جوڑ ہل جائے گا۔" ویرا اچھلائی ہوئی آواز میں بولی۔

"کوئی پائپ یا سلاخ پکڑلو ورنہ چھت سے ٹکرا کر سر بھی پھٹ سکتا ہے" غزالہ نے شوخ آواز میں مشورہ دیا۔ وہ ذرا بھی پریشان نہیں تھی۔ سفر کا آخری مرحلہ شروع ہوتے ہی اس کی آواز حیرت ناک طور پر خوشگوار ہوگئی تھی۔ اس مرحلے کا صبر آزما انتظار ختم ہونے پر اس کے اعصاب شاید معمول پر آچکے تھے لیکن میرے تفکرات میں اضافہ ہوگیا تھا۔

پک اپ اچھلتی اور ہچکولے کھاتی ہوئی چلی جارہی تھی کہ کہیں فاصلے پر اچانک ایک فائر کی گونج سنائی دی اور پھر فضا میں متعدد ہتھیاروں سے ہونے والی فائرنگ کی آواز پھیلنے لگی۔ شاید لمبی سرحدی پٹی کے کسی مقام پر گشتی دستوں کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ شروع ہوگیا تھا۔

"شکر ہے کہ یہ دور کی آوازیں ہیں۔ یہاں ایسی کوئی گڑبڑ شروع ہوگئی تو بنگو گاڑی چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔ ہم اس آہنی تابوت میں بے موت مارے جائیں گے" ویرا ان آوازوں سے پریشان ہوکر منمنائی "ایسی کمپنی کی موت سے خدا وطن کو بھی محفوظ رکھے۔"

"فکر نہ کرو۔ پوری سرحد ایک ہی حریف سے ملی ہوئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس فائرنگ کے جواب میں یہاں کا ویرانہ بھی ان بارودی دھماکوں سے گونگنا اٹھے۔ لوہے کے صندوق میں ہم گولیوں سے محفوظ رہیں گے۔ پک اپ کو آگ لگ گئی تو اندر بھننے کا اندیشہ ہوسکتا ہے" اندھیرے میں غزالہ کی بے پروایانہ آواز ابھری۔

"احمقانہ باتیں مت کرو" میں نے جھنجلا کر اسے ڈانٹ دیا "زیرو پوائنٹ سرحدی لکیر سے سو' سوا سو میٹر دور تھا۔ اب تک ہم بھارتی علاقے میں کافی اندر آچکے ہوں گے۔ یہاں ایسا کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا۔ کیوں بلاوجہ ویرا کا خون خشک کررہی ہو۔"

"میں بار بار تم کو بتا چکی ہوں کہ میں موت سے نہیں ڈرتی' بے بسی کی بے مصرف موت سے ڈرتی ہوں!" ویرا نے احتجاج کیا۔ ہم دونوں میں سے کسی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ گاڑی کے اس حصے میں ایک مرتبہ پھر خاموشی پھیل گئی۔ ہمارے کانوں میں انجن کا دھیما شور آرہا تھا یا پک اپ کے مختلف حصوں سے ابھرنے والی بھانت بھانت کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ دھول اور مٹی میں اٹی ہوئی وہ پک اپ مضبوط ہونے کے باوجود خاصی پرانی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

اچانک یوں محسوس ہوا جیسے پک اپ کو بریک لگائے گئے ہوں۔ پھر واقعی گاڑی رک گئی۔ اس کا انجن بند ہوگیا۔ ہمارے پورے پروگرام میں درمیان میں رکنے کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ امرتسر بھی سرحد سے اتنا نزدیک نہیں تھا کہ ہم چند منٹ میں وہاں پہنچ جاتے۔ میرے دل کی رفتار اچانک تیز ہوگئی۔

"خوب!" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد باہر سے ایک اجنبی اور حریصانہ آواز سنائی دی "آج تو نے پھر پھیرا لگایا ہے۔ لا' دو ہزار روپے ڈھیلے کردے۔"

"آج پھر تم نے میرا راستہ روکا ہے۔ میں میجر اچاریہ سے تمہاری شکایت کردوں گا" وہ بنگو کی تیز احتجاجی آواز تھی۔

"میں کبھی تجھے تنگ نہیں کرتا۔ آج دوسری بار تجھے روکا ہے۔ تو میجر صاحب کی خوب سیوا کرتا ہے۔ کچھ ہمارا خیال بھی رکھا کر۔ ہم لوگ الّو کے پٹھے نہیں ہیں کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر یہاں جنگل میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ جلدی سے پیسے دے دے۔ پوری کمپنی دارو پی کر تجھے دعائیں دے گی۔"

"میں دھیلا بھی نہیں دوں گا۔ تم اپنا حصہ میجر سے مانگو۔ میں اس کو منہ مانگی رقم دیتا ہوں۔"

"پچھلی بار بھی تو نے یہ کہہ کر ہمیں ٹال دیا تھا۔ میجر کو یہاں ولایتی شراب اور دیسی عورتیں' سب مل جاتی ہیں۔ ہم دارو کو ترستے ہیں۔ آج میں تجھے ایسے نہیں جانے دوں گا" اجنبی کی آواز میں چھپی ہوئی خباثت نے مجھے بے چین کردیا۔ وہ کہہ رہا تھا "پیسے دے ورنہ میں تیری گاڑی کی تلاشی لوں گا۔ تیرے جاتے وقت ہی میں نے سوچ لیا تھا کہ واپسی پر تجھے روکوں گا۔"

میرے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ بھارتی فوج کے کسی گشتی دستے کا سربراہ تھا جس کے دماغ پر شیطان سوار ہو رہا تھا۔ اس نے جس انداز میں ولایتی شراب اور دیسی عورتوں کا ذکر کیا تھا' اس سے اس کی ذہنیت صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ کوئی بدطینت اور اوباش بھارتی فوجی تھا۔ اس کی زبان سے پک اپ کی تلاش کا ذکر سن کر میں لرز گیا۔ اندھیرے میں مجھے ویرا اور غزالہ کی چمکتی ہوئی آنکھوں کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا تھا مگر مجھے ان کی دہشت کا احساس تھا۔ باہر ہونے والی باتیں ان دونوں کے لیے روح فرسا تھیں۔

اگر وہ بات بڑھ جاتی تو ہماری مہم اپنے آغاز سے پہلے ہی المناک انجام سے دوچار ہوجاتی۔ شاید بھارت کے عام فوجیوں کا اخلاق اتنا گرا ہوا نہ رہا ہو مگر بنگو سے اڑنے والا بہت گندی سوچ کا مالک تھا۔ ویرا اور غزالہ کی پک اپ میں موجودگی کا انکشاف ہوتے ہی اس کی شیطانی سوچ کو ایک نئی راہ مل جاتی۔ شاید وہ بنگو اور دو ہزار کو بالکل ہی بھول جاتا اور دونوں عورتوں کے ساتھ بدسلوکی پر تل جاتا۔

ہم بھارت کے سرحدی فوجی علاقے میں تھے جہاں ان لوگوں کا راج تھا۔ ہم تین نہتے افراد ان سے ٹکر نہیں لے سکتے تھے۔ ہمارے سامنے صرف ایک راہ رہ جاتی کہ ہم مزاحمت اور مدافعت کرتے ہوئے دلیرانہ موت کو اپنے گلے سے لگا لیتے۔ میرے ذہن میں بے اختیار ان بہیمانہ مظالم کی خبریں اور تصویریں گھوم گئیں جو بھارتی پارڈر سیکیورٹی فورس کے افسر اور جوان کشمیری عورتوں پر ڈھاتے تھے۔ حالات کی سنگینی کے ادراک سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

"صوبے دار' تم زیادتی کررہے ہو۔ تم گاڑی کی تلاشی نہیں لے سکتے' مجھے میجر اچاریہ کے پاس لے چلو۔"

جواب میں صوبیدار کا کریہہ اور بلند آہنگ قہقہہ سنائی دیا "میجر صاحب شام کو نشہ کرتے ہیں تو ان کے بیٹ مین کے سوا کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہوتی" وہ شیطانی لہجے میں بتا رہا تھا "تجھ کو معلوم ہونا چاہیے کہ سرحد پر گشت کرنے والے ہر فوجی کو بہت اختیار ہوتا ہے۔ میں اپنی ٹیم کا افسر ہوں۔ کسی سے پوچھے بغیر سب کچھ کرسکتا ہوں۔ پیسے نکال ورنہ میرے جوان ابھی تیری پک اپ کا تیا پانچا کردیں گے۔ صبح میجر صاحب کا نشہ اترے گا تو وہ تجھے بھول چکے ہوں گے۔ تیری وجہ سے وہ اپنے صوبیدار اور جوانوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ سرحد پر دو چار آدمیوں کے مرنے پر کہیں کوئی شور نہیں ہوتا۔ ہم تجھے مار بھی سکتے ہیں۔"

ہم تینوں آہنی کیبن کے اندھیرے میں اپنے سانس روکے' دم بہ خود بیٹھے تھے۔ ہمیں یہ علم نہیں تھا کہ بنگو نے آدمیوں کی اسمگلنگ کے لیے میجر اچاریہ کو کیا کہانی سنائی ہوئی تھی۔ صوبیدار کو شبہ بھی ہوجاتا کہ پک اپ میں دو پاکستانی عورتیں موجود تھیں تو حالات ایک دم بگڑ سکتے تھے۔

باہر خوفناک سکوت چھا گیا جو ہم تینوں کے لیے فیصلہ کن تھا۔ پتا نہیں بنگو کیا سوچ رہا تھا۔ میری دلی خواہش تھی کہ وہ لالچ نہ کرے اور دو ہزار روپے پھینک دے۔ اس کا وہ نقصان ہم پورا کردیتے۔ اس طرح ہماری عزت اور جانیں بچ سکتی تھیں مگر مشکل یہ تھی کہ ہم آواز تک نہیں نکال سکتے تھے۔ بنگو کو جو کچھ کرنا تھا' خود ہی سوچ سمجھ کر کرنا تھا۔ ہم اس سے کسی قسم کا رابطہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ مجھے جلال کی ہدایت یاد تھی۔ اس نے ہمیں بنگو کے حکم کے

Downloaded from https://paksociety.com

بغیر بولنے یا آواز نکالنے سے منع کیا ہوا تھا۔ اس ہدایت کی اہمیت ہمارے سامنے تھی۔

"جلدی بول!" انتظار سے اکتا کر صوبے دار دہاڑا "ہم تیرے باپ کے نوکر نہیں ہیں۔"

صوبیدار کو یہ معلوم تھا کہ اپنی کارروائی سے اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بات میجر چاریہ تک جاتی تو کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ اسے گاڑی میں خواتین کی موجودگی کا اندازہ نہیں تھا۔ اس کے لیے بہتر صورت یہ تھی کہ بنگو سے کوئی سودا طے ہو جائے۔

ہر فریق عجیب بے یقینی میں مبتلا تھا۔ شاید بنگو کو یہ صدمہ تھا کہ اس کے دو ہزار مفت میں مارے جا رہے تھے۔ اسے یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ اپنا نقصان ہماری جیب سے پورا کر سکے گا۔

"رقم زیادہ ہے" بنگو کی شکست خوردہ آواز سن کر میری جان میں جان آگئی۔ اس نے صوبے دار کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

"بس ڈیڑھ ہزار دے اور یہاں سے دفع ہو جا" صوبیدار غرایا "اگر یہ بات میجر صاحب کے کانوں تک پہنچی تو آئندہ تو میرے گشت میں یہاں سے نہیں گزر سکے گا۔"

"لو! یہ ایک ہزار رکھ لو!" بنگو کی آواز آئی "ان میں اتنی دارو آجائے گی کہ تمہارے یہ پانچ آدمی دو دنوں تک پی سکیں گے۔"

"چل، بھاگ یہاں سے!" ایک دھماکے کے ساتھ صوبیدار کی آواز آئی۔ شاید اس نے اپنی گن کے دستے سے پک اپ کے کسی حصے پر ضرب لگائی تھی۔

انجن بیدار ہوا اور پک اپ پھر چل پڑی۔ بے اختیار ہم تینوں کے دہانوں سے لمبے سانس آزاد ہو گئے۔

"اس سفر کا آغاز اچھا نہیں ہوا" غزالہ سراسیمہ آواز میں بولی۔ اس واقعے نے اس کی ساری خوش دلی رخصت کر دی تھی۔

"یہ شاید میری زندگی کا بدترین تجربہ تھا" ویرا نے اس کی تائید کی "اس وقت بنگو نے ہمیں بال بال بچایا ہے۔ وہ لالچ کرتا تو ہم مارے جاتے۔ آج تک میں نے صرف سنا تھا مگر آج دیکھ بھی لیا کہ بھارتی فوجیوں کا کردار کتنا گھٹیا ہوتا ہے۔ یہ تو بالکل وحشی اور درندے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ سب بھارتی فوجی اس صوبیدار جیسے نہ ہوتے ہوں" غزالہ نے کمزور لہجے میں کہا۔

"یہ صرف صوبیدار کی بات نہیں ہے۔ تم نے اپنے کانوں سے سنا ہوگا کہ وہ میجر چاریہ کے بارے میں کیا کہہ رہا تھا۔ جب افسروں کا اخلاق اور کردار اتنا بگڑ جائے تو نیچے والوں کو دنیا کی کوئی طاقت تباہی سے نہیں بچا سکتی" ویرا نے زور دے کر کہا۔

"یہ گولی ہمارے کانوں کو چھوتی ہوئی گزری ہے۔ دعا کریں کہ ہم خیریت سے امرتسر پہنچ جائیں" غزالہ بڑبڑا کر رہ گئی۔

وہ اس سفر کا اکلوتا اور ہولناک ترین واقعہ تھا۔ کچھ دیر تک ہماری ہڈیاں پسلیاں ایک کرنے کے بعد پک اپ کسی پختہ سڑک پر چڑھ گئی۔

تاریک راستوں کو عبور کرنے کے بعد جب پک اپ روشن علاقوں میں داخل ہوئی تو آہنی باڑ کی جھریوں میں سے چھن کر آنے والی روشن لکیروں سے ہمیں اندازہ ہوا کہ سفر جلد ہی ختم ہونے والا تھا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق پک اپ کو امرتسر کے مضافات میں کہیں رک جانا تھا۔ وہاں سے ہوٹل تک پہنچنے کے بارے میں جلال نے ہمیں بریفنگ دی ہوئی تھی۔

پختہ سڑک پر پک اپ کی رفتار خاصی تیز رہی پھر وہ دھیمی ہو گئی۔ کم رفتار کے ساتھ چند موڑ گھومنے کے بعد پک اپ رک گئی۔

بنگو نے انجن بند کرنے کے بعد پچھلے دروازے کا بولٹ کھولا تو ہم تینوں میں سے کوئی اس قابل نہیں تھا کہ سہارے کے بغیر پک اپ سے نیچے اتر سکے۔

میں نے جوں ہی بھارت کی سرزمین پر اپنا پہلا قدم رکھا تو میرے نتھنوں میں خاص قسم کی ایک تیز بو گھستی چلی گئی جو بھینسوں کے باڑوں میں عام طور پر رچی ہوئی ہوتی ہے۔ میرے پوچھنے پر بنگو نے بتایا کہ اس کا وہ ٹھکانا واقعی بھینسوں کے باڑے کے قریب واقع تھا۔

وہ ایک وسیع احاطہ تھا جس کے ایک کونے میں دو چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے۔ احاطے کی آڑی ترچھی دیواروں سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کوئی باقاعدہ پلاٹ نہیں تھا۔ شاید بنگو نے اپنی بدمعاشی کے زور پر زبردستی وہاں قبضہ کیا ہوا تھا۔ پلاٹ پر پک اپ کے برابر میں ایک پرانی کار پہلے سے کھڑی ہوئی تھی۔

اس احاطے میں ہم چاروں کے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔ بنگو ہمیں ایک کمرے میں لے گیا اور بولا "تم دونوں کچھ دیر کے لیے یہاں رکو، میں این کو ہوٹل پہنچا کر آتا ہوں۔"

Downloaded from https://paksociety.com

بنگلو کی وہ وضاحت غیر ضروری تھی۔ جلال نے ہمیں پہلے سے بتادیا تھا کہ اس نے امرتسر میں ہم دونوں کو اولین لمحات سے ہی ویرا سے الگ تھلگ رکھنے کا بندوبست کرلیا تھا تاکہ کوئی بھی ہمیں یکجا نہ دیکھ سکے۔ شاید اسی لیے بنگلو نے ہمیں اس اجاڑ پلاٹ پر پہنچایا تھا۔

اس کمرے میں ایک بستر اور دو بوسیدہ کرسیوں کے سوا اور کوئی چیز نہیں تھی۔ بیت الخلا اور غسل خانہ کمروں سے کچھ فاصلے پر بنا ہوا تھا۔ ہمیں وہاں چھوڑ کر بنگو، ویرا کو اپنے ساتھ لے کر چلا گیا۔ میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ اس نے صوبیدار والے واقعے کا سرے سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

راستے کی صعوبت کے بعد وہ کمرا ہمارے لیے بہت آرام دہ ثابت ہوا۔ میں نے باہر نکل کر دیکھا کہ اس بار بنگو پک اپ کے بجائے دوسری گاڑی لے گیا تھا۔ میں داخلی راستے کی طرف گیا تاکہ پھاٹک بند کردوں مگر وہاں پھاٹک کے نام پر کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ دو ستونوں کے درمیان کھلے راستے سے کوئی بھی گاڑی اندر آجاسکتی تھی۔ بنگلو بدمعاش تھا۔ شاید اسے یقین تھا کہ کوئی چور یا اچکا اس کے ٹھکانے میں گھسنے کی ہمت نہیں کرسکے گا۔

بنگلو واپسی پر گرانڈ ہوٹل کا کارڈ اپنے ساتھ لے آیا۔ اس نے امرتسر کے ریلوے اسٹیشن کے سامنے، کوئنز روڈ پر واقع اسی ہوٹل میں ویرا کو کمرا دلایا تھا۔ اس بار اس نے صوبے دار والا قصہ چھیڑ دیا۔ اس تمہید کے ذریعے وہ اپنا نقصان پورا کرنا چاہتا تھا۔ میں اس بارے میں پہلے ہی فیصلہ کرچکا تھا۔ میں نے خاموشی سے ہزار روپے اس کے حوالے کردیے۔ میں نے یہ پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی کہ جلال نے اسے ہم تینوں کی اسمگلنگ کے لیے کتنی رقم ادا کی تھی۔

"میں اسے ایک پیسا بھی نہ دیتا" راستے میں اس نے بتایا "بس عورتوں کے خیال سے میں مجبور ہوگیا۔ عورت کے معاملے میں ہمارے فوجی بہت بدنام ہیں۔"

"تم نے اچھا کیا ورنہ بات بڑھ جاتی" میں نے اصل خطرات کا اظہار کیے بغیر سرسری لہجے میں کہا "صوبیدار بدنیت آدمی تھا۔"

"مجھے سارا ڈراین کا تھا۔ گوری عورتوں کو آزاد خیال سمجھ کر یہ لوگ ان سے زیادہ بدتمیزی کرتے ہیں" بنگلو ایک بدمعاش تھا لیکن اسے عورتوں کی عزت کا پاس تھا۔ میرے دل میں اس کے لیے تھوڑی سی اپنائیت اور ہمدردی عود کر آئی۔ وہ بھارتی فوج کے اس اوباش صوبیدار سے کہیں بہتر تھا جو ہماری راہ کا پتھر بن گیا تھا۔

رات خاصی ڈھل چکی تھی۔ امرتسر کی تنگ مگر روشن سڑکیں ویران اور خالی خالی نظر آرہی تھیں لیکن پھر بھی کہیں کہیں لوگ نظر آرہے تھے۔ ان میں روایتی سکھ سردار اور سردارنیاں تھیں اور کلین شیو مرد بھی چلتے پھرتے نظر آرہے تھے۔ بیشتر مردانہ سروں پر پگڑیاں بندھی ہوئی تھیں۔

بنگلو نے کوئنز روڈ سے گزرتے ہوئے ہمیں گرانڈ ہوٹل دکھایا جس میں ویرا مقیم تھی۔ وہ کوئی بڑا یا مہنگا ہوٹل نہیں تھا لیکن اکیلی عورت کے لیے محفوظ ضرور تھا۔ بنگلو نے اسی سڑک کے سرے پر واقع ہوٹل آسٹوریا کے سامنے گاڑی روک دی۔ اندر پہنچنے کے بعد مجھے اس کے انتخاب کی داد دینی پڑی۔ وہ بھی صاف ستھرا اور نفیس ہوٹل تھا۔ ہمارے ویزا کے ساتھ پولیس رپورٹ سے استثنیٰ کی خصوصی مہر لگی ہوئی تھی۔ ہوٹل کے کلرک نے اپنے رجسٹر کے اندراجات مکمل کرکے ہمارے پاسپورٹ لوٹادیے۔ بنگلو نے ہوٹل کی رسید کے پیچھے اپنا فون نمبر درج کیا اور نیچے سے ہی رخصت ہوگیا۔ ہم دونوں بیرے کے ساتھ زینوں کی طرف ہولیے۔

امرتسر میں ہمیں صرف پہلا پڑاؤ کرنا تھا۔ وہاں ہمیں کوئی کام نہیں کرنا تھا۔ بھارت میں امرتسر کو ہمیشہ حساس شہر تصور کیا جاتا تھا کیونکہ وہ سکھوں کی تمام سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ سکھوں کی مقدس عبادت گاہوں میں گولڈن ٹیمپل کو سب سے اونچا مقام حاصل ہے۔ وہ بھی اسی شہر میں واقع ہے۔ سکھ تحریک کے لیڈروں تک رسائی اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے امرتسر ایک موزوں شہر تھا مگر وہ ہمارا مدعا نہیں تھا۔

جب تک ہم سفر میں رہے، تکان کا احساس ستاتا رہا لیکن ہوٹل کا آرام دہ کمرا اور نرم بستر میسر آنے کے بعد میری آنکھوں سے نیند کافور ہوگئی البتہ بھوک کا احساس بیدار ہوگیا۔ اس وقت ہوٹل آسٹوریا میں کچھ دستیاب نہیں تھا مگر ٹپ حاصل کرنے کی امید میں ہوٹل کا ویٹر قریبی بازار سے کچھ لانے پر آمادہ ہوگیا۔ خورونوش کا بندوبست ہونے کے آثار دیکھے تو غزالہ بھی سونے کا پروگرام کچھ دیر کے لیے ملتوی کرنے پر آمادہ ہوگئی۔

ویٹر کو رقم اور ہدایات کے ساتھ رخصت کرنے کے بعد میں نے اس بھارتی کرنسی کا جائزہ لیا جو ہم نے تبادلے میں بنگلو سے حاصل کی تھی۔ سب نوٹ پرانے اور استعمال شدہ تھے۔ یہ خطرہ کم تھا کہ بنگلو نے ان میں کوئی جعلی نوٹ شامل

Downloaded from https://paksociety.com

کردیا ہو۔

"آپ نوٹ گن رہے ہیں۔ اس وقت پیسوں کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" غزالہ نے اکتائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"میں نے رقم گنے بغیر جیب میں ڈال لی تھی۔ صبح ٹرین میں بکنگ کے لیے اس کی ضرورت ہوگی" میں نے بتایا۔

"تو کیا ہم اس شہر میں صرف شب بسری کریں گے؟" میرا جواب سن کر غزالہ کو حیرت اور مایوسی ہوئی تھی۔

"ہمارا یہاں رکنا صرف اس لیے ضروری تھا کہ ہم اپنی غیر قانونی آمد کو پاسپورٹ کے اندراج کے مطابق جائز بنا سکیں۔ یہاں بنگو ہماری اصلیت سے واقف ہے۔ میں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔ ہمیں تفریح کے خیال کو دل سے نکال کر صرف کام سے کام رکھنا ہوگا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ صوبیدار والے واقعے نے آپ کے اعتماد کو متزلزل کردیا ہے" وہ مسکرا کے بولی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مجھے پہلی بار احساس ہوا ہے کہ عورت یا عورتوں کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنا کس قدر خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ حیرت ہے کہ تم عورت ذات ہوتے ہوئے اس واقعے سے اس قدر بے نیاز ہو..."

"اندھیرا تھا اور ہم آپس میں بات نہیں کرسکتے تھے۔ ہماری سرگوشیاں فوجیوں کے کانوں تک پہنچ جاتیں تو... وہ پچھلا حصہ کھول دیتے" غزالہ نے میری بات کاٹ کر کہا "میں نے جلال کی بریفنگ کے مطابق زبان بند رکھی مگر میں بدترین حالات کے لیے تیار تھی۔ فوجی جیتے جی مجھے یا ویرا کو ہاتھ نہیں لگا سکتے تھے۔ وہ مسلح تھے اور تعداد میں ہم سے زیادہ بھی۔ میں نے پوری تیاری کرلی تھی۔ ذرا بھی گڑبڑ ہوتی تو میں اول خان والی زہریلی انگوٹھی کا کچھ سیال ویرا کے بدن میں اتار دیتی اور یہی عمل اپنے ساتھ دہرا ڈالتی۔ دونوں بیٹھے بیٹھے مرجاتیں۔ ان درندوں کو ہمارے مردہ جسموں کے سوا کچھ نہ ملتا۔"

غزالہ کی بات سن کر میں سناٹے میں آگیا "تم کو معلوم ہے کہ ہمارے مذہب میں قتل یا خودکشی حرام ہے؟"

"ان حالات میں اس سے بہتر متبادل نہیں تھا۔ وہ لمحات خیریت سے گزر گئے۔ میں اپنے اس فیصلے کو بھول چکی ہوں۔ میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ اس واقعے نے مجھے بری طرح ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اب میں اس کے سحر سے آزاد ہوچکی ہوں۔"

"یہ دشمن کی سرزمین ہے۔ میں امرتسر سے نکل جانا چاہتا ہوں تاکہ دوبارہ ایسے حالات پیدا ہونے کا خطرہ باقی نہ رہے۔ یہاں بنگو ہمارا رازداں ہے۔ نئی دہلی میں کسی کو معلوم نہیں ہوگا کہ ہمیں جلال نے بھارت بھجوایا ہے۔"

"وہاں اخل بسواس اور شاید جان اسمتھ بھی موجود ہوگا" غزالہ نے مسکرا کر اضافہ کیا۔

"ہمارا اصل کام ان ہی دو ناموں سے وابستہ ہے۔ بھارت میں لمبا قیام خطرناک ثابت ہوگا۔"

"ویرا سے ہمارا رابطہ ٹوٹ چکا ہے۔ کیا آپ اسے یہاں چھوڑ کر آگے نکل جائیں گے؟" اسے ویرا یاد آگئی۔

"بکنگ کے بعد میں فون پر اسے آگاہ کردوں گا۔ وہ بھی اسی ٹرین سے دہلی جائے گی مگر اس کی سیٹ الگ ہوگی۔"

"میں آپ سے کبھی بحث نہیں کرتی۔ آپ جو فیصلہ کرلیتے ہیں' اسے قبول کرلیتی ہوں۔"

"یہاں سے جلد از جلد روانگی کے بارے میں بحث کا آغاز شاید میں نے کیا تھا!"

اس نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں "آپ مذاق کا بھی برا مان جاتے ہیں۔ خاموش بیٹھ کر ایک دوسرے کا منہ تکنے سے بہتر ہے کہ کچھ نہ کچھ نوک جھوک ہی چلتی رہے۔ ہمارا وقت آسانی سے گزرتا رہے گا۔"

میں نے والہانہ انداز میں اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ مجھے اس تصور سے جھرجھری آگئی کہ سرحد پر صوبیدار سے مقابلہ بگڑ جاتا تو وہ خاموشی سے اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیتی۔ وہ موت کے منہ میں جانے سے بال بال بچی تھی۔ نئی زندگی ملنے پر وہ میری طرف سے پرتپاک مبارک باد کی حق دار تھی۔

○○○

کوئنز روڈ پر صبح کے وقت کافی رونق تھی۔ داڑھیوں اور پگڑیوں کی بھیڑ میں جوان اور صحت مند سردارنیاں بھی اپنے علاقائی غرور کے ساتھ سینہ تانے گھوم رہی تھیں۔ بعض قدامت پرست اور روایتی سکھ کرپانیں لگائے گھوم رہے تھے۔ میرے لیے وہ مناظر دلچسپ اور حیران کن تھے لیکن دوسروں کے معمولات میں شامل تھے۔

پچھلی رات بنگو کے ساتھ ہوٹل آسٹوریا کا سفر کرتے ہوئے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ امرتسر متوسط درجے کا ایک گنجان اور گندا شہر تھا جس کی ساری اہمیت صرف گولڈن ٹمپل کی وجہ سے تھی۔ عجیب بات یہ تھی کہ مشرقی تصور کے برعکس وہاں جنس کا کوئی خاص امتیاز نہیں تھا۔ مردوں کی بھیڑ

Downloaded from https://paksociety.com

میں ہر عمر کی عورتیں بھی یوں اطمینان سے مل جل کر گھوم رہی تھیں جیسے وہ ان ہی کی برادری اور گھرانوں سے تعلق رکھتی ہوں۔

انسانوں کی بھیڑ بھاڑ میں کہیں کہیں آوارہ سور بھی آزادی سے گھومتے نظر آئے۔ وہ اپنی سرخ اور لمبی تھوتھنیاں جھکائے کوڑے کے ڈھیر کریدتے بھی نظر آئے۔ انسان ان سے اور وہ انسانوں سے خاصے مانوس تھے۔

میں ان گندے اور بدبودار جانوروں سے بچتا ہوا پیدل ہی ریلوے اسٹیشن کی طرف جارہا تھا۔ راستے میں میری نگاہیں کسی ایسے فون بوتھ کی متلاشی تھیں جہاں سے میں بے فکری سے ویرا سے رابطہ کرسکوں۔ میں نے ہوٹل کے فون کو اس کام کے لیے موزوں نہیں سمجھا تھا۔ وہ اوسط درجے کا ہوٹل تھا جہاں اس بات کا امکان تھا کہ آپریٹر کسی بھی وقت گفتگو میں مداخلت کر بیٹھے۔

اپنے مطلب کا پہلا بوتھ نظر آتے ہی میں اس میں گھس گیا۔ میں نے گرانڈ ہوٹل کا نمبر ملا کر اِن کاویل سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو آپریٹر نے خالص پنجابی میں مجھے ہولڈ کرنے کا مشورہ دیا اور لمحہ بھر بعد لائن ویرا سے ملادی۔

شاید ویرا میری کال کی توقع کررہی تھی۔ میری آواز سنتے ہی مضطربانہ لہجے میں بولی "تم اس وقت میرے ہوٹل سے کتنی دور ہو؟ میں یہ سوچ سوچ کر پریشان ہورہی تھی کہ تم سے کیسے رابطہ کرسکوں گی، یہاں میرا دم گھٹ رہا ہے۔"

"میں قریب ہوں اور ریلوے اسٹیشن جارہا ہوں۔ تم بھی وہیں آجاؤ" میں نے اس کی پریشانی بھانپ کر مشورہ دیا۔

"بس میں پہنچتی ہوں۔ کچھ تاخیر ہوجائے تو میرا انتظار کرلینا" یہ کہہ کر ویرا نے فون بند کردیا۔

میں بھی ریسیور ہک سے لٹکا کر باہر نکل آیا۔ مجھے تشویش ہورہی تھی کہ ویرا کی پریشانی کا کیا سبب تھا۔

میں نے فٹ پاتھ پر رینگتی ہوئی بھیڑ سے الگ ہوکر اپنی رفتار تیز کردی۔ میں اپنے لباس اور خدوخال کے اعتبار سے بہت سے مقامیوں جیسا ہی تھا۔ دور سے دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں لگاسکتا تھا کہ میں کسی دوسرے ملک سے وہاں پہنچا ہوں۔ زبان کے علاوہ شہر اور اس کے راستوں سے میری عدم واقفیت میری کمزوری تھی۔ میں پنجابی زبان سمجھنے پر پوری طرح قادر تھا لیکن سرداروں والی کھڑی پنجابی بولنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔

گرانڈ ہوٹل کے سامنے سے گزرتے ہوئے غیر ارادی طور پر میری نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں مگر ویرا کہیں نظر نہیں آئی۔ امرتسر ریلوے اسٹیشن پر اس وقت کافی بھیڑ تھی۔ جس کی وجہ سے وہاں افراتفری کا سماں نظر آرہا تھا۔ میں قلیوں کے سروں پر لدے ہوئے جستی صندوقوں اور بستربندوں سے بچتا ہوا اس طرف پہنچنے کی کوششوں میں مصروف ہوگیا جہاں انگریزی میں غیر ملکیوں کے لیے بکنگ کی تختی آویزاں تھی۔

وہاں ویرا مجھ سے پہلے پہنچی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ تیزی سے میری طرف چلی آئی۔ میں اسے ساتھ لے کر ایک ایسے حصے کی طرف چل دیا جہاں بہت کم لوگ نظر آرہے تھے۔

"یہاں میں پریشان ہوگئی ہوں۔ ہر شخص کو اپنی زبان سے بے انتہا پیار ہے۔"

"کیا تم صرف اس وجہ سے اتنی بوکھلائی ہوئی ہو؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر بے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں، میں چند سرپھرے لڑکوں کی وجہ سے پریشان ہوں۔ وہ بلاوجہ میری مہمان نوازی پر تلے ہوئے ہیں۔ کسی معاوضے کے بغیر مجھے گولڈن ٹمپل اور شہر کی سیر کرانے کی پیشکش کرچکے ہیں۔ صبح سے تین مختلف چہرے میرے پاس آچکے ہیں۔ ان میں سے دو تو صورتوں سے ہی لوفر معلوم ہورہے تھے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ تینوں ایک ٹولی کے لڑکے ہیں۔ میں انہیں بہت اچھا سبق دے سکتی ہوں لیکن صوبے دار والے واقعے کے بعد میری طبیعت مکدر ہے۔ میں ہر الجھن سے دور رہنا چاہتی ہوں۔"

"ہمارے لیے یہ شہر موزوں نہیں ہے۔ میں اس وقت دہلی کے لیے بکنگ کرانے کے ارادے سے آیا ہوں۔"

"مجھے اندازہ ہوگیا تھا" اس نے اپنے ہینڈ بیگ سے اپنا پاسپورٹ نکال کر مجھے تھمادیا "خدا کا شکر ہے کہ بنگلو نے تمہیں میرے ہوٹل کا فون نمبر دے دیا۔ مجھے تمہارے ہوٹل کا نام تک معلوم نہیں ہے۔ اس طرح ہم ایک دوسرے سے بالکل کٹ کر رہ جائیں گے۔"

"میں تمہیں یہی سمجھانا چاہ رہا تھا مگر تم نہ مانیں۔ ہوسکتا ہے کہ دہلی پہنچنے کے بعد یہ مسئلہ حل ہوسکے۔ یہاں تو جیسے تیسے وقت گزارنا ہی پڑے گا" میں نے اسے وہیں چھوڑا اور دوبارہ بکنگ کاؤنٹر کی طرف ہولیا۔

امرتسر سے دہلی، کلکتہ اور دوسرے شہروں کے لیے روز کئی ریل گاڑیاں روانہ ہوتی ہیں۔ دہلی کے لیے بکنگ کی صورت حال اچھی نہیں تھی مگر تینوں پاسپورٹ دیکھنے کے بعد کلرک نے مجھے دو ٹرینوں کے بارے میں بتایا جن میں غیر

Downloaded from https://paksociety.com

ملکیوں کے لیے بکنگ موجود تھی۔ میں نے اسی روز دو بجے جانے والی سپرفاسٹ ٹرین میں تینوں نشستیں محفوظ کرالیں۔ میں نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ اپنی اور غزالہ کی برتھ مردانہ حصے میں رکھی تھی۔ ویرا کے لیے زنانہ ڈبے میں نشست لی تھی تاکہ وہ ہم سے الگ رہ سکے۔

پاکستان میں ٹرین کی نشستوں کے حصول میں ہونے والی دشواریوں کے پیش نظر وہ ایک خوشگوار تجربہ تھا۔ بھارتی فوج کے ایک صوبیدار نے ہمارے پہلے تجربے میں اپنے ملک کی صورت جس طرح مسخ کی تھی' دوسرے تجربے نے اس کا تھوڑا سا ازالہ کردیا تھا۔

امرتسر سے دو بجے روانگی کی خبر ویرا کے لیے خوش خبری سے کم نہیں تھی۔ اپنا پاسپورٹ اور ٹکٹ واپس لیتے ہوئے اس نے تعجب سے کہا "میں نے بہت دنیا دیکھی ہے۔ فرنچ' اطالوی اور جرمن بھی اپنی اپنی زبانوں کے بارے میں بہت متعصب ہیں مگر میں نے امرتسر جیسی گھٹن کہیں محسوس نہیں کی۔ غنیمت ہے کہ ہم دوپہر تک یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"یہ امرتسر اور سکھوں کا قصور نہیں ہے۔ تمہارے سر پر ابھی تک رات والا صوبیدار سوار ہے۔"

"اوہ خدا!" ویرا نے ہتھیلی سے اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے گہرا سانس لیا "وہ چند منٹ کی باتیں تھیں مگر میں اس بھیانک تجربے کو عمر بھر فراموش نہیں کرسکتی۔ میری عقل ماؤف ہوکر رہ گئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ہم وہاں سے کیسے نکلیں گے۔ بنگو عظیم بدمعاش ہے' اس نے پلٹ کر فالتو خرچ کا ذکر تک نہیں کیا۔"

"وہ تھوڑا سا کم عظیم ہے۔ تمہیں ہوٹل پہنچانے کے بعد اس نے مطالبہ کردیا تھا جو میں نے پورا کردیا۔"

"شاید وہ سکھ نہیں ہے تب ہی اس نے صحیح وقت پر صحیح فیصلہ کرلیا۔ سرداروں کے لیے ایک وقت میں یہ دونوں کام ناممکن ہیں۔ صحیح وقت پر غلط فیصلہ کرنا اور صحیح فیصلے کے لیے غلط وقت کا انتخاب کرنا ان کا طرہ ہوتا ہے۔"

"یہ بنائے ہوئے لطیفے ہیں۔ سارے سکھ عقل سے اتنے عاری نہیں ہوتے" ہم نے ٹہلتے ہوئے وہ جگہ چھوڑ دی۔

"جو کچھ بھی ہو' میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ سکھ ساری دنیا میں جہاں بھی ہیں' پسند کیے جاتے ہیں مگر اپنے شہر میں انہوں نے مجھے بیزار کردیا۔ میں اب ہوٹل میں نہیں نکلوں گی۔ ایک بجے وہاں جاؤں گی اور بیگ لے کر سیدھی اسٹیشن پہنچ جاؤں گی۔"

"تم نے اپنا پاسپورٹ بیگ میں رکھ لیا ہے۔ اس کی طرف سے ہوشیار رہنا۔ میں سفر میں سفری دستاویزات اور رقم کو اپنے جسم کے ساتھ رکھتا ہوں۔ بھارت میں تم نے پاسپورٹ کھودیا تو مشکلات میں پڑجاؤ گی۔ بازاروں میں گھومنے والے غیر ملکی جیب کتروں کا خاص نشانہ ہوتے ہیں۔"

"تم بے فکر رہو۔ میں اپنے بیگ کو بازو اور جسم کے درمیان دبا کر رکھتی ہوں۔ اسے چھینا جاسکتا ہے' چرایا نہیں جاسکتا۔"

"پھر تم آوارہ گردی کرو۔ میں واپس جاتا ہوں۔ اب ڈیڑھ بجے اسٹیشن پر ملاقات ہوگی۔"

"اب اتنی احتیاط مت کرو۔ ابھی ہم نے کام شروع نہیں کیا۔ یہاں ہمارا کوئی دشمن بھی نہیں ہے۔ تھوڑا سا وقت میرے ساتھ گزارلو۔"

"تم یہ بھول رہی ہو کہ غزالہ ہوٹل میں اکیلی ہے۔ تمہاری طرح وہ بھی کسی بات سے ہراساں ہوسکتی ہے" میں نے اسے گھور کر کہا۔

"ہاں۔ اس کا خیال میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔ تمہیں فوراً واپس جانا چاہیے۔"

اسٹیشن کی حدود سے باہر نکل کر ہم دونوں خاموشی سے ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔ میرا رخ اپنے ہوٹل کی طرف تھا۔

غزالہ ہوٹل کے کمرے میں بہت آرام سے تھی۔ میں پہنچا تو وہ ٹیلی وژن پر پروگرام دیکھنے میں مصروف تھی۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اسے کسی نے پریشان نہیں کیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ میرے اس عجیب سوال کی وجہ دریافت کرتی' میں نے اسے خود ہی بتادیا کہ ویرا کی گوری رنگت اور جاذب صورت دیکھ کر امرتسر کے کچھ لڑکے اسے شہر کی مفت سیر کرانے پر مصر تھے اور بار بار اس کے کمرے میں پہنچ کر اسے پریشان کررہے تھے۔

"یہ ہوٹل کی انتظامیہ کی کمزوری ہے" غزالہ نے میری بات پوری ہوتے ہی اپنا فیصلہ صادر کردیا "وہاں باہر سے آنے والوں کو کسی روک ٹوک کے بغیر مہمانوں کے کمروں میں جانے کی آزادی ملی ہوئی ہوگی ورنہ ویرا کی اجازت کے بغیر کوئی ملاقاتی اس کے دروازے پر دستک نہیں دے سکتا۔"

غزالہ نے تجربے کی بات کہی تھی "تم نے یہ نکتہ کیسے سمجھ لیا؟" میں اس سے سوال کیے بغیر نہیں رہ سکا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"شاید ہوٹلوں میں ٹھہرنے والے غیر ملکیوں کے لیے یہاں خاصے گائیڈ موجود ہیں۔ آپ کے جانے کے بعد یہاں بھی کوئی آیا تھا۔ اسے کاؤنٹر پر ہی روک لیا گیا۔ کلرک نے انٹرکام پر مجھ سے پوچھا اور میں نے گائیڈ کے لیے انکار کردیا۔ اس کے بعد کوئی فون نہیں آیا۔ یہ میرا تازہ ترین تجربہ ہے۔"

ہم لاہور سے امرتسر آئے تو سارا وہ بندوبست جلال کا تھا۔ شروع سے آخر تک اس کی دی ہوئی ہدایات کی پاسداری کی گئی تھی۔ اس بندوبست میں ایک نکتہ فراموش کردیا گیا تھا۔ جویرا کے لیے پریشانی کا باعث بن گیا۔ بنگو نے ویرا کے ہوٹل کا نام اور فون نمبر ہمیں دے دیا مگر ویرا کے پاس ہمارا کوئی سراغ نہیں تھا۔ میں نے اس سوال کو ٹالتے ہوئے ویرا کو شرمندہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ مسئلہ میرے ذہن پر سوار تھا۔

امرتسر کے مقابلے میں دہلی بہت بڑا اور گنجان شہر تھا۔ وہاں ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ رہ کر حالات کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہماری اس تمام مشق کا مقصد صرف اتنا ہے کہ بیک وقت ہم تینوں اپنے دشمن کی نگاہوں میں نہ آنے پائیں" میری تشویش سے آگاہ ہونے کے بعد غزالہ نے کہا "ہم کسی سے پنجہ آزمائی کررہے ہوں تو ویرا دور رہ کر تماشا دیکھتی رہے۔ ضرورت پڑے تو جلال کے آدمیوں سے مدد لے لے۔ انتہائی ناگزیر مجبوری کے سوا اسے سامنے آنے کی ضرورت نہیں۔"

"یہی رویہ ہم کو بھی اپنانا ہوگا۔ ہمیں غیر ضروری طور پر ایک دوسرے کی مدد کرنے سے گریز کرنا ہوگا۔"

"بھارت میں یہ امکان بھی نہیں ہے کہ کوئی آپ کو یا ویرا کو صورت سے پہچان لے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"میری حد تک یہ امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔ تم یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو؟" میں نے الجھ کر سوال کیا۔

"آپ پریشان ہیں۔ سوچ رہی ہوں کہ آپ کے انداز میں آپ کی مدد کرنے کی کوشش کروں۔"

میں اس کی سادگی پر ہنس دیا "کوشش کرو۔ شاید تمہارے دماغ میں کوئی اچھی تجویز آجائے۔"

"تجویز موجود ہے" اس نے پورے اعتماد سے کہا "وہ ٹرین میں ہم سے الگ رہ کر سفر کرے گی۔ دہلی پہنچ کر ہم الگ الگ کسی بڑے ہوٹل میں پہنچیں اور کمرے لے لیں۔ ہر ہوٹل میں سیکڑوں مہمان رہتے ہیں۔ کسی کو کیا پتا کہ کون کس کا ساتھی ہے۔ اگر وہ احتیاط کرے گی تو کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا۔ ہم تینوں ایک ہی ہوٹل میں ٹھہر سکیں گے۔ ضرورت پڑنے پر موقع نکال کر ایک دوسرے سے مل بھی سکتے ہیں۔"

وہ بالکل سامنے کی بات تھی جو مجھے نہیں سوجھ رہی تھی۔ میں نے اچھل کر زور سے غزالہ کے ہاتھ پر ہاتھ مارا "تم نے میری بہت بڑی پریشانی دور کردی۔ ویرا مجھ سے زیادہ پریشان ہے۔ اب اسے اندازہ ہورہا ہے کہ باتیں ملانے اور کام کرنے میں کتنا فرق ہوتا ہے۔"

"لاہور سے یہاں پہنچنے تک ہم باتیں ہی باتیں کرتے رہے ہیں یا تفکرات میں گھلتے رہے ہیں۔ اصل کام جہاں تھا' وہیں پر ہے۔"

"اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔ ان تجربوں اور مشاہدوں سے گزرے بغیر ہم یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ایک بار ہم دہلی پہنچ جائیں تو واقعات کی رفتار خود بخود تیز ہوجائے گی۔ انل بساس اور جان اسمتھ میں سے جو بھی پہلے گرفت میں آگیا' اسی سے کام کی ابتدا کریں گے۔"

"فی الحال آپ صرف انل بساس کو ذہن میں رکھیں۔ پتا نہیں جان اسمتھ کہاں ہو" چار کی ٹولی ٹوٹنے کے بعد غزالہ حقیقی معنوں میں میری مشیر اور مددگار ثابت ہورہی تھی۔ مجھے افسوس ہورہا تھا کہ میں نے پہلے اس کی ان صلاحیتوں سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا۔

"ٹرین میں یا دہلی ریلوے اسٹیشن پر ویرا سے بات ہونے کا امکان نہیں ہے۔ ہمیں ابھی طے کرلینا چاہیے کہ دہلی میں ہم کس ہوٹل کا رخ کریں گے؟" میں نے کہا۔

"یہ آپ کا کام ہے۔ مجھے کیا معلوم کہ دہلی میں کون کون سے بڑے ہوٹل ہیں؟"

"ابھی ہوٹل چھوڑیں گے تو باہر کسی ایرلائن کے دفتر یا ٹورسٹ آفس سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں دہلی کے صرف دو ہوٹلوں کے بارے میں جانتا ہوں۔ اوبرائے اور انٹرکانٹی نینٹل۔ اس سے آگے میری سلیٹ صاف ہے۔"

وہ گفتگو ایسی تھی جو اطمینان سے بیٹھ کر ہی کی جاسکتی تھی۔ بازاروں میں راہ چلتے ہوئے ان اہم نکات پر تبادلہ خیال ممکن نہیں تھا۔

ہم نے جب تک روانگی کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا' یہ سوچ کر خوف آرہا تھا کہ امرتسر میں ہمارا وقت کیسے گزرے گا لیکن ٹرین کی بکنگ ہوجانے کے بعد وقت تیزی سے گزرتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔ ہم دونوں ہوٹل سے اپنا

Downloaded from https://paksociety.com

حساب بے باق کرکے روانہ ہوئے تو بارہ بجنے والے تھے۔

وقت کم رہ گیا تھا۔ راستوں سے لاعلمی کے باعث ہم نے کوئی سواری لینے اور کوئنز روڈ سے دور نکلنے کا ارادہ ترک کردیا۔ ایک بار ہم راستہ بھٹک کر دور نکل جاتے تو وقت پر اسٹیشن پہنچنا دشوار ہوجاتا۔ ہم خراماں خراماں اسی سڑک پر چلتے رہے۔ راستے میں غزالہ نے چند دکانوں میں تاک جھانک کی مگر امرتسر کے اس بازار میں کوئی ایسی غیر معمولی چیز نظر نہیں آئی جسے اس شہر کی خاص سوغات سمجھ کر خریدا جاتا۔

مجھے ایک جگہ ایئر انڈیا کا بورڈ نظر آیا تو میں غزالہ کو ساتھ لے کر وہاں گھس گیا۔ وہاں فضائی سفر کے لیے ٹکٹوں کی فروخت اور اندرون ملک نشستوں کے ریزرویشن کا پورا بندوبست تھا مگر دہلی کے ہوٹلوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ ایک افسر نے ہمیں ٹورسٹ آفس یا کسی ٹریول ایجنسی سے رجوع کرنے کا قیمتی مشورہ دے کر رخصت کردیا۔ میں نے اسی لمحے فیصلہ کرلیا کہ دہلی میں انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل سب سے بہتر رہے گا۔

ہم ڈیڑھ بجے سے پہلے امرتسر ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے۔ ویرا ہم سے پہلے وہاں موجود تھی۔ وہ تھکی ہوئی اور اکتائی ہوئی نظر آرہی تھی۔ ہم دونوں کو دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ مجھے اس کی حالت دیکھ کر ترس آگیا۔ اسے الگ ہونے کا مشورہ دینے کے بجائے میں اسے ساتھ لے کر ریستوران کی طرف بڑھ گیا۔

امرتسر میں ویرا نے جیسے تیسے ایک دن گزار لیا تھا۔ ہم لوگ بنگو کی مہربانی سے بچھڑ کر یکجا بھی ہوگئے تھے مگر دہلی میں قیام کے بارے میں ویرا فکرمند تھی۔ غزالہ اسے کچھ دیر تک چھیڑتی اور ستاتی رہی۔ میں ان کی گفتگو سے بے تعلق اختیار کیے خاموشی سے چائے پیتا رہا۔ ویرا کے اس مسئلے کا حل غزالہ نے تجویز کیا تھا۔ اسے دہرانے کا حق اسی کو تھا۔ کچھ دیر کی نوک جھوک کے بعد غزالہ نے اسے مسئلے کا حل بتایا تو ویرا خوش ہوگئی۔

اسے ابتدا سے یہ شک تھا کہ دہلی کے سفر میں غزالہ اسے مجھ سے دور رکھنے کی کوشش کررہی تھی۔ غزالہ نے تینوں کے ایک ہوٹل میں قیام کی تجویز پیش کرکے ان شکوک کو مٹادیا تھا۔ چائے ختم کرنے کے بعد باتوں باتوں میں ویرا کو علم ہوا کہ ٹرین میں اس کی سیٹ ہم دونوں سے الگ تھی تو وہ مجھ پر قدرے برہم ہوئی لیکن اس کے لیے صورتِ حال کو جوں کا توں تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

ڈیڑھ بجے ہم پلیٹ فارم پر پہنچ گئے۔ دھلی دھلائی، صاف ستھری ٹرین وہاں لگ چکی تھی۔ مسافروں کی آمد کا سلسلہ بھی شروع ہوچکا تھا۔

امرتسر پہنچنے کے بعد ہم نے صحت، صفائی، معیارِ زندگی اور تعلیم کے اعتبار سے بھارت کا جو حال دیکھا تھا، وہ کسی بھی طرح قابلِ فخر نہیں تھا۔ ظاہری طور پر ان سب شعبوں میں پاکستان آگے نظر آتا تھا لیکن کہا یہ جاتا تھا کہ تعلیم اور اقتصادی ترقی کے شعبے میں بھارت آگے تھا۔ وہ کس طرح آگے تھا؟ اس بات کی کوئی شہادت اس وقت تک ہمارے سامنے نہیں آسکی تھی لیکن بھارتی ٹرین دیکھ کر میری آنکھیں کھل گئیں۔ اس شعبے میں وہ ہمیں مات دے چکے تھے۔ آرام دہ ٹرین کی ہر بوگی پر ایک باوردی کنڈکٹر گارڈ مامور تھا جو بکنگ کا یقین کیے بغیر کسی کو ڈبے میں سوار ہونے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔

ریزرویشن والی بوگیوں میں صرف وہی مسافر سفر کرسکتے تھے جن کی نشستیں پہلے سے مخصوص ہوں۔ دوسرے لوگ ان کے آرام اور سہولتوں میں حارج نہیں ہوسکتے تھے۔ ہر ٹرین کے ساتھ ایک دو ایسی بوگیاں لگائی جاتی تھیں جن میں صرف ٹکٹ خرید کر سوار ہونے کی اجازت تھی۔ ایسی بوگیوں کا وہی حشر ہوتا تھا جو پاکستان کی ہر ٹرین میں اور ہر وقت دیکھا جاسکتا ہے۔

ہم نے پلیٹ فارم پر چہل قدمی کے دوران میں معلوم کیا تو پتا چلا کہ ہماری اور ویرا کی بوگی ایک ہی تھی۔ بکنگ کلرک نے ایک ساتھ ہونے والی بکنگ کا از خود لحاظ کرتے ہوئے ویرا کو ہماری بوگی کے زنانہ حصے میں جگہ دے دی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ پلیٹ فارم پر لوگوں کا ہجوم بڑھتا جارہا تھا۔ اس خطے کی معاشرتی روایات کے مطابق مسافروں سے زیادہ ہجوم ان لوگوں کا تھا جو اپنے عزیزوں اور دوستوں کو ٹرین پر سوار کرانے آئے تھے۔ ٹرین میں مسافروں کی تعداد پوری ہونے والی تھی۔ پلیٹ فارم پر ریلوے کے عملے کی وہ بھاگ دوڑ شروع ہوگئی تھی جو کسی ٹرین کی روانگی سے پہلے دیکھنے میں آتی ہے۔

ہم نے ویرا کو زنانہ حصے میں بٹھایا پھر میں غزالہ کے ساتھ مردانہ کمپارٹمنٹ میں داخل ہوگیا۔ کنڈیکٹر نے دیوار پر آویزاں فہرست میں مظہر اور غزالہ کا نام دیکھ کر ٹکٹ چیک کیے اور ہم دونوں اپنی آرام دہ جگہوں پر پہنچ گئے۔

ٹھیک دو بجے ٹرین نے آخری وسل دی اور ایک ہچکولے کے ساتھ پلیٹ فارم چھوڑ کر تیزی سے رفتار پکڑتی

Downloaded from https://paksociety.com

چلی گئی۔

امرتسر سے دہلی تک کا سفر لمبا تھا۔ سکون کی بات یہ تھی کہ ڈبا روشن اور ہوا دار تھا۔ اس میں نشستوں سے ایک آدمی بھی زائد نہیں تھا۔ ان میں ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی، سب ہی شامل تھے۔ بعض اپنی وضع قطع اور لباس سے الگ پہچانے جا رہے تھے۔ کوئی دوسروں پر معترض نہیں تھا۔

ہمیں رات گئے دہلی پہنچنا تھا۔ میں نے جوتے اتار کر پلیٹ فارم سے خریدا ہوا انگریزی اخبار سنبھال لیا۔ غزالہ کھڑکی کے شیشے کے ساتھ لگی باہر کے دوڑتے ہوئے مناظر دیکھنے میں محو ہو چکی تھی۔ ہماری طرح دوسرے مسافر بھی کچھ کھانے پڑھنے یا باتیں کرنے میں منہمک ہو چکے تھے۔

وہ سپر فاسٹ ٹرین تھی۔ جالندھر اور لدھیانہ کے اسٹیشنوں سے گولی کی طرح گزر گئی۔ انبالہ پر ٹرین چند منٹ کے لیے رکی اور سفر پھر شروع ہو گیا۔ باہر چمکتے ہوئے سورج کی تیز روشنی رفتہ رفتہ ماند پڑنے لگی تھی۔ سورج غروب ہوا تو ٹرین کی روشنیاں جل اٹھیں۔

دس بجے ہماری ٹرین دہلی کے مضافات اور ریلوے لائن کے اطراف میں آباد جھونپڑیوں اور کچی آبادیوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی دہلی اسٹیشن پر جا رکی۔

اسٹیشن کی عمارت پرانی تھی اور زبان حال سے اپنی کہانی سنا رہی تھی۔ ہمارے پاس سامان نہیں تھا، اس لیے ہم قلی کی ضرورت سے بے نیاز تھے مگر ہمیں ویرا پر نگاہ رکھنی تھی۔ وہ بھی ہماری طرح جلد ہی باہر نکل آئی۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ہمیں دیکھ چکی ہے تو میں نکاس کے راستے کی طرف ہو لیا۔

اسٹیشن کے باہر سائیکل رکشا سے ٹیکسیوں تک کا ہجوم جمع تھا۔ ہر ڈرائیور کی یہ خواہش تھی کہ وہ سامان سے لدے پھندے مسافروں کو اپنی سواری میں لاد کر ان کی منزل تک پہنچانے کی سعادت حاصل کرے۔ ہم سامان سے محروم تھے اس لیے ڈرائیوروں کی توجہ سے محروم رہے تھے۔ ہمیں از خود ایک ٹیکسی والے کو اپنی طرف متوجہ کرنا پڑا۔ ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل کا نام سنتے ہی وہ روانگی پر آمادہ ہو گیا۔

امرتسر سے روانگی سے پہلے ہوٹل کا تعین ہو چکا تھا۔ ویرا مسافروں کی بھیڑ میں کہیں پھنس گئی تھی مگر میں اس کی طرف سے فکرمند نہیں تھا۔ مجھے امید تھی کہ وہ ہمارے پیچھے پیچھے ہوٹل پہنچ جائے گی۔

دہلی کی سڑکوں کی رونق اس وقت بھی برقرار تھی۔ کام

ابراہام لنکن نے کہا

○—— جن لوگوں کو اس قسم کی کتابیں بہت پسند ہیں، انہیں یہ کتاب بہت پسند آئے گی۔ (ایک کتاب پر تبصرہ)

○—— اللہ تعالیٰ کو یقیناً بے وقوف لوگ پسند ہیں تبھی اس نے وہ اتنی زیادہ تعداد میں پیدا کیے ہیں۔

○—— مجھے نہیں معلوم میرے دادا کیا تھے۔ مجھے فکر اس بات کی ہے کہ ان کا پوتا کیا ہو گا؟

○—— اگر یہ چائے ہے تو براہ کرم مجھے کافی لا دیجیے اور اگر یہ کافی ہے تو براہ کرم مجھے چائے لا دیجیے۔

○—— میرا تجربہ ہے کہ جن لوگوں میں کوئی برائی نہیں ہوتی ان میں اچھائی بھی کم ہی ہوتی ہے۔

○—— میرے باپ نے مجھے کام کرنا سکھایا۔ کام سے محبت کرنا نہیں سکھایا۔ وہ میں نے خود سیکھا ہے۔

○—— کسی بھی آدمی کی یادداشت اتنی اچھی نہیں ہوتی کہ وہ ہمیشہ کامیابی سے جھوٹ بول سکے۔

○—— سونے کی عینک پہن کر روشن سے روشن حقیقت بھی نظر نہیں آسکتی۔

○—— لومڑی کے شکار کے لیے چوہے کو نہیں بھیجنا چاہیے اور وہیل مچھلی کے شکار کے لیے تکیہ لے کر نہیں جانا چاہیے۔

○—— شادی نہ تو جنت ہے اور نہ جہنم... یہ صرف تطہیر کا عمل ہے۔

○—— جب آپ نے ہاتھی کو صرف اس کی پچھلی ٹانگوں سے پکڑ رکھا ہو تو پھر بہتر ہے کہ اسے بھاگ جانے دیجیے۔

○—— احمقوں کو نصیحت کرنا بھڑوں کے چھتے کو ہلانے کے مترادف ہے۔

Downloaded from https://paksociety.com

کاج اور کاروبار کا وقت ختم ہو چکا تھا مگر لوگ تفریح کے لیے نکلے ہوئے تھے۔ ڈرائیور دہلی کا رہنے والا اور باتونی تھا۔ ہم نے اسے یہ ہوا نہیں لگنے دی کہ ہم پاکستان سے آئے تھے۔ ٹریفک کا دباؤ کم ہونے کی وجہ سے ہم جلد ہی کناٹ پیلس میں واقع ہوٹل کے پورچ میں پہنچ چکے تھے۔ ٹیکسی سے اتر کر ہم عمارت میں داخل ہو گئے۔

ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہوٹل میں کمرے خالی تھے۔ بعد میں پتا چلا کہ دہلی کے اعلیٰ ہوٹلوں میں سیکڑوں کمروں کی گنجائش ہونے کے باوجود' بعض اوقات کئی کئی دنوں تک کوئی کمرا دستیاب نہیں ہوتا۔

ہمارے ساتھ کوئی سامان نہیں تھا لیکن اس پر شکوہ عمارت میں صحیح کمرے تک رسائی کے لیے پورٹر کی رہنمائی ضروری تھی۔ اس کے ساتھ لفٹ کا رخ کرنے سے پہلے میں نے غزالہ کو وہیں رک کر دیرا کا انتظار کرنے اور اس کا کمرا نمبر معلوم کرنے کی ہدایت کر دی۔ ایک مرد اور عورت کی ملاقات کے مقابلے میں دو عورتوں کی ملاقات کسی کے لیے بھی قابل توجہ نہیں ہو سکتی تھی۔

پورٹر کو رخصت کر کے میں نے کمرا اندر سے مقفل کر لیا اور ٹیلی فون کے ساتھ رکھے ہوئے پلاسٹک کارڈ کا جائزہ لے ڈالا۔ دہلی میں میرے پاس کسی کا فون آنے کا امکان نہیں تھا۔ بیشتر کالز خود مجھے کرنی تھیں یا پھر فون کو انٹر کام کے طور پر استعمال کرنا تھا۔ فون کے ساتھ یہ سہولت موجود تھی کہ نو کا ہندسہ ملا کر براہِ راست بین الاقوامی ڈائلنگ والی فون لائن حاصل کی جا سکتی تھی۔ اس سہولت کی وجہ سے میں آپریٹر کی مداخلت کے بغیر کسی سے بھی رابطہ کر سکتا تھا۔ اگر میں اس لائن سے سی ایس ڈی جوڑ لیتا تو مجھے جلال کے آدمیوں سے ہر وقت رابطے کی آسانی حاصل ہو سکتی تھی۔ آپریٹر کی مداخلت کی صورت میں سی ایس ڈی کے ذریعے لائن خود بہ خود ڈراپ ہو جاتی۔

میں نے اپنی ضروریات اور امکانات پر دوبارہ غور کیا۔ سی ایس ڈی جوڑنے سے پہلے یہ یقین کرنا ضروری تھا کہ ہوٹل کے فنی عملے کو لائن کے ساتھ کسی گڑبڑ کا اندازہ نہ ہو سکے۔ اس کے لیے عارضی کنکشن بہترین حل تھا۔ جب تک ہم میں سے کوئی کمرے میں موجود رہتا' سی ایس ڈی کی لائن فون سے منسلک رہتی۔ کمرا خالی کرنے سے پہلے اسے نکال دیا جاتا تاکہ کمرے کی صفائی اور دیکھ بھال کرنے والے عملے کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکے۔

دیوار سے ٹیلی فون انسٹرومنٹ تک آنے والا تار خاصا لمبا تھا تاکہ اسے سہولت کے مطابق بستر سے باتھ روم تک کہیں بھی منتقل کیا جا سکے۔ ہوٹل میں ٹھہرنے والے بعض اکیلے مہمانوں کی بجی یا کاروباری ضروریات ایسی ہوتی ہیں کہ وہ بستر میں ہوں' کھانے کی میز پر ہوں یا باتھ ٹب میں' فون ان کے قریب موجود ہونا چاہیے۔ ہوٹل کی تجربہ کار انتظامیہ نے تار کی وہ لمبائی اسی حساب سے رکھی تھی۔

میں نے تار ایک جگہ سے چھیل کر فون میں آنے والے دو میں سے ایک تار کو کاٹ دیا۔ تار کے دونوں سرے چھیل کر میں نے سی ایس ڈی کو ان سے جوڑ دیا۔ ضرورت کے وقت وہ فون بلا خوف و خطر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ سی ایس ڈی کو نکال کر کٹے ہوئے تاروں کو آپس میں ملا دینے سے وہ لائن اپنی اصل حالت میں آجاتی۔ میں اس کام میں مصروف تھا کہ دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ سی ایس ڈی کو مسہری کے نیچے ڈالا' تار کو سائیڈ ٹیبل کے پیچھے چھپایا اور تقریباً دوڑتا ہوا دروازے پر پہنچ گیا۔ اپنے سوال کے جواب میں غزالہ کی آواز سن کر میری جان میں جان آئی اور میں نے دروازہ کھول دیا۔

غزالہ مسکراتے ہوئے اندر آگئی "این آگئی ہے اسے پانچ سو پندرہ نمبر کمرا ملا ہے۔" دروازہ بند کر کے وہ میری طرف مڑی لیکن میں بے پروائی سے واپس ہو لیا تھا۔ وہ میرے چہرے پر رونما ہونے والے کسی تغیر سے باخبر نہیں ہو سکی۔ میں نے واپس آتے ہی دوبارہ سی ایس ڈی نکال لی۔ برا کام ہو گیا تھا لیکن کٹے ہوئے تاروں کو اتفاقی طور پر آپس میں ملنے سے بچائے رکھنا ضروری تھا۔ ایسا ہونے سے سی ایس ڈی ناکارہ ہو سکتی تھی۔

"ارے.... یہ آپ نے ہوٹل کے فون میں سی ایس ڈی کیوں لگا دی؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

میری غیر حاضری میں سی ایس ڈی کو سنبھالنے کی ذمے داری اس کے سر آسکتی تھی۔ میں نے پوری بات سمجھاتے ہوئے تار کے ایک سرے پر عارضی طور پر کاغذ کی پٹی لپیٹ کر اسے جڑنے سے محفوظ کر دیا۔

"یہ ترکیب آپ لاہور میں بھی استعمال کر سکتے تھے۔" میری وضاحت سن کر غزالہ نے کہا۔

"وہاں ممکن نہیں تھا کیونکہ آپریٹر کے ذریعے ہماری کالز آتی تھیں۔ بار بار لائن ڈراپ ہونے سے ہوٹل کے عملے کی توجہ ادھر مبذول ہو جاتی۔ ویسے بھی وہاں سی ایس ڈی کی

Downloaded from https://paksociety.com

ضرورت نہیں تھی۔ میرا خیال ہے کہ عملے میں خالد کا کوئی آدمی موجود تھا ورنہ وہ اتنا پر اعتماد نہیں ہو سکتا تھا۔"

غزالہ کے چہرے پر سفر کی تکان غالب تھی۔ جوتے اتار کر وہ نہانے کے لیے چلی گئی اور میں نے جلال کا دیا ہوا پرچہ نکال لیا۔ مجھے ڈر تھا کہ تاخیر ہونے کی صورت میں وہ رابطہ صبح تک کے لیے نہ ٹل جائے۔

میں نے بورڈ سے براہِ راست نمبر لے کر بھارت کی سر زمین پر اپنی پہلی ٹیلی فون کال ملائی۔ دہلی کے کسی نامعلوم حصے میں فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ دوسری گھنٹی پر ریسیور اٹھا لیا گیا "ہیلو! کون ہے؟"

فون پر خلاف توقع ایک نسوانی آواز سن کر میں چونک پڑا "لمحہ بھر کے لیے مجھے شبہ ہوا کہ نمبر ملانے میں مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے یا کسی خرابی کے سبب غلط نمبر ملا ہے۔ پھر بھی میں نے ایک کوشش کرنے کا اضطراری فیصلہ کر لیا "کیور تھلہ کے رئیس سے بات کرا دو۔"

وہ جلال کے آدمیوں میں سے پہلے کا کوڈ تھا۔ مجھے عورت کی طرف سے کسی تیکھے جواب کی توقع تھی مگر میرے فقرے پر اس کا ردعمل غیر معمولی نہیں تھا۔ میرے کانوں میں پہلے جیسی پر سکون آواز آئی "وہ چلا گیا۔ صبح نو بجے فون کر لینا۔" کوڈ سننے کے بعد اس نے میرا نام پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"گریٹ ڈین کو بلا دو!" جلال کی دی ہوئی ترتیب کے مطابق میں نے دوسرا کوڈ دہرا دیا۔

"اچھا!" اس کا جواب معنی خیز تھا جیسے وہ کوئی بات سمجھ گئی ہو۔ وہ کہہ رہی تھی "میں اسے بلاتی ہوں۔"

لائن پر سکوت چھا گیا' میں ریسیور کان سے لگائے کسی نئی آواز کا انتظار کرتا رہا۔ اچانک کمرے کی فضا.... سی ایس ڈی کے بزر سے گونج اٹھی اور لائن ڈراپ ہو گئی۔ میں سناٹے میں آ گیا۔ لائن ڈراپ ہونے کا مطلب تھا کہ کسی نے درمیان میں گفتگو سننے کی کوشش کی تھی۔ میں نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

میں نے دہلی پہنچنے کے بعد ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا تھا مگر کسی نے مخل ہو کر میری کوشش ناکام بنا دی تھی۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کس کی حرکت تھی۔ ہوٹل کے ریکارڈ میں ہمارا اندراج پاکستان سے آنے والے مسافروں کے طور پر کیا گیا تھا۔ سب سے قوی اندیشہ یہ تھا کہ پاکستانی ہونے کی وجہ سے ہم دہلی میں قدم رکھتے ہی مشتبہ تصور کر لیے گئے تھے۔ کسی سرکاری ہدایت کی روشنی میں ہوٹل کی انتظامیہ نے

ایک سفری سیزین لی بیوی نے طلاق کے لیے مقدمہ دائر کیا اور اس کی وجہ شوہر کی بے وفائی بتائی۔

"اس کا ثبوت؟" جج نے پوچھا۔

"جب بھی میرا شوہر کسی طویل دورے پر واپس آتا ہے' میرا گال تھپتھپاتے ہوئے کہتا ہے "ایسا لگتا ہے کہ ہم پہلے بھی کہیں مل چکے ہیں" بیوی نے بتایا۔

○☆○

میری کال ریکارڈ کرنے کی کوشش کی تھی۔ میری یہ خوش فہمی بے بنیاد تھی کہ میں ہوٹل میں بیٹھ کر جلال کے آدمیوں سے رابطہ کر سکتا تھا۔ ہوٹل ہمارے لیے سب سے بڑا اور خطرناک جال تھا' مجھے وہاں پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کی ضرورت تھی۔

غزالہ نے باتھ روم میں سی ایس ڈی کے بزر کی آواز سن لی تھی۔ وہ اپنا غسل مختصر کر کے فوراً باتھ روم سے نکل آئی۔

"یہ سی ایس ڈی کیوں آپریٹ ہوئی تھی؟ آپ کس سے بات کر رہے تھے؟" اس نے اپنی گیلی زلفیں سمیٹتے ہوئے تجسس سے پوچھا۔

"میں پاکستان سے صرف ایک نمبر لے کر آیا تھا۔ ہوٹل کا فون مداخلت سے محفوظ نہیں ہے۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"مطلوب آدمی مل گیا تھا یا سرے سے رابطہ ہی نہیں ہو سکا۔" غزالہ بالوں کے گرد تولیہ لپیٹ رہی تھی۔

"فون مل گیا تھا۔ ایک عورت نے اسے بلانے کے لیے کہا تھا۔ میں ہولڈ پر تھا کہ اچانک لائن کٹ گئی۔"

"اوہ.... آپ نے اس عورت کو اپنے بارے میں کیا بتایا تھا۔" میرے جواب پر غزالہ مضطرب ہو گئی۔

"کچھ نہیں۔ کوڈ کے بعد کسی پوچھ گچھ کی ضرورت نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

تھی۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ کوئی اعتماد کا آدمی ہے۔ ایسے معاملات میں ضرورت سے ایک لفظ بھی زیادہ نہیں بولا جاتا۔ مختصر اور کام کی بات کی جاتی ہے۔ وہ آجاتا تو اس کی بات دوسری ہوتی۔"

"ادھر آپ پریشان ہیں! اُدھر وہ خوف زدہ ہوگیا ہوگا۔ یہاں کام کرنے والے ہر وقت تلوار کی دھار پر ہوتے ہیں۔ وہ سوچ رہا ہوگا کہ فون کرنے والا کون تھا۔ اسے یہ بات شبے میں ڈال دے گی کہ کسی نے فون کرکے اس کا کوڈ استعمال کیا اور اس سے بات کیے بغیر فون بند کردیا۔"

"میں نے فوراً اپنی جگہ چھوڑ دی۔ "اسے موت کے قدموں کی آہٹ سنائی دینے لگی ہوگی۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اسی وقت اپنا ٹھکانا بدل دے۔ میں ابھی آتا ہوں۔" یہ کہتا ہوا میں تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ اس وقت رہ رہ کر یہ اندیشہ میرے ذہن پر ہتھوڑے برسا رہا تھا کہ دہلی میں جلال کے آدمیوں کی پوزیشن بہت نازک تھی۔ اگر وہ بند ہونے والی فون کال سے بھڑک کر بھاگ نکلا تو میرے لیے مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔

میں تیزی سے یہی سب سوچتا ہوا نیچے پہنچا اور ہوٹل کی لابی میں موجود ایک فون بوتھ میں گھس گیا۔

نمبر ملتے ہی ریسیور اٹھالیا گیا اور مجھے وہی نسوانی آواز سنائی دی۔ میں نے آواز پہچان لی مگر اس سے کوئی غیر ضروری یا بے تکلفانہ بات کرنے کے بجائے دوبارہ گریٹ ڈین سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کردی۔

اس عورت نے بھی میری آواز پہچان لی اور اس کا لہجہ اشتباہ آمیز ہوگیا "سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔"

"میں صرف گریٹ ڈین سے بات کروں گا۔ وہ موجود ہے تو اسے بلادو۔" میں نے خشک انداز میں کہا۔

"تم نے اسے ڈرا دیا۔" ایک گہرے سانس کے بعد اس عورت کی آواز آئی "تمہارا فون بند ہوتے ہی وہ جلدی میں یہاں سے چلا گیا۔ میں نے تم سے ہولڈ کرنے کے لیے کہا تھا مگر تم سے صبر نہیں ہوسکا۔ اس نے اپنے کمرے کی ایکس ٹینشن اٹھالی اور تم نے فون بند کردیا۔ اس کے بعد وہ یہاں نہیں رکا..."

میرے ذہن میں روشنی کا ایک کوندا سا لپکا۔ میرے ذہن میں جنم لینے والے اندیشے بے بنیاد تھے۔ ہوٹل کے عملے میں سے کسی نے فون کال میں دخل انداز ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ لوگ محض پاکستانی ہونے کی وجہ سے ہم پر کوئی شبہ کررہے ہوتے تو وہ کال ابتدا میں ہی کٹ جاتی۔ یوں نہ ہوتا کہ ادھوری بات کے بعد درمیان سے سلسلہ منقطع ہوتا۔

وہ ایک پہلو تھا جو اس عورت کی بات سننے کے بعد میرے ذہن میں ابھرا تھا۔ اصل خرابی اس عورت کے ٹھکانے پر پیدا ہوئی تھی۔ اسے یا جلال کے آدمیوں کو یہ علم نہیں تھا کہ میں اپنے فون پر سی ایس ڈی جیسی کوئی اہم اور حساس ڈیوائس استعمال کررہا ہوں گا۔ ایک لائن پر اس عورت نے مجھے ہولڈ کرنے کے لیے کہا ہوا تھا۔ گریٹ ڈین نے اسی فون پر آنے کے بجائے اس لائن سے منسلک دوسرا آپریٹس سنبھالا اور سی ایس ڈی نے اپنا کام دکھادیا۔ وہ بہت سیدھی اور سامنے کی بات تھی جس سے مجھے یا گریٹ ڈین کو خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔

ذہن میں کڑیاں جڑتے ہی میں نے بیچ کی اس عورت کو مزید بولنے کا موقع نہیں دیا اور اس کی بات کاٹ دی "میرے پاس ایک چیز ہے۔ جو فون کال میں کسی اور کی مداخلت سے بچاتی ہے۔ اسے واپس بلاؤ۔ وہ فون ایکس ٹینشن اٹھانے کی وجہ سے بند ہوا تھا۔ آئندہ بھول کر بھی میرے ساتھ ایسا نہ کرنا۔"

"میں اسے ڈھونڈتی ہوں۔" عورت کی آواز کمزور پڑگئی "مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں گیا ہوگا۔ اب تم ایک بجے فون کرنا۔"

"ضروری نہیں کہ وہی ہو۔ اس کے دوسرے آدمیوں میں سے کوئی مل جائے تو اسی کو بلالینا۔ یہ بہت ضروری ہے۔" میں نے اسے تاکید کی۔

"مجھے معلوم ہے۔" عورت اس معاملے کی اہمیت اور نزاکت سے پوری طرح واقف معلوم ہوتی تھی "میں اپنی پوری کوشش کروں گی۔ اب تم میری لائن فری کردو۔"

میں نے فون بند کیا اور بوتھ سے باہر نکل آیا۔

مجھے خوشی تھی کہ پبلک بوتھ سے فون کرنے کے بارے میں میرا فیصلہ صحیح ثابت ہوا۔ ایک سنگین غلط فہمی دور ہوچکی تھی۔ دوسری اور زیادہ خوشی کی بات یہ تھی کہ راکے بدری ناتھ سے حاصل کی ہوئی سی ایس ڈی اسی کے ملک کے خلاف استعمال ہورہی تھی۔ وہ میرے قبضے میں تھی اور میں اس کی مدد سے ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے بیٹھے ضروری رابطے کرسکتا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے
باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے بکھیڑے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اور برائن ڈی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی۔ اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہوگیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوادیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کررہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خود کشی کرلی۔ اس کی خود کشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی واویلا مچانے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں متعین پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کررہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رابنل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حوالوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہوگیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہوکر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہوچکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہوگیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے مگبھ لیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی مارونی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتادیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھائی تک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچادیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہوکر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہوچکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ اجل بساس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنادیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کرچکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے وہ آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے قابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اب میں انڈیا کے سفر کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی ہم لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ لاہور میں ہم نے ایس ٹی ایف کے مقامی کمانڈر کو ہیروئن کی بڑھتی ہوئی وبا کے حوالے سے بہت فکرمند پایا۔ لاہور میں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان میں سے ایک ہیومن سوسائٹی مجھے غیر معمولی طور پر مشکوک محسوس ہوئی۔ دوران تفتیش انکشاف ہوا کہ اس سوسائٹی کا کرتا دھرتا چوہدری عظمت' جہانگیر کی بیوی کا ماموں ہے۔ ہیومن سوسائٹی کے حوالے سے ہمارا شک درست نکلا۔ وہ ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہونے والے کیمیکل لے این ایچ کے علاقہ غیر اسلام آباد اور وہاں سے ہیروئن لاہور میں پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھا' اس کے علاوہ وہ انسداد ہیروئن کے ایک امریکی ادارے فورڈ فاؤنڈیشن سے بھی بھاری امداد لے رہا تھا۔ اس کے دست راست شاہد سے یہ معلومات حاصل ہوتے ہی جلال نے فوری کارروائی کی اور چوہدری عظمت کو اس کے گھر سے ہیروئن کے بیالیس تھیلوں سمیت گرفتار کرلیا گیا۔ ویرا ابھی لاہور پہنچ نہیں تھی' اس نے بتایا کہ وہ جان' اعتماد کو فون کرکے تنگ کرچکی ہے اور اب وہ یہاں دستیاب نہیں ہے۔ اس کے بعد ہمارا بھارت کا سفر شروع ہوگیا۔ جلال ہمیں سرحد تک چھوڑنے آیا جہاں سے ہم بنگلے کے ہمراہ امرتسر پہنچے۔ امرتسر میں ہمارا ایک روزہ قیام بغیر کسی ہنگامے کے گزرا اور ہم وہاں سے دہلی پہنچ گئے۔ میں نے دہلی پہنچتے ہی جلال کے آدمیوں سے رابطہ کرنا چاہا مگر سی ایس ڈی نے لائن ڈراپ کردی۔ میں نے اس بارے میں آگاہ کیا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ گرپریت جلال کے آدمی کی طرف سے ہوئی تھی' اس نے ٹیلی فون ایکس ٹینشن استعمال کرنے کی کوشش کی تھی اور لائن ڈراپ ہوگئی تھی۔ مجھے اب دوبارہ اس سے رابطے کا انتظار تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

بھارت کی سرزمین پر اس وقت ہم دہلی کے انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل کے ایک کمرے میں محصور تھے اور وہاں غزالہ میری مشیر تھی۔ ویرا ابھی اسی ہوٹل کے کمرا نمبر پانچ سو پندرہ میں مقیم تھی۔ وہ سراغ غزالہ نے حاصل کیا تھا مگر ویرا کو یہ علم نہیں تھا کہ ہم ہوٹل کے کس کمرے میں ٹھہرے تھے۔ امرتسر سے سپرفاسٹ ٹرین کے ذریعے' دہلی کے سفر پر روانگی سے پہلے ہم نے صرف ایک اصولی فیصلہ کیا تھا کہ بھارت جیسے دشمن ملک کے ایک اجنبی شہر میں ہم تینوں ایک ہی ہوٹل میں الگ الگ قیام کریں گے تاکہ باہمی رابطے میں آسانی ہو۔

اگر ویرا احتیاط کے دامن کو خیراد کہہ دیتی تو اپنے کمرے سے پہلے بغیر' محض انٹرکام پر رابطے کے ذریعے ہوٹل کے کاؤنٹر سے یہ معلوم کرسکتی تھی کہ مظہر خان اور غزالہ کے ناموں سے ہم ہوٹل کے کس کمرے میں مقیم تھے۔ کسی ناگہانی یا حادثاتی صورت حال کے رونما ہوئے بغیر مجھے ویرا سے ایسی کسی غیر ذمے داری کی توقع نہیں تھی۔ یہ امکان ضرور تھا کہ وہ اپنے کمرے میں کسی نہ کسی طرح رات بسر کرلیتی اور پھر ہماری تلاش میں ہوٹل کی لابی کے کسی ایسے حصے میں جم جاتی جہاں سے ہوٹل میں آنے اور جانے والے ہر شخص پر نگاہ رکھی جاسکے۔

میں جلال کے آدمیوں سے ابتدائی رابطہ کیے بغیر ویرا کو چھیڑنے کے حق میں نہیں تھا۔

وہ سب سوچتا ہوا' میں لفٹ کے ذریعے منزلیں طے کرکے اپنے کمرے میں پہنچا تو غزالہ نہایت اضطراب کے عالم میں میری واپسی کی منتظر تھی۔ میری ہلکی سی دستک کے جواب میں اس نے اتنی سرعت سے دروازہ کھولا کہ میں حیران رہ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کمرے کی تنہائی سے خوف زدہ ہوکر میری واپسی کے انتظار میں دروازے سے لگی کھڑی تھی۔

"آپ کچھ کہے سنے بغیر کہاں چلے گئے تھے؟ میں پریشان ہوگئی تھی" اس نے دروازہ بند کرتے ہی سوال کرڈالا۔

"فتور تم نے پیدا کیا تھا" میں نے اس کے رخسار پر ہلکی سی چپت لگاکر کہا "تمہارا اندیشہ سوفیصد درست تھا۔ اچانک فون بند ہونے سے وہ خوف زدہ ہوکر اپنے ٹھکانے سے بھاگ نکلا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ ہوٹل کے سوئچ بورڈ سے کسی نے ہماری گفتگو سننے کی کوشش کی ہوگی جس کی وجہ سے سی ایس ڈی نے لائن ڈراپ کردی۔ ایسی صورت میں کمرے کا فون

Downloaded from https://paksociety.com

مخدوش تھا۔ میں نیچے پبلک فون بوتھ تک گیا تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟" وہ سب کچھ جان لینے کے لیے اتنی مضطرب تھی کہ مجھے ذرا سے توقف کا بھی موقع نہیں دیا۔

"اس بار پھر اسی عورت سے بات ہوئی۔ وہ شکوہ کررہی تھی کہ میں نے گریٹ ڈین سے بات کیے بغیر فون بند کرکے اسے خوف زدہ کردیا اور وہ ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر اس ٹھکانے سے فرار ہوگیا۔ دشمن ملک کی سرزمین پر ہر سیکرٹ ایجنٹ اپنے سائے سے بھی بھڑکتا ہے۔ کپور تھلا کا رئیس موجود نہیں تھا۔ گریٹ ڈین بھاگ گیا۔ تیسرا آدمی بھی موجود نہیں تھا۔ اب وہ عورت انھیں تلاش کررہی ہوگی۔"

"وہ عورت بھی بہت اہم معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے اس سے کوئی بات نہیں کی؟" غزالہ نے پوچھا۔

میں آرام سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ "عورت کا کوئی اہم کردار ہوتا تو جلال اس کے بارے میں ضرور کچھ نہ کچھ بتاتا۔ ایسے معاملات میں ہدایات سے سرمو بھی انحراف کیا جائے تو براہ راست گردن کٹتی ہے۔ اس سے کم پر گلوخلاصی کا تصور بھی محال ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ جلال آپ کو عورت کے متعلق بتانا بھول گیا ہو۔ آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ پاکستان انٹیلی جنس بیورو کے تین اہم سیکرٹ ایجنٹ دہلی کی اس عورت پر اعتماد کرتے ہیں' اس کے پاس رہ رہے ہیں یا کم از کم آتے جاتے ہیں اور وہ عورت ان کے دوسرے خفیہ ٹھکانوں سے بھی واقف ہے۔ وہ بھروسے کے قابل نہ ہوتی تو یہ سب کیسے ممکن تھا؟" غزالہ کی کھوپڑی کام کررہی تھی۔

"تم بنگو والا بھیانک تجربہ بہت جلد فراموش کر بیٹھی ہو۔ بھارتی فوج کے میجر اچاریہ سے لے کر صوبیدار تک کو معلوم ہے کہ بنگو سرحد پار آتا جاتا رہتا ہے۔ وہ اس کی آمدورفت سے چشم پوشی کا معاوضہ بھی لیتے ہیں لیکن میں شرط لگا سکتا ہوں کہ ان کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوگا کہ بنگو کے ایک خفیہ پاکستانی ادارے کے ایک ذمے دار افسر سے روابط ہیں۔ پتا نہیں بنگو انہیں کیا کہانیاں سنا کر ان کی آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے۔ صوبیدار کو شبہ بھی ہوتا کہ بنگو کی سال خوردہ پک اپ میں تم جیسی حسین اور جواں سال خاتون موجود ہے تو وہ ہزاروں کیا' لاکھوں کی رشوت پر لات مار کر مرنے مارنے پر تل جاتا۔ وہ صرف رابطے کی عورت ہے۔ ضروری نہیں کہ اسے آئی بی کے تینوں سیکرٹ ایجنٹوں کی اصلیت کا بھی علم ہو۔"

"میرے لیے یہ مان لینا مشکل ہے" غزالہ نے سہلاتے ہوئے کہا "جب ان کے اصل ناموں کے بجائے کوڈ اور خفیہ ناموں سے فون آتے ہیں تو وہ عورت بہت کچھ سمجھ سکتی ہے۔ آپ اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ نہیں لگا رہے۔"

میں خاموشی اختیار کرکے اس بحث کو وہیں ختم کرسکتا تھا لیکن اس طرح غزالہ اداس ہوجاتی۔ اسے احساس ہوتا کہ میں نے اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ وہ بھارت کے دارالحکومت' دہلی میں ہماری پہلی رات تھی۔ اس یادگار شب میں' میں غزالہ کی ناراضی مول نہیں لے سکتا تھا۔ میں نے رسانیت سے جواب دیا "وہ کوئی شریف اور معزز عورت نہیں ہوسکتی۔ زیرزمین دنیا سے تعلق رکھنے والی عورتیں بھی مردوں کی طرح بگڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ ان کے پاس بھانت بھانت کے جرائم پیشہ اور مشتبہ لوگوں کی آمدورفت رہتی ہے۔ آئی بی والوں نے اپنی اصلیت ظاہر کیے یا اپنے اصل کاموں کا راز فاش کیے بغیر' کسی حیلے بہانے سے اس عورت کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا ہوگا۔ ہمیں اس کو نظرانداز کرنا ہوگا۔"

میری اس وضاحت سے غزالہ کچھ مطمئن ہوگئی۔ اس نے سہلاتے ہوئے کہا "یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ ہماری کسی لغزش کی وجہ سے وہ تینوں اس عورت کی تمام ہمدردیوں سے محروم ہوسکتے ہیں۔"

"بس! اب تم بات کی تہ تک پہنچ گئیں' اسی لیے میں محتاط ہوں۔"

"پھر اب کیا ہوگا؟" ذہن سے ایک الجھن دور ہوجانے کے بعد غزالہ دوبارہ اپنے بالوں کو سکھانے میں مصروف ہوگئی۔

"اس نے ایک بجے کا وقت دیا ہے" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "میں دوبارہ اسے فون کروں گا۔"

"دوبارہ نہیں' تیسری بار!" غزالہ نے مسکراتے ہوئے تصحیح کی "ایک بجے آپ کمرے سے نیچے جاکر پبلک بوتھ استعمال کریں گے تو کسی کو شبہ نہیں ہوگا؟"

"بستر اور چارپائی والے ہوٹلوں میں رات گئے کی نقل وحرکت مشتبہ سمجھی جاتی ہے۔ بڑے ہوٹلوں میں ساری رات ہر قسم کی مصروفیات جاری رہتی ہیں۔ کوئی کسی کی طرف آنکھ بھی نہیں اٹھاتا۔ ویسے مجھے نیچے جانے کی ضرورت نہیں رہی۔ کمرے کا فون سی ایس ڈی کی وجہ سے محفوظ ہے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی پھر بولی "ہاں' بڑے ہوٹلوں میں زیادہ تر بڑے لوگ آتے ہیں۔ ان میں بزنس مین بھی ہوتے ہیں اور بڑے افسر بھی۔ ان بڑے لوگوں کے مسائل بڑے ہوتے ہیں جو انہیں بے خوابی کے مرض میں مبتلا کردیتے ہیں۔ رات بھر وہ خود سوتے ہیں' نہ ہوٹل کے عملے کو اپنے فرائض سے غافل ہونے کا موقع دیتے ہیں' ان کی آڑ میں کوئی ہم جیسے لوگوں کے لیے بھی آسانیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔"

غزالہ کے چہرے پر اور آنکھوں میں شرارت ہی شرارت چمک رہی تھی۔ میں نے لپک کر بے ساختہ اس کے

Downloaded from https://paksociety.com

گیلے بال نرمی سے اپنی مٹھی میں لیے اور اس کے وجود کی حلاوت و حرارت لبوں کے راستے میرے پورے وجود میں سکون کی ایک لہر کی طرح سرایت کر گئی۔

"آج کی رات ہم دہلی کے بڑے ہوٹل میں ہیں اور اسے بڑے لوگوں کی طرح گزاریں گے" میں اسے دھمکی دیتا ہوا باتھ روم میں گھس گیا۔

امرتسر سے دہلی تک ٹرین کا سفر خاصا طویل تھا۔ بھارت کے عام شہری اپنی سپر فاسٹ ٹرینوں کی رفتار اور سہولتوں پر فخر کرتے ہیں مگر سفر پھر سفر ہی ہوتا ہے۔ ٹرین کی بوگی میں راستے کی دھول اور گرد و غبار نہ ہونے کے باوجود اس سفر کی تکان اپنی جگہ پر تھی جو ٹھنڈے پانی تیز دھاروں میں غسل کیے بغیر پیچھا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ غزالہ کے بھیگے ہوئے چہرے اور بالوں کے قریبی مشاہدے کے بعد میری غسل کرنے کی خواہش شدید تر ہو چکی تھی۔ میں نے باتھ روم کا دروازہ بولٹ کرتے ہی کپڑوں کے بوجھ سے چھٹکارا حاصل کیا اور پوری رفتار سے شاور کھول دیا۔

غزالہ بہت سمجھ دار اور سگھڑ بیوی تھی۔ میرے نہانے تک وہ میرے لیے کپڑوں کا ایک آرام دہ جوڑا تیار کر چکی تھی جو کرتے اور پاجامے پر مشتمل تھا۔ اس سفر کے لیے میں نے خاص طور پر ایسے دو جوڑوں کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ میں نے نہ جانے کس سے سنا تھا کہ پنجاب کے بعض علاقوں کے سوا پورے بھارت میں مرد شلوار استعمال نہیں کرتے۔ وہ پسناوا صرف عورتوں کے لیے مخصوص تھا۔

ہم تینوں غیر قانونی طور پر سرحد عبور کر کے پاکستانی سرزمین سے بنگلو کے ساتھ امرتسر پہنچے تھے مگر ہمارے پاس باضابطہ پاکستانی پاسپورٹ موجود تھے جن پر بھارت کے وہ خاص ویزے بھی لگے ہوئے تھے جن کے تحت ہم بھارت کے چار شہروں میں قیام کر سکتے تھے۔ ہمیں ان شہروں میں اپنی آمد اور روانگی کا پولیس میں اندراج کرنے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔

ان سفری دستاویزات کے ہوتے ہوئے ہم اپنی پاکستانی شناخت کو نہیں چھپا سکتے تھے۔ دہلی کے ہوٹل میں کمرا لیتے ہوئے بھی ہم نے اپنے پاسپورٹ متعلقہ کلرک کو دکھائے تھے۔ اس کے باوجود میری ہر شعوری کوشش تھی کہ بھارت میں قیام کے دوران میں ایسا لباس اور رہن سہن اختیار کیا جائے کہ عام لوگ پہلی ہی نظر میں ہماری قومیت کا اندازہ نہ لگا سکیں۔ سامان دستی اور مختصر سا تھا مگر میں نے اس میں شب خوابی کے لیے کرتے پاجامے کی شمولیت کا دھیان رکھا تھا۔ وہ کپڑے ایسے تھے کہ میں انہیں باہر آمد و رفت کے لیے بھی بلا تکلف استعمال کر سکتا تھا۔

"ہمیں ہوٹل آئے خاصی دیر ہو چکی ہے" میرے نہا کر نکلنے پر غزالہ نے مسکراتے ہوئے اپنا خیال ظاہر کیا "اب ویرا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہوگا۔ وہ کمرے میں بیٹھی ہم دونوں پر دانت پیس رہی ہوگی۔"

"ہمیں اس کا اور اسے ہمارا خیال رکھنا تھا۔ یہ اس کی غلطی تھی کہ وہ اسٹیشن کی بھیڑ میں پیچھے رہ گئی۔ ہمارے ساتھ ساتھ ہوٹل پہنچتی تو اسے بھی ہمارے کمرے کا نمبر معلوم ہو جاتا۔ اس کی بے خبری میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے" میں نے جواب دیا۔

"وہ دیر سے ضرور پہنچی مگر اس نے دیکھ لیا تھا کہ میں لابی میں اس کی آمد کی منتظر تھی!"

"ٹھیک ہے۔ وقت ملے گا تو نیچے لابی میں رکھے ہوئے انٹر کام سے اس سے بات کر لوں گا" میں نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اپنے بال سنوارتے ہوئے کہا "ایک دو دنوں تک کمروں سے باہمی رابطہ مناسب نہیں رہے گا۔"

دروازے پر دستک ہوئی اور غزالہ کی بلند آہنگ کم ان پر ہوٹل کی روم سروس کی ایک ساری پوش ویٹریس کھانے ٹرالی سمیت ہمارے کمرے میں داخل ہو گئی۔ میری مستفسرانہ نگاہیں بے اختیار غزالہ کے چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔

"بھوک لگ رہی تھی' میں نے آرڈر دے دیا" غزالہ نے وضاحت کی اور طرح دار ویٹریس کے ساتھ میز لگانے میں مصروف ہو گئی۔

میری کیفیت غزالہ سے مختلف نہیں تھی۔ نہاتے ہوئے بھی میرے پیٹ میں چوہے دوڑتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے مگر میرے ذہن میں ہوٹل کا کھانا کھانے کا کوئی خیال نہیں تھا۔ مجھے امید تھی کہ اتنی رات گئے بھی کناٹ پلیس میں اشیائے خورونوش کی دکانیں کھلی ہوئی ہوں گی۔ ہم دہلی کی تازہ اور کھلی ہوا میں وہاں کے ماحول سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ کہیں شکم پری بھی کر لیں گے۔

غزالہ پر شاید تکان کا غلبہ تھا۔ اسے تفریح کے بجائے آسان اور سیدھا راستہ سوجھا اور وہ اس پر عمل کر گزری۔

کھانے کے دوران میں گفتگو جاری رہی۔ غزالہ کا رویّہ کبھی کبھی میرے لیے ناقابل فہم سا ہو جاتا تھا۔ وہ ویرا کی بعض حرکتوں سے نالاں رہتی تھی مگر کبھی کبھی اس کے لیے ضرورت سے زیادہ فکرمند نظر آنے لگتی تھی۔ بات ویرا سے شروع ہو کر پھیکے کھانے کے ذائقے کی طرف گھوم گئی۔ غزالہ نے دو مختلف ڈشیں منگوائی تھیں اور دونوں میں دہلی کا مشہور چٹخارا مفقود تھا۔ خاص طور پر کوفتوں میں سارے مسالے موجود تھے مگر ان کی مقدار نہ ہونے کے برابر تھی۔

مرچ مسالوں کی اس احتیاطی کمی کا سبب جلد واضح

Downloaded from https://paksociety.com

ہوگیا۔ بھارت میں تاریخی اور سیاحتی مقامات کی کمی نہیں تھی۔ تین ہزار سال سے زائد قدیم اس ملک میں سیاحوں کے لیے بڑی کشش تھی۔ ہر بھارتی حکومت بھی زرمبادلہ کی خطیر آمدنی کے لیے اس شعبے کی بھرپور تشہیر کرتی رہی تھی۔ یوں بھارت میں ہر سال یورپی سیاحوں کی ایک بڑی تعداد آتی تھی۔ ان کے لیے دہلی اور اس کے قرب وجوار میں بہت کچھ بکھرا ہوا تھا۔ پرانا قلعہ 'لودھی گارڈن' قطب مینار' لال قلعہ' جامع مسجد' چاندنی چوک' راج گھاٹ سے آگرہ کے تاج محل تک سب ہی قابل دید مقامات تھے۔ بڑی تعداد میں آنے والے گوروں کے لیے بھارت کے فائیو اسٹار ہوٹل بہت سستے تھے کیونکہ ڈالر اور پونڈ اسٹرلنگ کے مقابلے میں اس کی شرح کبھی اوپر نہیں جاسکی تھی۔ ان کی خوشنودی کے لیے مقامی کھانوں میں یورپی معیار کا پھیکاپن پیدا کرنا ناگزیر تھا۔ وہ ایک معیاری ہوٹل تھا۔ ہوٹل والے ایک وقت میں ایک ہی ڈش کے دو ذائقے نہیں بنا سکتے تھے۔ ہم جیسے مسالا خوروں کو اکلوتے معیار پر گزارہ کرنا پڑا۔

وہ ہماری بنیادی ضروریات تھیں۔ ان سے فارغ ہوکر میں آرام کرسی پر نیم دراز ہوگیا۔ غزالہ نے کمرے میں موجود منی بار کہلانے والے چھوٹے سے ریفریجریٹر میں سے کوکا کولا کا ٹن نکالا تو خوش ہوگئی کہ اس میں ویرا کے گزارے کے لیے بہت کچھ موجود تھا۔

اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بجے تھے۔ میں نے ہوٹل کی بارونق لابی کا ایک چکر لگانے کا ارادہ ظاہر کیا تو غزالہ بھی آمادہ ہوگئی۔ اس وقت تک میرے شب خوابی کے کپڑے شکن آلود نہیں ہوئے تھے۔ میں لابی میں گوروں سے مقامیوں تک کو ایسے بھانت بھانت کے لباسوں میں دیکھ چکا تھا کہ ہوٹل میں فینسی ڈریس شو کا گمان ہورہا تھا۔ ہم دونوں کمرا مقفل کرکے نیچے چل دیے۔

گھومنا پھرنا اور زندگی کی تمام تر رعنائیوں سے لطف اندوز ہونا سیاحت کا بنیادی اصول ہے۔ ہوٹل کی بھری ہوئی لابی میں سب اسی اصول پر کاربند تھے۔ خوب صورت اور رنگارنگ جسموں سے پھوٹتی ہوئی مسحور کن خوشبوؤں' نقرئی قہقہوں اور دبی دبی آوازوں کی ملی جلی گونج سے وہاں ایک عجیب سا سماں بندھا ہوا تھا۔ ہوٹل کے کسی حصے سے موسیقی کی ہلکی لہریں ہوا کے دوش پر تیر رہی تھیں۔ یہ اندازہ ہی نہیں ہورہا تھا کہ رات اتنی گزر چکی تھی۔

بھارت ایک غیر مذہبی ریاست ہونے کا دعوے دار ہے۔ وہاں سرکاری سطح پر کھل کر ہندو اکثریت کی پشت پناہی کی جاتی ہے۔ مسلمان' سکھ اور عیسائی اقلیتیں کبھی بھی ان کے عتاب سے محفوظ نہیں رہیں۔ بابری مسجد کو شہید کردیا گیا۔ تاریخ سے انحراف کرکے قطب مینار کے سائے میں مسجد قوت الاسلام میں پوجا کی سرتوڑ کوششیں جاری ہیں۔ گردوارے مسمار کیے گئے۔ گولڈن ٹیمپل کو بھارتی فوجیوں کے جوتوں سے روندا گیا۔ اس کے درودیوار میں اب بھی کہیں کہیں بھارتی سورماؤں کی چلائی ہوئی گولیاں مدفون ہوں گی۔ گرجوں کے ساتھ زندہ عیسائیوں کو نذر آتش کیا گیا۔ ان مذموم حرکتوں کے باوجود بھارتی حکومتیں ہمیشہ مذہبی رواداری اور سیکولرازم کے نعرے لگاتی رہی ہیں اور ان کے مغربی حواری اپنی آنکھیں موند کر دنیا کی اس سب سے بڑی جمہوریت کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے ہیں۔ وہ سب تلخ زمینی حقائق اپنی جگہ پر تھے۔ اس وقت میں یہ دیکھ رہا تھا کہ کم وبیش ہر میز پر پیمانے گردش میں آئے ہوئے تھے۔ ہوٹل کے بار میں جو کچھ ہورہا ہوگا' اس کی جھلکیاں لابی تک میں نظر آرہی تھیں۔

شراب کو دنیا کے کسی آسمانی یا خودساختہ مذہب میں اچھا قرار نہیں دیا گیا۔ آسمانی مذاہب سختی سے اس کی تنقیص کرتے ہیں مگر بھارت میں مذہبی رواداری کے نام پر اگر کوئی حقیقی آزادی میسر تھی تو وہ صرف شراب پینے کی آزادی تھی۔ اس سے آگے رواداری کے دروازے بند تھے۔

جو چاہو اور جتنی چاہو' پیو۔ پاکستان کے برعکس بھارت

نفسیاتی مسائل سے جان چھڑایئے

اپنے اور اپنے پیاروں کے نفسیاتی مسائل' روزمرہ فکروپریشانیوں' ٹینشن' ڈپریشن سے نجات اور نفسیاتی تجزیے کیلئے ماہنامہ "نفسیات" کے نفسیاتی مشیر اور ماہنامہ "نفسیات اور زندگی" اور "جیون ساتھی" کے ایڈیٹر ماہر نفسیات عابد حسین بلال

پی ایچ ڈی (اسلام) سی۔ڈی۔سی۔پی۔ (پاک) سی۔سی۔پی (پاک)
فیلو رائل سوسائٹی آف ہیلتھ (یوکے)
ممبر انٹرنیشنل کونسل آف سائیکالوجسٹس (امریکہ)
انٹرنیشنل فیلی ایٹ امریکن سائیکالوجیکل ایسوسی ایشن (امریکہ)

سے رہنمائی اور مشورہ حاصل کیجئے

پی او بکس 2330 لاہور

Email: ahbilal2330@yahoo.com

اپنا مسئلہ کاغذ کے ایک طرف لکھ کر جوابی لفافے کے ساتھ بھیجئے

Downloaded from https://paksociety.com

میں کھلی اجازت ہے۔ کسی ایک آدھ صوبے میں مقامی پابندی ہو تو ہو' دہلی کے اس ہوٹل میں بیشتر مہمان اور سیاح اس آزادی کے طفیل ہلکی یا گہری ترنگ میں نظر آرہے تھے۔

"یہاں تو دن نکلا ہوا ہے۔ ہم بلاوجہ اپنے کمرے میں گھسے ہوئے تھے" غزالہ نے میرے کان کے نیچے سرگوشی کی۔

"یہ سیاحت کا سیزن ہے۔ گرمیاں ہوتیں تو اس وقت بھی یہاں لو چل رہی ہوتی۔ دہلی سمندر سے تقریباً ایک ہزار فٹ اونچے میدانی علاقے میں واقع ہے۔ یہاں کی گرمی اور سردی دونوں ہی اپنی انتہا پر ہوتی ہیں۔ یہ ساری رونق موسم کی وجہ سے نظر آرہی ہے۔ گرمیوں میں یہاں کے ائرکنڈیشنڈ ہوٹل بھی بھائیں بھائیں کرتے نظر آتے ہوں گے" میں نے انٹرکام والے گوشے کی طرف اپنی راہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

ہم اپنی منزل تک پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ اچانک ویرا ہمیں اپنی طرف آتی ہوئی نظر آئی۔ اس نے دور ہی سے ہمیں دیکھ لیا تھا اور پرجوش انداز میں' فضا میں ہاتھ ہلاتی ہوئی ہماری طرف چلی آرہی تھی۔ اس کے بشرے پر تشویش یا پریشانی کا شائبہ تک نہیں تھا۔

جب تک وہ ہماری نظروں سے اوجھل تھی' غزالہ اس کی فکر میں گھلی جارہی تھی۔ اسے یوں اچانک نمودار ہوتے دیکھا تو غزالہ کا برا سا منہ بن گیا۔ وہ جلے بھنے لہجے میں کہہ رہی تھی "یہ چین سے کہیں ٹک کر بیٹھنے والی مخلوق نہیں ہے۔ میں بلاوجہ اس کے بارے میں فکرمند ہو رہی تھی۔"

میرے ذہن کے کسی گوشے میں ویرا سے ایسے اچانک ٹکراؤ کا اندیشہ موجود تھا۔ مجھے اس کے نظر آنے پر حیرت نہیں ہوئی مگر اس کے چہرے کے تاثرات نے مجھے پریشان کردیا۔ وہ ہوٹل کے اندرونی حصے کی طرف سے آرہی تھی جہاں بار' ریستوران اور کیفے واقع تھے۔ اس کا گورا چٹا اور دل آویز چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تیرتے ہوئے' خمار کے گہرے سرخ ڈورے اس غیر معمولی تمتماہٹ کے سبب کی نشاندہی کررہے تھے۔ شاید وہ اپنے کمرے میں زیادہ دیر تک نہیں ٹکی تھی۔ کمرے کے منی بار میں موجود مشروبات کو اپنی ضروریات کے لیے ناکافی سمجھتے ہوئے ہوٹل کے بار میں جا گھسی تھی۔ یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ بار سے شکم سیر ہو کر باہر نکلی تھی اور ہم اتفاقاً اسے نظر آگئے یا پھر نشے کی رو میں ہی اسے ہماری تلاش کا دھیان آگیا تھا۔

اس کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے میری روح فنا ہوگئی۔ نشے کی جھونک میں وہ والہانہ انداز میں دور ہی سے ڈینی کا نعرہ بلند کردیتی تو بہت سے لوگ چونک کر ہماری اور اس کی طرف متوجہ ہوسکتے تھے۔

میں نے اسے ایسی کسی حرکت سے باز رکھنے کے لیے اضطراری انداز میں جواباً اپنا ہاتھ لہرایا اور اسے گردن سے اپنی طرف آنے کا اشارہ کرتا ہوا ایسی سمت میں ہولیا جہاں رونق کے باوجود تخلیے کی کچھ نہ کچھ گنجائش موجود تھی۔

بڑے بڑے' گہرے سبز پتوں والے پودوں کے گملوں کے درمیان ویرا ہمارے پاس پہنچ گئی۔

"ہائے ڈارلنگز! تم دونوں کہاں غائب ہو؟" اس نے ہمارے قریب آتے ہی والہانہ لہجے میں کہا۔ اس کے سانسوں سے اعلیٰ درجے کی اسکاچ کی تیز بو آرہی تھی۔ نشے میں ہونے کے باوجود اس کا دماغ پوری طرح کام کررہا تھا۔ اس نے ہم دونوں میں سے کسی کا نام لینے کی حماقت نہیں کی۔ وہ سلیس اور شستہ اردو کے بجائے خالص امریکی لب ولہجے میں انگریزی بول رہی تھی۔ اس نے اپنے دہانے سے الکحل میں رچا ہوا ایک گہرا سانس خارج کرکے اپنی بات جاری رکھی "تم دونوں کے فراق میں' میں کافی دیر سے کسی کٹی ہوئی آوارہ پتنگ کی طرح پورے ہوٹل میں چکراتی پھر رہی ہوں۔"

"تم نشے میں ہو' اپنے کمرے میں جاؤ" میں نے اسے گھورتے ہوئے' کچی آواز مگر سخت لہجے میں حکم دیا "میں انٹرکام پر تم سے بات کروں گا۔ یہاں رکی رہیں تو تم تھوڑی دیر میں واقعی چکرانا شروع کردو گی اور تماشا بن جاؤ گی۔"

"اوکے!" اس نے اپنے داہنے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں ملا کر انہیں اپنے گلابی ہونٹوں سے چوما اور وہ ہاتھ فضا میں میری طرف اچھال دیا "تم کہتے ہو تو واپس چلی جاتی ہوں ورنہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں الکحل کی مچھلی ہوں۔"

اس نے ہم میں سے کسی کے جواب کا انتظار نہیں کیا اور ترنگ کے انداز میں اپنی لچکیلی کمر کو بل دیتی اور کولھے مٹکاتی ہوئی اس طرح واپس چل دی جیسے ہماری طرف آئی تھی۔ میں نے وہ ناگہانی بلا ٹل جانے پر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔

"یہ کمینی بہت اچھی اور دلیر عورت ہے مگر اپنی بے تحاشا شراب نوشی کی وجہ سے ایک نہ ایک دن ماری جائے گی" غزالہ کی اس سرگوشیانہ خودکلامی سے بیک وقت غم وغصے کا اظہار ہو رہا تھا۔ اسے ویرا کی حرکتوں پر غصہ تھا اور وہ اس کے متوقع انجام کی طرف سے مغموم تھی۔

"این مرگی تو تمہارے سر سے بہت بڑا بوجھ ہٹ جائے گا" میں نے دھیرے سے غزالہ کو چھیڑا۔

"میں اتنی خودغرض نہیں ہوں کہ اس کی موت کی آرزو کرنے لگوں۔ جس دن آپ کی ذات پر میرا اعتماد کمزور ہوا' میں ایسی کسی اخلاقی پستی میں جا گروں گی' مجھے آپ پر اور آپ کی چاہت پر ناز ہے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کبھی میرا یہ مان نہیں توڑیں گے۔"

دہلی کے ہوٹل کی بارونق لابی میں چلتے چلتے غزالہ نے بڑی رسانیت سے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی تھی جو وہ میرے

Downloaded from https://paksociety.com

ساتھ برسوں کی خلوت میں بھی اپنی زبان پر نہیں لا سکی تھی۔ میرے وجود میں بہ یک وقت سیکڑوں ننھی ننھی سی سوئیاں چبھنے لگیں جو تیزی سے اور بار بار اپنا مقام تبدیل کر رہی تھیں۔

غزالہ کو مجھ پر اور میری چاہت پر بڑا مان تھا۔ یہ بات درست تھی کہ میں اسے ٹوٹ کر' دل و جان سے چاہتا تھا مگر میرے دل میں چور تھا۔ میرا دامن داغ دار تھا۔ اس سے بے پناہ محبت ہونے کے باوجود میں ویرا کے چنگل میں پھنستا رہا تھا۔ شاید یہ مردانہ سرشت کا قصور تھا کہ وہ عورت سے سچی وفا کا خواہاں رہتا ہے مگر خود چوری چھپے ہرجائی پن کے کھیل کھیلتا رہتا ہے۔

مردوں سے مغلوب معاشروں میں طوائف کا وجود ابتدا سے ہی نظر آتا ہے۔ وہ ہیشہ اور ہر دور میں امرا اور شرفا کی منظور نظر رہی۔ یہ وہاں سب جانتی اور سمجھتی ہیں کہ بالا خانوں میں یا کال گرلز کے گھر جانے والے شوہر کن دھندوں میں ملوث ہوتے ہیں مگر خاموش رہتی ہیں۔ عورت ابتدائے تاریخ سے مرد کا یہ ظلم شاید صرف اس لیے سہتی آ رہی ہے کہ وہ اسے مرد کی سرشت یا فطرت ثانیہ سمجھتی ہے۔ عورتوں نے اس زیادتی سے دل برداشتہ ہو کر کبھی ایسے بازاروں کا تصور نہیں کیا جہاں بنی سنوری عورتوں اور لڑکیوں کے بجائے بانکے اور سجیلے مرد' بازار میں آنے والیوں سے اپنے جسموں کا سودا کرتے ہوں۔

میرے دماغ میں ایک آندھی سی چل پڑی تھی۔ میرے اپنے وجود میں چھپی ہوئی کوئی نادیدہ قوت مجھے پر زور ملامت کر رہی تھی کہ میں غزالہ جیسی معصوم' پاک باز اور وفا شعار بیوی کے ساتھ دغا کرتا رہا ہوں۔ مگر میرا ذہن اس ملامت سے بچنے کے لیے بہت سی تاویلیں بھی گھڑ رہا تھا۔ اس کشمکش میں میری کسی کوشش کا دخل نہیں تھا۔ وہ خود احتسابی کا ایک خود کار عمل تھا جو ہر باضمیر شخص کے دل و دماغ میں ہر وقت جاری رہتا ہے مگر بیشتر لوگ محض مادی کامیابیوں اور اپنی انا کی تسکین کے لیے' اپنے سانسوں کی لڑی سے جڑے ہوئے کمپیوٹر کے اس حسابی عمل کو ڈھٹائی سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔

سچ اور جھوٹ' صحیح اور غلط کو ناپنے کا پیمانہ ہر انسان کے اپنے وجود کے کسی نہاں خانے میں پیدائشی طور پر پوشیدہ ہوتا ہے مگر عورت کی ہوس' پیسے کی طمع اور زمین کے لالچ میں اس پیمانے سے رجوع کرنے والوں کی تعداد روز بہ روز گھٹتی جا رہی ہے۔ اس لمحے مجھے خوشی کا ایک موہوم سا احساس بھی ہوا۔ میں کوئی مکمل انسان نہیں تھا۔ اپنے گرد و پیش میں سانس لیتے ہوئے' دوسرے لاکھوں انسانوں کی طرح بہت سی خرابیوں اور خامیوں کا مجموعہ تھا۔ میرا شمار ان لوگوں میں تھا جنہوں نے پاکستان کی سرزمین پر ہیروئن جیسے ہولناک نشے کو متعارف کرانے اور پھر پھیلانے کے لیے موت کے سفاک سوداگروں سے اپنی مجبوریوں کا سودا کر لیا۔ میں نے بازار میں روایتی منشیات کا مصنوعی قحط پھیلا کر ہیروئن کی متبادل پڑیاں مفت تقسیم کیں' پھر ان کے دام مقرر کیے اور یوں اس گھناؤنے کاروبار کے فروغ میں ایک ناقابل معافی کردار ادا کیا لیکن وہ سب میری بے خبری کی کہانیاں تھیں۔

جب تک میں ہیروئن کی بلا خیزی' مہلک گرفت اور تباہ کاری سے بے خبر تھا۔ میں اس بھٹی کا ایندھن بنا رہا لیکن جب مجھ پر ہیروئن کے بھیانک اسرار کھلنے شروع ہوئے اور میں نے اس نشے کے ماروں کا عبرت ناک انجام اپنی آنکھوں سے دیکھا تو میں بہت تیزی کے ساتھ اس جنس سے متنفر ہوتا چلا گیا۔ رفتہ رفتہ میری یہ خود آگاہی اتنی بڑھی کہ میں اپنی جان پر کھیل کر شی جیسی منظم اور بے رحم تنظیم سے بغاوت کر بیٹھا۔

میں نے انسانی سرشت کے عین مطابق غلطیاں بلکہ بھیانک غلطیاں کی تھیں مگر حقیقت کا ادراک ہونے پر ان سے تائب ہوتا چلا گیا تھا۔ میں نے موت کی سوداگری سے

زندگی بنانے اور سنوارنے والی تحریروں سے آراستہ

ماہنامہ
نفسیات اور زندگی

- آپ کی نفسیاتی الجھنوں کا حل
- اپنے بارے میں جاننے کے لیے سوالنامے
- زندگی ساز اور حیات آفرین کتب کے تراجم
- نامور شخصیات کا فلسفہ کامیابی اور حالات زندگی
- شخصیت کو پرکشش بنانے کے طریقے
- بچوں کی پرورش اور تربیت کے لئے رہنمائی
- تعلیمی مسائل کا حل اور کیریئر کونسلنگ
- نفسیات کے طلباء و طالبات کیلئے تازہ ترین تحقیقات
- ازدواجی نفسیات' پامسٹری اور ہپناٹزم کے مستقل سلسلے

اور وہ سب کچھ جو خوبصورت اور خوشگوار زندگی کے لئے آپ پڑھنا چاہیں

قریبی بکسٹال یا براہ راست ہم سے طلب کریں

لاہور: 11۔اے' سینٹ فلور' 87 ڈی ماڈل فون: 6311022

کراچی: 16 جی' رضویہ سوسائٹی' ناظم آباد فون: 627628

Downloaded from https://paksociety.com

قطع تعلق ہی نہیں کیا تھا بلکہ اس کے انسداد کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا تھا۔ میرے دل کے کسی گوشے میں امید کا ایک دیا ٹمٹماتا رہتا تھا کہ شاید میری ان کوششوں سے میرے تاریک ماضی کا کچھ ازالہ ہوسکے۔

یہی کچھ معاملہ ویرا اور غزالہ کے ساتھ تھا۔ ویرا کے ساتھ میری دوستی بہت پرانی تھی۔ وہ بے مہار دوستی تھی جس میں آزادی کی کوئی حد نہیں تھی۔ ویرا نے میرے اور میرے مشن کے لیے اپنے باپ جمی لائیڈ' اس کی بنائی ہوئی شی اور امریکی معاشرے تک کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ ویرا کے اس انتہاپسندانہ رویّے کی وجہ سے میرے اور اس کے درمیان ہر فاصلہ مٹ کر رہ گیا تھا۔

جب تک میں نے مکاؤ کے ڈون کے دباؤ میں آکر غزالہ سے شادی نہیں کی تھی۔ میں ویرا کی خوشی اور خوشنودی کے لیے اس کی ہر فرمائش پر اپنا سر تسلیم خم کرتا رہا۔ سچ تو یہ ہے کہ ابتدائی دنوں میں شی کی پراسرار بلیک کوئن کو مسخر کرنا میرا بھی ایک خواب تھا اور جب ویرا کسی پکے ہوئے پھل کی طرح میری جھولی میں آگری تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔ وقت کے ساتھ ساتھ میرا اور ویرا کا تعلق گہرا ہوتا چلا گیا۔ غزالہ میری شریک حیات بن گئی لیکن ویرا کا میری زندگی میں عمل دخل ختم نہ ہوسکا۔

میں ہوٹل کی لابی میں راستہ طے کرتے ہوئے نہ جانے اور کیا کچھ سوچتا رہتا کہ غزالہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا "آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ بار بار لوگوں سے ٹکرا رہے ہیں۔ کوئی گلے پڑگئی تو ہنگامہ کھڑا ہوجائے گا۔"

اس کی سرگوشیانہ تادیب پر میں ہڑبڑا کر سنبھل گیا۔ قریب ہی دیوار گیر شیلف پر دھندلے شیشے کی رکاوٹوں کے درمیان متعدد انٹرکام رکھے ہوئے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ ویرا اتنی دیر میں اپنے کمرے میں پہنچ چکی ہوگی۔

"تم نیچے کیا کرتی پھر رہی تھیں؟" انٹرکام پر رابطہ ہوتے ہی میں نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"تمہاری تلاش تھی۔ کمرے میں بیٹھے بیٹھے وحشت ہونے لگی تھی۔ تم کس کمرے میں ٹھہرے ہوئے ہو؟" اس نے میرے لہجے کو یکسر نظرانداز کردیا تھا۔

میں انٹرکام پر زیادہ بات کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ میں نے اسے اپنے کمرے کا نمبر بتانے کے بعد انتظار کی ہدایت کی اور کہا "کسی انتہائی ناگزیر مجبوری کے بغیر تم نے ہمیں فون کیا تو ہم خاموشی سے اپنا ٹھکانا بدل لیں گے۔ یہ نہ بھولو کہ تمہیں ہم سے دور اور الگ تھلگ رہنا ہے۔"

"تم بے فکر رہو۔ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے" اس کی سرور میں ڈوبی ہوئی' بے پروایانہ آواز ابھری "مجھے صرف روم نمبر معلوم کرنے کی حد تک تجسس تھا۔ اب میں دور رہ کر بھی مناسب طور پر تمہاری خبرگیری کرسکوں گی۔"

"جو چاہو کرتی رہو' ہمارے سروسز پر مسلط ہونے کی کوشش نہ کرنا" یہ کہہ کر میں نے انٹرکام بند کردیا۔

ہوٹل کے نچلے فلور پر غزالہ کا دل لگ رہا تھا۔ وہ وہاں کسی پرعافیت گوشے میں بیٹھ کر کافی کا ایک کپ پینے کی خواہاں تھی۔ مگر میری رسٹ واچ کی سوئیاں تیزی سے ایک بجے کی طرف اپنا سفر طے کررہی تھیں۔ میں اس کی فرمائش کو نظرانداز کرکے لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

"وہ بات ادھوری رہ گئی تھی" غزالہ نے اپنے فلور پر لفٹ سے اترنے کے بعد پوچھا "آپ کہہ رہے تھے کہ کمرے کا فون محفوظ ہے تو پھر اس بات سے پہلی بار بات کرتے ہوئے لائن کیوں ڈراپ ہوئی تھی؟"

"عورت نے مجھے ہولڈ کرایا تھا۔ گریٹ ڈین نے ایکس ٹینشن اٹھائی تھی۔ دوسری طرف بے بی۔ وقت دو لائنیں استعمال کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس وجہ سے سی ایس ڈی نے اپنا کام دکھادیا۔ ہوٹل والوں کی طرف سے میری کال میں کوئی مداخلت نہیں کی گئی تھی۔"

"خدا کا شکر ہے کہ یہ ایمرجنسی بھی دور ہوگیا ورنہ آپ کو بار بار کمرے سے نیچے دوڑ لگانی پڑتی" غزالہ ایک گہرا سانس لے کر بولی "میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ ہوٹل ہی ہمارے قیام کے لیے مخدوش ہے۔ ان لوگوں نے آتے ہی ہم پر نظر رکھنی شروع کردی۔"

میں چابی کی مدد سے ہنسی قفل کھول کر کمرے میں داخل ہوگیا۔

ایک بجنے میں کچھ دیر باقی تھی۔ میں نے کسی حاجت کے بغیر' محض اضطراری انداز میں سگریٹ سلگائی اور کرسی کھینچ کر فون والی سائڈ ٹیبل کے قریب بیٹھ گیا۔ جلال کے کسی آدمی سے رابطے کے انتظار میں میرے اعصاب پر عجیب سا تناؤ طاری ہوا تھا۔

دہلی ہمارے لیے ایک اجنبی اور بے مہر شہر تھا جہاں ہمارا کوئی شناسا نہیں تھا۔ ہمارا فون مسلسل خاموش تھا۔ ٹھیک ایک بجے میں نے سی ایس ڈی کا سوئچ آن کرکے اسے فعال کردیا اور اپریٹس پر براہ راست لائن لے کر اس پراسرار عورت کا نمبر ملالیا جو بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی میرے لیے قابل اعتبار نہیں تھی۔ اس نے مجھے وقت دیا ہوا تھا اس لیے پہلی گھنٹی پر ہی اس نے دوسری طرف سے ریسیور اٹھالیا۔

وقت طے تھا۔ وہ میری آواز بھی پہچان گئی مگر اپنے کام میں اس قدر پکی تھی کہ ازخود بالکل نہیں کھلی۔ پوچھا "کیا بات ہے؟ کیوں فون کیا ہے؟"

Downloaded from https://paksociety.com

"تم نے گریٹ ڈین سے بات کرانے کے لیے کہا تھا؟" ں نے قدرے حیرت سے اسے یاد دلایا۔

"میں جو کہتی ہوں' وہ فون بند ہونے کے ساتھ ختم جاتا ہے۔ تم ہزار مرتبہ بھی فون کرو تو تم کو ہزار مرتبہ کوڈ ہوگا" اس نے ازراہِ کرم اپنے رویے کی وضاحت کرکے ی الجھن دور کردی اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی پتا نہیں کہاں بھاگا ہے۔ مجھے کہیں نہیں مل سکا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سینے پر گھونسا ید کردیا ہو۔ میں نے نیم مایوسی سے پوچھا "کپور تھلے کا س اور ریڈبل کہاں ہیں؟"

"ہاں! ریڈبل مل گیا تھا۔ لو' اس سے بات کرلو" عورت ٹ جواب سن کر میری جان میں جان آئی اور میرے دل دھڑکنیں یک لخت تیز ہوگئیں۔ بھارت کی سرزمین پر جس بیورو کے کسی سیکرٹ ایجنٹ سے میرا پہلا رابطہ نے والا تھا۔

چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میرے کانوں میں ایک ' روکھی اور سنجیدہ مردانہ آواز گونجی "ہاں' تم آگئے۔"

"تھوڑی دیر پہلے دہلی پہنچا ہوں اور تم سے ملنا چاہتا ں۔"

تم نے سرلا کو بتایا تھا کہ تمہارا فون کسی مداخلت سے ط ہے۔ یہ بات کہاں تک درست ہے؟" کام کی کوئی بات ع کرنے سے پہلے ریڈبل نامی وہ سیکرٹ ایجنٹ اپنا پورا نان کرلینا چاہتا تھا۔

"سوفیصد محفوظ ہے۔ ہم دونوں کی گفتگو میں مداخلت نے ہی فون کی لائن خود بہ خود کٹ جائے گی۔ پہلی بار یہی ا۔"

"کہیں تم سی ایس ڈی تو استعمال نہیں کررہے؟" اس بے ساختہ وہ سوال کرکے مجھے چونکا دیا۔

"تمہارا اندازہ درست ہے" میں نے اقرار کیا "تم ے باخبر معلوم ہوتے ہو۔"

"ضرورت سے زیادہ باخبر رہنا ہماری مجبوری ہے" وہ کہہ ا "اب تک مجھے یہ معلوم تھا کہ را کے بعض اہم آدمی یہ س استعمال کرتے ہیں۔ میرے لیے یہ نئی خبر ہے کہ ہم ی ریڈ آرمی سے یہ کار آمد آلہ حاصل کرلیا ہے....."

میں نے اس کی بات درمیان سے اچک لی "یہ باضابطہ یا گیا۔ را کے ایک مردے کی امانت ہے۔"

میرے نزدیک وہ وضاحت ضروری تھی ورنہ ریڈبل کے میں یہ بدگمانی جنم لے سکتی تھی کہ اس کے بڑوں نے ن سے آئے ہوئے ڈیٹی کو سی ایس ڈی فراہم کردی لیکن ی بازی لگاکر بھارت کے جنگم زار میں کودے ہوئے پرانے سیکرٹ ایجنٹوں کی ضرورتوں کو بالکل نظرانداز کردیا۔

آواز سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ریڈبل بہت خشک مزاج آدمی ہو لیکن میرے جواب پر اس کی ہلکی سی ہنسی کی آواز ابھری پھر وہ بولا "مردے کبھی لوٹا نہیں کرتے۔ اب یہ امانت تمہاری ہے۔ واپس جاتے ہوئے مجھے دے دینا۔ سنا ہے کہ بہت کام کی چیز ہے۔ اس کی موجودگی سے ہمارے لیے بہت آسانیاں پیدا ہوجائیں گی" سی ایس ڈی کے بارے میں سن لینے کے بعد وہ کھل کر بات کررہا تھا۔

"تم سے ملاقات کب ہوگی؟" میں نے اس کے مطالبے کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"کل کسی بھی وقت ہم مل سکتے ہیں مگر تمہاری اور گریٹ ڈین کی ملاقات زیادہ سودمند ہوگی۔ وہ خطرہ بھانپتے ہی ستھرا کی طرف نکل گیا تھا۔ اس سے بات ہوگی تو میں اسے فوراً واپس بلالوں گا۔ اس سے کل شام تک تمہاری ملاقات ہوسکے گی۔"

اس کی وہ بات قابل فہم تھی۔ ان تینوں نے شاید آپس میں کام بانٹے ہوئے تھے اور بھارتی سیکرٹ سروس کے پاکستانی ونگ کے سربراہ کی دیکھ بھال شاید گریٹ ڈین کے سپرد تھی۔ انل بسواس کے بارے میں وہی صحیح معلومات فراہم کرسکتا تھا۔

"وقت اور مقام کا تعین کون کرے گا؟" میں نے کوئی بحث چھیڑے بغیر سوال کیا۔

"تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو اور اس شہر سے کتنے واقف ہو؟" کچھ بتانے سے پہلے اس نے پوچھا۔

"انٹرکانٹی نینٹل میں۔ دہلی اور مریخ ہمارے لیے یکساں ہیں۔ یہاں سڑکیں اور راستے ہیں' وہاں شاید یہ سب نہیں ہیں۔"

"لطف آگیا' جو سنا تھا وہ درست پایا۔ زندہ دل لوگوں کے ساتھ زندگی کے لیے لڑنے میں مزہ آجاتا ہے" اس بار اس کی آواز میں جذبات کی ترنگ عود کر آئی "اس کا مطلب ہے کہ تم کناٹ پیلس کے قریب بڑا کھمبا روڈ پر ہو جو اندر راجیو چوک والی سڑک تک جاتی ہے۔ تم اندر چوک پر ٹورسٹ انفارمیشن سینٹر سے جانے والی سڑک پر جاؤ گے....."

میں نے ایک مرتبہ پھر اس کی بات کاٹ دی "شاید تم سمجھ رہے ہو کہ ہماری جیبیں خالی ہیں اور ہم پوری دہلی کی سڑکیں پیدل ناپیں گے۔ یہ خیال دل سے نکال دو اور مجھے جگہ بتاؤ۔ میں کوئی بھی سواری پکڑ کر مقررہ وقت پر اس جگہ پہنچ جاؤں گا۔"

"اوہ' سوری!" اس کی معذرت خواہانہ آواز ابھری "قطب روڈ سے بائیں طرف حضرت باقی باللہ کا مزار ہے۔ یہ

Downloaded from https://paksociety.com

مسلمانوں کا اکثریتی علاقہ ہے۔ قصاب پورہ یہاں کی مشہور بستی ہے۔ تم کل شام چھ بجے مزار کے دروازے پر پہنچ جانا۔ گریٹ ڈین وہیں ملے گا۔"

"وہاں زائرین آتے جاتے رہتے ہوں گے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو کیسے پہچانیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"اپنے بائیں ہاتھ میں سبز رومال رکھنا۔ یہی پہچان گریٹ ڈین کی ہوگی۔"

"سبز رومال میں کہاں ڈھونڈتا پھروں گا؟" میں نے اس رنگ پر الجھ کر سوال کیا۔

"کسی بھی گل فروش کی دکان سے سبز رومال تو کیا' چادر بھی مل جائے گی۔"

"ٹھیک ہے' پھر تم سے بھی کبھی ملاقات ہوگی۔ کل گریٹ ڈین کو میں وہیں ملوں گا۔"

"مجھے بھی تم سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے" ریڈبل کی آواز آئی "جلد ہی کوئی نہ کوئی موقع نکل آئے گا۔"

گفتگو کا وہ سلسلہ وہیں ختم ہوگیا۔ غزالہ صرف میری گفتگو سن رہی تھی لیکن اس کے چہرے سے اس بات کی خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی کہ جلال کے آدمیوں کا ابتدائی سراغ کھودینے کے بعد میں ان میں سے ایک سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

وہ کام بہت تیزی سے ہوا تھا۔ دہلی پہنچنے کے چند گھنٹوں میں مجھے ایک بڑی کامیابی حاصل ہو چکی تھی اور ہم دہلی میں اپنی پہلی رات سکون سے گزار سکتے تھے۔

اس وقت میرے بدن پر شب خوابی کا بے داغ لباس تھا۔ پیٹ بھر چکا تھا۔ میں اطمینان سے بستر پر دراز ہوگیا۔

"اب تم بھی بستر پر آنے کی تیاری کرو!" میں نے غزالہ کو دعوت دی۔

"سونے کا وقت ہوگیا ہے لیکن ویرا بے چاری وسوسوں میں گھری ہوئی ہوگی۔ اسے بتادیں کہ کل کے لیے پروگرام طے ہوا ہے۔ اس وقت تک فرصت ہی فرصت ہے۔ وہ سکون اور بے فکری سے اپنا وقت گزار سکے گی" غزالہ نے بہت خلوص سے مجھے مشورہ دیا "اس کی باخبری سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"اس وقت اسے اس کے حال پر چھوڑنا زیادہ بہتر ہوگا" میں نے سوچی سمجھی رائے دی "وہ ہماری مددگار بن کر یہاں آئی ہے۔ اسے ذرا بھی سن گن مل گئی تو وہ مجھ سے پہلے مزار پر پہنچی ہوئی ہوگی۔ کچھ پتا نہیں ہوتا کہ کب اس کی کھوپڑی کیا گل کھلائے گی؟"

تھوڑی سی ردوکد کے بعد غزالہ قائل ہوگئی۔ ویسے بھی ویرا اس وقت سرور میں تھی۔ ضرورت سے زیادہ مے نوشی کر لینے کے باوجود وہ کبھی بہکتی ہوئی نہیں دیکھی گئی تھی۔ اس کی زبان پر لکنت آجاتی تھی یا پھر اس کی بڑی بڑی آنکھوں کی بے داغ سفیدی میں خمار کے سرخ ڈورے تیرنے لگتے تھے۔ ایسی حالت میں اس کی ذہنی رو جس راہ پر لگ جاتی تھی' لگی رہتی تھی۔ اسے اپنے مشن کے بارے میں کچھ یاد دلانا کھلی حماقت کے مترادف تھا۔

ہم نے ہوٹل میں وہ رات اسی طرح گزاری جس طرح میں نے سوچا تھا۔ کمرے میں پھیلی ہوئی نائٹ لیمپ کی مدھم روشنی میں ہم دیر تک گزرے ہوئے دنوں کا جائزہ لیتے اور اپنے مستقبل کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے رہے۔ غزالہ بہت خوش تھی کہ میں بظاہر اپنے کاموں میں منہمک رہنے کے باوجود اپنی گھریلو زندگی کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ ایک سہانے اور پرسکون مستقبل کی آرزو میرے دل میں بھی پروان چڑھ رہی تھی۔

صبح سات بجے فون کی تیز گھنٹی سن کر میری آنکھ کھل گئی۔ غزالہ بدستور بے خبر سو رہی تھی۔ میں بیدار ہو ہی چکا تھا۔ میں نے سوچا کہ غزالہ کی نیند خراب نہ ہو۔ میں نے فون کی دوسری گھنٹی بجنے سے پہلے' پھرتی سے ریسیور اٹھالیا۔

دوسری طرف سے کسی خاتون کی مہذب اور شیریں آواز سنائی دی۔ وہ ہوٹل کی کسٹمر سروس کے شعبے سے معذرت خواہانہ انداز میں بتا رہی تھی کہ مجھے اپنے اور غزالہ کے پاسپورٹ کے ساتھ فوری طور پر اس کے دفتر میں پہنچنا تھا۔

اس کی ہدایت پریشان کن تھی۔ میں نے ناگواری سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے میری نیند میں مخل ہونے پر معافی چاہی اور بتایا کہ بعض نامعلوم وجوہ کی بنا پر دہلی کے دو پولیس افسران' ہوٹل میں مقیم پاکستانیوں کے کاغذات کی جانچ پڑتال کے لیے اس کے دفتر میں آئے ہوئے تھے۔ میں نے کسی نک چڑھے مہمان کی طرح بے وقت کی اس راگنی پر برہمی کا مظاہرہ کیا تو اس خاتون نے مجھے نیچے بلانے کے بجائے دونوں افسران کو میرے کمرے تک لانے کی پیش کش کر ڈالی۔

میں نے تیار ہو کر چند منٹ میں نیچے پہنچنے کا وعدہ کیا اور ریسیور رکھ دیا۔

میں چابی لے کر کمرے سے نکلا تو غزالہ بے خبر سو رہی تھی۔ مجھے کسٹمر سروس کے دفتر تک پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ وہ روشن اور آراستہ کمرا استقبالیہ کاؤنٹر کے عقب میں واقع تھا۔ وہاں گھومنے والی کرسی پر ایک نازک اندام اور خوش شکل خاتون براجمان تھی۔ اس کے سامنے میز کے پار دو باوردی پولیس افسران بیٹھے ہوئے تھے جو اپنے چہروں سے خرانٹ اور تجربے کار نظر آرہے تھے۔ ان کے

Downloaded from https://paksociety.com

سامنے وہ فارم پڑے ہوئے تھے جن پر ہوٹل والے مسافروں کے دستخطوں کے ساتھ جملہ کوائف کا اندراج کرتے ہیں۔ مجھ سے پہلے تین افراد وہاں موجود تھے۔ وہ اپنے خدوخال اور چہروں پر پھیلی ہوئی تشویش سے پاکستانی مسافر معلوم ہو رہے تھے۔ ویرا کے پاس بھی این کاویل کے نام سے پاکستانی پاسپورٹ تھا مگر وہ اس وقت تک وہاں نہیں پہنچی تھی۔

پختہ عمر کی خوش شکل خاتون نے ادب و احترام سے مجھے قطار میں بٹھادیا۔ میرے لیے وہ صورت حال بہت ناگہانی اور پریشان کن تھی۔ میں نے اپنے اعصابی ہیجان پر قابو پانے کے لیے سگریٹ سلگالی اور بیزاری سے دیوار گیر تصاویر کو گھورنے لگا مگر میرے کان میز پر ہونے والی گفتگو کی طرف لگے ہوئے تھے۔

وہ دونوں انسپکٹر سے بڑے عہدے کے افسر تھے۔ نظریہ آرہا تھا کہ وہ صرف کاغذات کی جانچ پڑتال نہیں کررہے تھے بلکہ مسافروں کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ ان کے سوالات چبھتے ہوئے اور ذاتی نوعیت کے تھے۔ وہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرنے والوں سے مخاطب تھے اس لیے ان کی گفتگو میں تہذیب اور شائستگی کا عنصر بہت غالب تھا۔ میری باری آنے سے پہلے مزید تین مسافر اس دفتر میں آپہنچے۔ ان میں ویرا بھی شامل تھی۔

ہر شخص کے چہرے سے کبیدگی کے آثار مترشح تھے۔ ویرا کی آنکھوں میں نیند کا گہرا خمار تھا۔ اس کا سارا نشہ ہرن ہوچکا تھا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی میرا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا لیکن ویرا نے کوئی غلطی نہیں کی۔ مجھے دیکھ کر بھی انجان بنی رہی اور عملے کی خاتون کے ایما پر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

پولیس افسران کے سوالات اور مسافروں کے جوابات میں ذہن نشین کرتا رہا۔ آخر میری بھی باری آگئی۔ ان دونوں افسروں نے بہت کڑی اور ناقدانہ نظروں سے میرا سرتاپا جائزہ لیا پھر ایک نے پوچھا "آپ کیا کرتے ہیں؟"

"پاکستان میں کاروبار ہے ... پرانی گاڑیوں کی خرید و فروخت کرتا ہوں۔" پاسپورٹ پر پیشے کے خانے میں تجارت کا اندراج تھا۔ میں نے اسی کی مناسبت سے جواب دیا۔

"پاکستان میں تین برس پرانی سوجو کی ہجارسی سی کتنے میں مل جاتی ہے؟" دوسرے نے سوال کیا۔

"دو ڈھائی لاکھ میں ... گاڑی کی حالت پر قیمت کا انحصار ہوتا ہے۔"

"خوب۔" پہلا افسر پاسپورٹ کی ورق گردانی کرنے کے بعد ایک صفحے کا جائزہ لیتے ہوئے بولا "پرسوں رات اٹاری سے آئے ہو۔ یہاں کل پہنچے۔ دن کہاں گزارہ؟" وہ آپ سے تم پر آگیا تھا۔

"رات کو امرتسر میں رک گئے تھے۔ دوپہر کو وہاں سے دہلی کے لیے روانہ ہوگئے۔"

"یہ غزالہ تمہاری کون لگتی ہے، مظہر خان؟" اس نے پاسپورٹ بند کرکے سوال کیا۔ وہ حرف زکو مسلسل ج کے طور پر ادا کررہا تھا۔ سارا تلفظ ہندی کا تھا۔

"رشتے دار ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اعتماد سے کہا "تاج محل دیکھنے کے شوق میں میرے ساتھ آئی ہے۔"

"سفر میں عورت ساتھ ہو تو بہت مزا آتا ہے۔ تم دونوں ایک کمرے میں ٹھہرے ہو۔" اس نے تائیدی انداز میں پوچھا۔

"دہرا کرایہ دینے میں کیا فائدہ تھا؟ اکیلے کمرے میں اسے ڈر لگتا ہے۔ وہ میرے ساتھ ہے۔"

"تم کو پولیس رپورٹ سے چھوٹ کا ویزا کیسے مل گیا؟" اس نے یکایک لہجہ بدل کر سوال کیا۔

"میں نے درخواست کی تھی جو منظور ہوگئی۔ کیسے ہوئی؟ یہ مجھے نہیں معلوم۔"

"بہت معصوم آدمی ہو۔ لڑکی کو تاج محل دکھانے لائے ہو مگر اسپیشل ویزا ملنے کا سبب نہیں معلوم۔ اونچے آدمی دکھائی پڑتے ہو۔ یہ لو جاؤ اور عیش کرو!" اس نے دونوں پاسپورٹ مجھے لوٹادیے۔

"برا نہ مانو تو ایک بات پوچھ لوں!" میں نے جھجکتے ہوئے کہا اور پھر ان کا جواب سنے بغیر اپنی بات جاری رکھی "کچھ پتا چل سکتا ہے کہ یہ صبح سویرے کی جانچ پڑتال کیوں ہورہی ہے۔"

"تم کو کوئی تکلیف ہوئی ہے تو میں معافی چاہتا ہوں۔ خبر ملی ہے کہ کچھ خطرناک پاکستانی بھیس بدل کر ادھر گھس آئے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا رہتا ہے۔" اس نے سرسری لہجے میں جواب دیا "اوپر سے حکم آتا ہے تو ہمیں اپنا فرض پورا کرنا پڑتا ہے۔"

اس نے دوسرے پاکستانی کو بلالیا۔ ہوٹل کی مہمان دار نے اٹھ کر مجھ سے معذرت کی "اپنا نرم اور گداز ہاتھ میرے ہاتھ میں دیا اور مجھے رخصت کردیا۔ میں اس دفتر سے نکل آیا مگر میرے دل میں ویرا کی طرف سے تشویش گھر کرچکی تھی۔ وہ سفید فام تھی اور پاکستانی پاسپورٹ پر بھارت پہنچی تھی۔ پولیس افسران خاص طور پر اس کی طرف متوجہ ہوسکتے تھے۔ ہم نے ایک ہی ہوٹل میں قیام کا فیصلہ کرتے ہوئے کسی اسپیشل چیکنگ کے امکان کو بالکل نظرانداز کردیا تھا۔ ویرا ہم سے الگ تھلگ ضرور تھی مگر ہم تینوں کے پاسپورٹوں پر اٹاری میں داخلے کی مہریں ایک ہی وقت اور تاریخ کی تھیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

ی طرح ہم تینوں دہلی کے انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں کم و بیش
کے پیچھے پہنچے تھے۔ ان دو یکساں اندراجات کی روشنی میں
ئی بھی ذہین پولیس افسر کوئی صحیح ترین نتیجہ اخذ کرسکتا تھا۔
میں اوپر جانے کے بجائے ہوٹل کی لابی میں ٹک گیا اور
رے سے اپنے لیے کافی منگوالی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ ویرا کی
یسی کب تک ہوتی ہے۔ اگر بازپرس کے دوران میں اسے
ساس کیا جاتا تو میں دور سے اس کا چہرہ دیکھ کر اندازہ لگا سکتا

میری کافی کی پیالی خالی ہونے کے بعد کافی دیر گزر گئی۔
ری بے چینی میں اضافہ ہونے لگا۔ خدا خدا کرکے ویرا
دار ہوئی۔ اس کے بشرے پر سکون کی علامات تھیں۔ اس
ے چلے جانے کے چند منٹ بعد میں نے کافی کے بل پر دستخط
ے اور اٹھ گیا۔

صبح کے ان اولین لمحات میں ہوٹل اجڑا اجڑا اور بے
نق لگ رہا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس وقت پولیس یا
ی اور خفیہ محکمے کے دو چار سادہ پوش اہل کار وہاں آنے
نے والوں کی نگرانی کررہے ہوں گے۔ میں نے انٹر کام پر
ا سے بات کرنے کی کوئی کوشش کیے بغیر لفٹ کا رخ کرلیا۔
غزالہ کمرے میں بدستور گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے
ایس ڈی پر ایک نگاہ ڈالی۔ وہ آن تھی۔ میں نے ویرا کے
رے کا نمبر ملالیا۔

"خیریت ہوگئی۔" میری آواز سنتے ہی دوسری طرف سے
ا کا جواب دیا "ہمیں واقعی الگ تھلگ اور محتاط رہنا
گا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تمہیں بروقت یہ احساس ہوگیا۔ فی
ن اللہ۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔ اس وقت
کام پر تفصیلی گفتگو کرنے کا موقع نہیں تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا
دہلی کی پولیس اس وقت کن کن زاویوں سے دیکھ بھال
مصروف تھی۔

غزالہ نے بیدار ہونے کے بعد کتھا سنی تو گویا سن ہوکر
گئی۔ اسے حیرت تھی کہ بھارتی خفیہ اداروں کو کچھ
ناک پاکستانیوں کی بھنک کیسے مل گئی۔ وہ یہ بات ماننے پر
وہ نہیں تھی کہ ان دو تین دنوں میں ہمارے ساتھ واقعی
ہ پاکستانی ایجنٹ بھی بھارت میں داخل ہوئے ہوں۔ ایسا
ئی بھی پروگرام ہوتا تو جلال اسے ضرور ملتوی کرادیتا یا پھر
اس سے آگاہ ضرور کردیتا۔

غزالہ کو یہ دلیل بھی متاثر نہیں کرسکی کہ پاکستان اور
وستان کی روایتی چپقلش میں دونوں اطرف کی متعدد
نسیاں سرگرم رہتی ہیں۔ ایسے حالات میں یہ عین ممکن تھا
کسی بھی ادارے کی کارروائی سے دوسری خفیہ ایجنسیاں
باخبر نہ ہوں۔ اس کی منطق یہ تھی کہ جلال آئی بی کا ایک
ذمے دار اور اعلیٰ افسر تھا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ کوئی پیش
رفت اس کے علم میں آنے سے پہلے بھارتیوں کو معلوم
ہوجائے۔

اس تازہ ترین واقعے پر وہ ناشتے کے بعد بھی اس قدر
کبیدہ خاطر تھی کہ میں اس کا دل بہلانے کے لیے ہوٹل سے
نکل کھڑا ہوا۔ کمرا چھوڑنے سے پہلے میں نے سی ایس ڈی
الگ کرکے فون کا کٹا ہوا تار جوڑ کر سائیڈ ٹیبل کے پیچھے چھپا
دیا تھا تاکہ ہماری غیر حاضری میں کوئی کمرے کی صفائی کرنے
کے لیے اندر آئے تو اسے فون لائن میں کسی گڑبڑ کا علم نہ
ہوسکے۔

ہوٹل کی حدود سے نکلتے ہی باہر سڑک پر ایک نئی پرہجوم
دنیا ہماری منتظر تھی۔

ہوٹل والی سڑک سے ہم کناٹ پیلس کے بیرونی دائرے
تک پہنچے تو پرشکوہ قدیم عمارات، سڑکوں، سبزہ زاروں اور ان
پر گھومنے پھرنے والے بھانت بھانت کے لوگوں نے غزالہ کو
پریشانیوں کے حصار سے فوراً باہر کھینچ لیا۔

اس چوراہے کو دہلی کا دل کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ شہر
کے مختلف حصوں اور سمتوں سے آنے والی گیارہ مشہور
سڑکیں اس وسیع و عریض دائرے کی اندرونی اور بیرونی گول
سڑکوں سے ملتی ہیں۔ بیرونی دائرے والی سڑک کناٹ سرکس
روڈ کہلاتی ہے جس کے شمالی حصے پر اندرا چوک واقع ہے اسی
سڑک کے بعد دائرے میں مشہور و معروف تجارتی و کاروباری
اداروں کی عمارات کا سلسلہ ہے۔ ان عمارات کے عقب
میں پھر ایک گول سڑک ہے۔ سبزے اور فٹ پاتھوں سے
آراستہ اس سڑک کا نام وسطی سرکل ہے جس کا صرف ایک
حصہ پالکا شاپنگ کمپلکس نے گھیرا ہوا ہے۔ اس نامکمل
دائرے کے بعد عمارات اور ان عمارات کے پیچھے باغ کے
گرد گھومتی ہوئی اندرونی گول سڑک ہے جس کے شمالی حصے کو
راجیو چوک کا یادگاری نام دیا گیا ہے۔

اس طرف آنے والی گیارہ سڑکوں میں سے بعض پہلے
دائرے پر ختم ہوجاتی ہیں، کچھ دوسرے دائرے سے جاملتی ہیں
اور بیشتر اندرونی گول سڑک تک جاتی ہیں۔ سڑکوں، عمارتوں،
شاپنگ سینٹروں اور کھانے پینے کی دکانوں کا یہ گورکھ دھندا
اس قدر وسیع اور پرپیچ ہے کہ نیا آنے والا اس بھول بھلیاں
میں گم ہوکر رہ جاتا ہے۔ ہم کئی بار گھومنے پھرنے کے بعد
کناٹ پیلس کے اس نقشے کو ذہن نشین کرسکے تھے۔

ہمیں دہلی میں کچھ عرصے مقیم رہ کر کام کرنا تھا اس لیے
شہر کے اس جغرافیے کو ہضم کرنا ہماری مجبوری تھی۔ ہم دیر
تک مسلسل چلتے اور ونڈو شاپنگ کرتے رہے۔ قرب و جوار

Downloaded from https://paksociety.com

کے سنیما گھروں پر لگے ہوئے دیو پیکر اشتہارات دیکھتے رہے جن میں ساری مشرقی شرم وحیا کو خیرباد کہہ کر فلمی اداکاراؤں کے جسموں کا کھلا استعمال کیا گیا تھا۔ ایک سیلف سروس ریستوران میں فاسٹ فوڈ سے شکم سیری کی اور پھر بھٹکتے ہوئے پہاڑ گنج کے ملحق علاقے میں نکل گئے۔

ہماری وہ سیر تھکا دینے والی ثابت ہوئی۔ میں غزالہ کے ذہن سے فکر اور تشویش کے سائے محو کرنے کی کوشش میں کامیاب ہوچکا تھا۔ چار بجے کے قریب ہم نے چترا گپتا مندر کے قریب سے ٹیکسی لی اور واپس اپنے ہوٹل کے لیے روانہ ہوگئے۔

ہوٹل میں میرے پاس زیادہ وقت نہیں بچا تھا۔ صرف طویل غسل کرکے تکان اتارنے کی مہلت باقی تھی۔ غزالہ کو گرما گرم چائے منگوانے کی ہدایت کرکے میں باتھ روم میں گھس گیا۔ جسم پر نیم گرم اور ٹھنڈے پانی کی تیز دھاریں بہانے کے بعد میں نے فرحت و تازگی کی لہر محسوس کی تو تیار ہوکر غسل خانے سے نکل آیا۔

میری تیاری کے دوران میں چائے آگئی۔ چائے نوشی کے دوران میں، میں نے غزالہ کی نگاہوں سے بھانپ لیا کہ وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ مجھے اس کے مدعا کا اندازہ تھا۔ میں نے اسے ذرا سا موقع دیا تو وہ بول پڑی "کیا آپ مجھے ساتھ نہیں لے جائیں گے؟"

"یہ ناممکن ہے!" میں نے نرمی سے اسے سمجھایا "میں کسی دشمن سے نہیں، دوست سے ملنے جارہا ہوں۔ تمہارا جانا مناسب نہیں ہوگا۔"

"وہ دوست ہے اسی لیے میں جانا چاہ رہی تھی لیکن میں بحث نہیں کروں گی جو آپ چاہیں گے، وہی ہوگا۔"

مجھے اس کی وہی ادا سب سے زیادہ پسند تھی۔ کبھی بلا سبب تکرار نہیں کرتی تھی۔ جو کہہ دیا، وہ مان لیا۔ میں نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا "کمرے میں رہنا چاہو تو سی ایس ڈی آن کرکے ویرا سے بات کرلینا۔ تمہیں معلوم ہے کہ اسے لائن سے کیسے جوڑا جائے گا۔"

فون لائن سے سی ایس ڈی کو جوڑنا بہت آسان تھا۔ غزالہ اثبات میں سرہلا کر مسکرا دی۔ میں چائے کی پیالی خالی کرکے اس سے رخصت ہوگیا۔

وہ بھارت کی سرزمین پر میرے مشن کا پہلا مرحلہ تھا۔ میرے پاس دفاعی ہتھیاروں کے نام پر اول خان سے لی ہوئی دو زود اثر انگوٹھیاں موجود تھیں جن میں سے ایک کے کھوکھلے نگینے میں مہلک زہر اور دوسرے میں بے ہوش کرنے والا سیال تھا۔

ہوٹل سے باہر آکر میں نے ایک ٹیکسی والے سے حضرت باقی باللہ کے مزار تک چلنے کے بارے میں پوچھا تو وہ فوراً راضی ہوگیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ مجھے اس مزار تک پہنچنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی وجہ سے میں نے وقت کی گنجائش رکھ کر ہوٹل چھوڑا تھا۔ ٹیکسی والے نے مجھے منزل پر پہنچانے کی آمادگی ظاہر کرکے میرا اندیشہ ختم کردیا تھا۔ واپسی بے سود تھی۔ میں اسی کھٹارا ٹیکسی میں سوار ہوگیا۔

ریڈبل کے کوڈ سے پہچانے جانے والے پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ نے مجھے تفصیل سے منزل کا پتا سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر میں نے درمیان میں ہی اسے ٹوک دیا بلکہ روک دیا تھا۔ ٹیکسی حرکت میں آئی تو مجھے اندازہ ہوا کہ ہم کناٹ سرکس روڈ کی طرف جارہے تھے۔ چوراہوں وغیرہ کے لیے سرکل کے بجائے سرکس کی اصطلاح میں نے پہلی بار لندن میں سنی تھی ورنہ اس سے پیشتر میرے ذہن میں سرکس کی صرف ایک ہی تصور جاگزیں تھا جس میں ہاتھی، گھوڑے، شیر، چیتے اور چند مسخرے پائے جاتے تھے۔ لندن کے مشہور پکاڈلی سرکس اور آکسفورڈ سرکس کی کوچہ نوردی کرنے کے بعد میرے اس تصور کی اصطلاح ہوچکی تھی۔ دہلی کے کناٹ سرکس روڈ نے اس اصطلاح کی پختگی کے ساتھ یہ بھی ثابت کردیا تھا کہ پکاڈلی سرکس کے جدی پشتی وارث کسی دور میں دہلی کے حکمراں بھی رہ چکے تھے۔

پہاڑ گنج سے آگے ایک چوراہے سے گزرنے کے بعد ٹیکسی قطب روڈ سے ایک ذیلی سڑک پر بائیں طرف اتر گئی۔ تھوڑی دیر بعد منزل سامنے تھی۔ وہ کوئی عالیشان اور پرشکوہ مزار نہیں تھا۔ گزرتے ہوئے وقت نے در و دیوار پر اپنے سفر کی دراڑیں تحریر کی ہوئی تھیں مگر یہ ظاہر ہورہا تھا کہ لوگ وہاں مدفون بزرگ کی ذات اور کرامات کو نہیں بھولے تھے۔ گو تعداد کم تھی لیکن وہاں لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔

عقیدت مند زائرین کے لیے پھول اور چادریں وغیرہ بیچ کر اپنی روزی کمانے والے شخص کی دکان سے میں نے ریڈبل کے مشورے کے مطابق سبز رومال خریدا۔ مزار کے داخلی دروازے کے سامنے کھڑے ہوکر دلی عقیدت کے ساتھ فاتحہ پڑھی، دعا کی اور سبز رومال جیب میں اڑس کر آگے چل دیا۔ میری رسٹ واچ میں صرف سوا پانچ بجے تھے۔ میں پون گھنٹے تک وہیں کھڑا رہتا تو ہر ایک کی توجہ کا مرکز بن جاتا۔

ایک اجنبی سیاح کی طرح راستوں کو ذہن نشین کرتا اور نشانیوں کو یاد کرتا ہوا، میں آگے چل دیا۔ میرے ذہن میں نہ جانے کیوں یہ خیال رچا ہوا تھا کہ اس علاقے میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی مگر مجھے وہاں زیادہ تر ہندو ہی ہندو نظر آرہے تھے جن میں مسلمان اپنی نمایاں شناخت کے باعث الگ پہچانے جارہے تھے۔ میں تقریباً سیدھا چلتا ہوا تھوڑی دیر میں

Downloaded from https://paksociety.com

باڑہ ہندو راؤ میں جا نکلا۔ وہ ہندوؤں کی ایک قدیم اور گنجان آبادی تھی جہاں عمارتوں اور مکانوں کی بیرونی دیواروں پر ہندی دیوی دیوتاؤں کی سنگی مورتیاں ابھری ہوئی تھیں۔ میں تیزی کے ساتھ بڑھتا ہوا صدر بازار میں جا نکلا جہاں کا ماحول اتنا ہیبت ناک نہیں تھا۔

میں نے ہوٹل کے کاؤنٹر سے دہلی کا جو گائیڈ میپ لیا تھا۔ اس میں تحریری مواد ضرورت سے بہت زیادہ تھا مگر شہر کے راستوں وغیرہ کے بارے میں واضح رہنمائی نہیں تھی۔ اس وقت میں ویسے بھی سیر و تفریح کے موڈ میں نہیں تھا۔ میرے ذہن پر گریٹ ڈین سے ہونے والی ملاقات سوار تھی۔ ٹھیک پندرہ منٹ کی پیش قدمی کے بعد میں نے مزار کی طرف واپسی کا سفر شروع کر دیا۔

اس بار فاصلہ میرے علم میں تھا' نشانیاں میرے ذہن میں محفوظ تھیں۔ میں نے اپنی رفتار قدرے کم رکھی۔ سمت بھی تبدیل کر لی۔ سمتوں کے صحیح ادراک کی وجہ سے واپسی میں' میں باڑہ ہندو راؤ میں گھسے بغیر عید گاہ روڈ پر پہنچ گیا۔ اس مقام پر میں نے اپنی رفتار مزید سست کر لی۔ وہ ایک سیکرٹ ایجنٹ سے طے کیا ہوا وقت تھا جس میں ایک ایک لمحہ بہت اہم تھا۔ میں مقررہ وقت سے پانچ منٹ پہلے ایسی پوزیشن میں آ گیا تھا کہ درگاہ کا داخلی دروازہ میری نظروں میں تھا۔

میرے دل کی دھڑکنیں بہت تیز تھیں لیکن میں نے اپنی چال میں بے پروائی اختیار کی ہوئی تھی۔ میری بے چین نگاہیں درگاہ کے آس پاس نظر آنے والے لوگوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ٹھیک چھ بجے ایک بغلی دیوار کی اوٹ سے جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس ایک کسرتی بدن والا نوجوان شخص نمودار ہوا۔ دور ہی سے نظر آ رہا تھا کہ اس کے بائیں ہاتھ میں ایک سبز رومال دبا ہوا تھا۔

میں تیزی سے آگے بڑھا۔ اس نے بھی مجھے اور میرے بائیں ہاتھ میں موجود سبز رومال کو دیکھ لیا۔ ہم دونوں آگے پیچھے مزار کی حدود میں داخل ہوئے۔ جب میں اس کے قریب سے گزرا تو اس نے میدان صاف پا کر' میری طرف متوجہ ہوئے بغیر سرگوشی سی کی "فاتحہ پڑھنے کے بعد میرے پیچھے چلے آنا۔ ہم دونوں کہیں سکون سے بیٹھ کر بات کریں گے۔"

اندر پہنچ کر ہم دونوں نے مزار پر فاتحہ پڑھی۔ ہم سے پہلے بھی چند عقیدت مند اندر موجود تھے۔ میں فاتحہ پڑھ لینے کے بعد گریٹ ڈین کے فارغ ہونے کے انتظار میں دست بہ دعا رہا۔ اس کے ساتھ چہرے پر ہاتھ پھیر کر میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

میرا خیال تھا کہ وہ کسی قریبی ہوٹل کا رخ کرے گا لیکن وہ مزار سے نکل کر ایک طرف چل پڑا اور جلد ہی ہم دونوں عید گاہ روڈ پر پہنچ گئے۔ اس سڑک پر وہ بائیں طرف مڑا تو میں اس کا اشارہ پا کر اس کے قریب ہو گیا۔

"مبارک ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ تم ہمارے درمیان آ گئے ہو۔ ہم موٹا خان پارک کی کھلی فضا میں بیٹھ کر بات کریں گے" اس نے مسرت سے کہا۔

"مجھے اپنا نام بتا دو تاکہ میں بھی اپنی جوابی خوشی کا اظہار کر سکوں؟" میں نے خوش دلی سے جواب دیا۔

"اپنے اصل نام ہم پاکستان میں بھول آئے ہیں" وہ معنی خیز لہجے میں بولا "یہاں میرا نام گوپال ہے۔ باقی دونوں ساتھیوں کے نام ولی رام اور سنیل ہیں لیکن فون پر رابطے کے لیے ہمارے وہی تینوں کوڈ چلتے ہیں جو تمہارے علم میں ہیں۔"

"یہ نام ہندوانہ ہیں۔ ان کی وجہ سے تم کسی وقت مشکل سے دوچار ہو سکتے ہو۔"

"سب کچھ سوچ سمجھ کر یہ راستہ اپنایا گیا ہے۔ دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات میں جب بھی کوئی کشیدگی پیدا ہوتی ہے تو یہاں ہر مسلمان کو شبے کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ آج کل بھی یہاں ایسی ہی لہر چل رہی ہے۔ میجر بخشی اور جوگیندر پال والے واقعات نے انہیں مشتعل کیا ہوا ہے۔"

میں کئی بار سوچ چکا تھا کہ میجر بخشی کی ذہنی ابتری کی حالت میں واپسی کے بعد بھارت میں کوئی جوابی کارروائی نہیں کی گئی تھی۔ اس کے بعد جوگیندر پال کو جس انداز میں موت سے ہم کنار کیا گیا تھا۔ وہ بھی شکوک و شبہات سے بالا نہیں تھا۔ ان دونوں واقعات پر بھارتیوں کی خاموشی کسی بڑے طوفان کی آمد کا پیش خیمہ تھی۔ وہ یقینی طور پر کسی بڑی

انتباہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ یہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

Downloaded from https://paksociety.com

جوابی کارروائی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

"تمہارا کیا اندازہ ہے' یہ لوگ کن خطوط پر کام کر رہے ہوں گے" قدرے توقف کے بعد میں نے اس سے پوچھا۔

"ہم بہت اندر تک کی خبروں سے لاعلم ہیں لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ را کے پاکستانی ونگ میں آج کل دیر تک کام ہو رہا ہے۔ تم آگئے ہو تو اب ہم کو حوصلہ ملے گا۔ ہو سکتا ہے کہ ہم ان کی سازشوں کو یہیں ختم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔"

وہ ہمارا ابتدائی تعارف تھا۔ ہمارے آس پاس سے دوسرے لوگ بھی گزر رہے تھے۔ احتیاط کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم نے اس موضوع کو آگے نہیں بڑھایا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے موٹا خان پارک پہنچ گئے۔

وہ پارک خاصا وسیع تھا۔ اسی کے ایک حصے میں عیدگاہ کی مسجد بنی ہوئی تھی۔ پارک کی ایک سمت میں مصروف سڑک واقع تھی۔ گوپال نے بتایا کہ وہ رانی جھانسی روڈ کہلاتی تھی۔ پارک میں بچوں' بوڑھوں اور نوجوانوں کی خاصی تعداد موجود تھی۔ گوپال مجھے اپنے ساتھ لے کر پارک کے ایک پرسکون گوشے میں جا بیٹھا جہاں ہمارے قرب وجوار میں کوئی اور موجود نہیں تھا۔

"یہاں تمہارے کام کی حدود کیا ہیں؟" میں نے وہاں بیٹھنے کے بعد اس سے پوچھا۔

"ہمیں بہت پھونک پھونک کر قدم اٹھانے پڑتے ہیں۔ اپنا دامن بچا کر خبریں اور دوسرا متعلقہ مواد حاصل کرتے ہیں جو مختلف ذرائع سے پاکستان بھیج دیا جاتا ہے مگر اب ہم تمہارے احکام کے بھی پابند ہیں' جو چاہو گے' کیا جائے گا۔"

"دشمن بزدل اور مکار ہو تو اسے صرف خوں ریزی سے دہشت زدہ کیا جا سکتا ہے" میں نے دھیمی اور ذومعنی آواز میں کہا۔

"ابھی تک ہم نے اپنے ہاتھ خون سے آلودہ نہیں کیے" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا "ہم اپنا کام تشدد سے دور رہ کر انجام دیتے ہیں۔ اعداد و شمار' معلومات' اہم منصوبوں کی نقول وغیرہ کے حصول پر کام کرتے رہے ہیں۔"

"ان کے ایجنٹ ہمارے شہروں میں ہر قسم کی تخریب کاری کرتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں" میں نے اسے یاد دلایا۔

"ہمیں بھی یہ خبریں ملتی ہیں تو ہمارے دل خون کے آنسو روتے ہیں مگر ہم مجبور ہیں۔ ہمیں اوپر سے ایسی کوئی ہدایت نہیں ملتی۔ ہمیں انسانی خون کا احترام کرنا سکھایا جاتا ہے۔ اپنے انفرادی اشتعال کے باوجود ہم خود پر قابو رکھتے ہیں۔"

"تمہارے تحفظ کے لیے شاید یہی پالیسی سب سے بہتر ہے۔ ان کی حرکتوں کا جواب پاکستان میں دیا جاتا رہا ہے۔"

"مگر وہ طریقہ نقصان دہ ہے۔ اس سے ہمارے ملک کی بدنامی ہوتی ہے۔ یہاں کے اخباروں نے آسمان سر پر اٹھایا ہوا تھا کہ پاکستان میں لاقانونیت اور دہشت گردی کا راج ہے۔ جوابی کارروائی ان کی سرزمین پر ہو تو ہم بدنامی سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔"

"میں یہی مشن لے کر آیا ہوں۔ انل بسواس کے بارے میں کام کہاں تک پہنچا؟" میں نے پوچھا۔

اس نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر مجھے تھما دیا۔

"اس کے بارے میں حاصل ہونے والی جملہ معلومات اس پرچے پر محفوظ ہیں۔"

میں نے وہ کاغذ کھولے بغیر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ کھلے پارک میں بیٹھ کر وہ کاغذ پڑھنا قرین مصلحت نہیں تھا۔

"اس کے معمولات بہت بے ترتیب ہیں۔ دو مسلح محافظ ہر وقت اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ اپنے پیشے کی وجہ سے اس کا مزاج کچھ ایسا ہو گیا ہے کہ وہ کبھی کوئی خطرہ مول نہیں لیتا۔ ہر وقت محتاط رہتا ہے۔ حد یہ ہے کہ کسی تقریب میں بھی شرکت نہیں کرتا۔"

"یہ اچھی علامتیں نہیں ہیں۔ ان کا مطلب ہے کہ وہ کسی قسم کے نفسیاتی خوف میں مبتلا ہے۔"

"ان کی وجہ سے شاید اس تک رسائی بہت مشکل ہو۔ پاکستان کے خلاف را کی ساری منصوبہ سازی کے پیچھے اسی کا دماغ کارفرما ہوتا ہے۔ دفتر خارجہ والے اسے پاکستان کے خلاف سب سے بڑی اتھارٹی قرار دیتے ہیں۔"

"اب میدان میں اترے ہیں تو اسے بھی دیکھ لیا جائے گا۔" اس سے بات کرتے کرتے میری ذہنی رو تازہ ترین پولیس چیکنگ کی طرف مبذول ہو گئی اور میں نے فوری طور پر اسے ہوٹل میں پیش آنے والے واقعے سے آگاہ کر دیا۔

وہ چونک پڑا "یہ اچھے آثار نہیں ہیں۔ تم لوگوں کو بہت زیادہ محتاط رہنا ہو گا۔ دوسری پارٹی کہاں ٹھہری ہے؟"

"دوسری پارٹی؟" میں نے حیرت سے پوچھا "تم کس کے بارے میں بات کر رہے ہو؟"

"میری اطلاع کے مطابق تم تین افراد ہو جو دو پارٹیوں میں بٹے ہوئے ہو۔ تم اور غزالہ ایک ساتھ ہو۔ این کاویل الگ ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"وہ بھی اسی ہوٹل کے پانچویں فلور پر ہم سے الگ مقیم ہے" میں نے بتایا۔

"تم میں سے کسی ایک پارٹی کو فوراً ہوٹل بدل لینا چاہیے" اس نے بے ساختہ کہا "تم لوگ ایک دوسرے سے کتنی ہی دور رہو، تمہارے کاغذات میں کچھ خطرناک باتیں مشترک ہیں۔ تم نے ایک وقت میں سرحد عبور کی ہے جس کا ثبوت بھارتی امیگریشن والوں کے اندراج سے مل جائے گا۔ تمہارے امرتسر اور پھر نئی دہلی پہنچنے کے اوقات بھی کم و بیش یکساں ہیں۔ پھر تم تینوں کو پولیس رپورٹنگ سے چھوٹ ملی ہوئی ہے۔ ریکارڈ کی پڑتال کے دوران میں یہ باتیں کسی افسر کی نگاہ میں آگئیں تو تم تینوں کے لیے سنگین مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔ مشتبہ پاکستانیوں کے ساتھ ان کا رویہ بہت سفاکانہ ہوتا ہے۔"

گوپال نے پتے کی بات کہی تھی۔ میرے وجود میں خوف کی ایک سرد سی لہر سرایت کرگئی۔ پہلے دو نکات کے بارے میں، میں نے بھی سوچا تھا لیکن تیسرا مشترک نکتہ میرے ذہن میں نہیں آسکا تھا جب کہ ہوٹل میں جانچ پڑتال کرنے والے ایک پولیس افسر نے مجھ سے چھوٹ کے بارے میں خاص طور سے سوال کیا تھا۔

میں نے فیصلہ کیا کہ ویرا کو اسی رات کسی دوسرے ہوٹل میں منتقل کردیا جائے۔ جو غلطی سرزد ہوگئی تھی اس کا ازالہ کرنا ممکن نہیں تھا لیکن بھارت میں قیام کے اگلے دنوں کے لیے وہ احتیاط ضروری تھی۔

مجھے سوچ میں گم دیکھ کر گوپال نے تھوڑے سے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی "تمہارے پاس سی ایس ڈی جیسی بے مثال ڈیوائس موجود ہے۔ ایک دوسرے سے الگ رہ کر بھی تم باہمی رابطے میں رہ سکتے ہو۔"

"تمہارا مشورہ مناسب ہے۔ اس پر آج ہی عمل کرلیا جائے گا۔ دوسرا مسئلہ ہتھیاروں کی فراہمی کا ہے۔۔۔"

"وہ حل ہوجائے گا" اس نے پورے وثوق سے مجھے یقین دلایا اور اس بار اپنی جیب سے ایک پیکٹ نکال کر میری طرف بڑھادیا "یہ محدود پیمانے پر کام کرنے والا ٹرانسمیٹر ہے۔ اس پر تم ہر وقت ہم تینوں سے رابطہ کرسکتے ہو۔ تمہارا کوڈ جی ون ہوگا۔ میں جی ٹو ہوں۔ سنیل اور ولی رام کے لیے جی تھری اور جی فور پاس ورڈز ہوں گے۔ سرلا کے فون پر ناکامی کی صورت میں یہ رابطہ ہر وقت کارآمد رہے گا۔"

میں نے وہ اپریٹس اسی طرح رکھتے ہوئے اطمینان سے کہا "اس کے بعد فون کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ بلاوجہ سرلا کو درمیان میں کیوں لایا جائے۔"

"سرلا پر ہم ایک حد تک بھروسا کرتے ہیں اور اس کے لیے اسے معاوضہ دیتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی افادیت یہ ہے کہ تم تین نفوس ہو۔ اپریٹس ایک ہے۔ کسی ایمرجنسی میں بقیہ دو کو کوئی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ اس وقت سرلا کا فون کام آئے گا۔"

"کیا تم تینوں میں سے کوئی نہ کوئی ہر وقت وہاں موجود رہتا ہے؟" میں نے اپنی خلش دور کرنے کے لیے سوال کر ڈالا۔

"ہر وقت نہیں لیکن دن میں کوئی نہ کوئی ہوتا ہے یا وہاں

حسبِ توفیق

ایک نوجوان ایک مہنگے اور فیشن ایبل علاقے کے اونچے ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں داخل ہوا اور سیلز گرل سے بولا "میں اپنی منگیتر کے لیے کوئی اچھا سا تحفہ خریدنا چاہتا ہوں۔"

"یہ سلیپنگ گاؤن لے جائیں۔ چار ہزار روپے کا ہے" سیلز گرل نے مشورہ دیا۔

"نہیں... نہیں... یہ تو بہت مہنگا ہے" نوجوان بولا۔

"تو پھر یہ میک اپ کٹ لے جائیں... ڈھائی ہزار روپے کی ہے۔"

"یہ بھی مہنگی ہے۔ اس سے کم قیمت کوئی چیز دکھائیں۔"

"یہ پرفیوم لے جائیں۔ سات سو روپے کی ہے" سیلز گرل بولی۔

"یہ بھی میری گنجائش سے زیادہ ہے۔ اس سے بھی سستی کوئی چیز دکھایئے۔" نوجوان نے فرمائش کی۔

"پھر آپ ایسا کریں... یہاں سے کوئی چیز خریدنے کے بجائے کونے والے موچی سے اپنی منگیتر کے جوتوں میں نئی ایڑیاں لگوادیں۔" سیلز گرل نے شیریں لہجے میں مشورہ دیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

آتا جاتا رہتا ہے" گوپال نے بتایا "دراصل سرلا اپنے شوہر کی دھتکاری ہوئی ایک آوارہ عورت ہے اور اب ناکتخدا ہوئی ہے۔ اس نے دہلی میں کئی کال گرلز پالی ہوئی ہیں۔ اس کا سارا کام فون پر چلتا ہے۔ اس کے پاس فون پر افسروں اور اوباش امرا کی فرمائشیں آتی ہیں اور وہ فون پر ہی لڑکیوں کو کہیں پہنچنے کی ہدایت دے دیتی ہے۔ کسی برے وقت کی آڑ کے لیے اس نے اپنے گھر کو گیسٹ ہاؤس بنایا ہوا ہے۔ ان ہی میں سے ایک کمرا ہم لوگوں نے لیا ہوا ہے۔ ہم اس کے مستقل گاہک ہیں۔ دوسرے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔"

غزالہ نے ان لوگوں کے معاملات میں سرلا کی اہمیت کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں صرف بیچ کی عورت تھی۔ اس کی حیثیت کا تعین ہوجانے کے بعد اگلا سوال ناگزیر ہوگیا تھا۔ میں نے پوچھا "وہ تمہاری سرگرمیوں کے بارے میں کیا جانتی ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔۔۔ ہماری نقل و حرکت اور فون کالز سے اسے یہ اندازہ ہے کہ ہم کسی غیر قانونی دھندے میں ملوث ہیں۔ سرلا کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ بس اپنے پیسوں سے مطلب رکھتی ہے۔ بلاوجہ کسی تجسس میں نہیں پڑتی۔"

"تم تینوں گوپال، سنیل اور ولی رام بنے ہوئے ہو" میں نے جھجکتے ہوئے وہ ذاتی سوال کیا "کیا تم تینوں کا مذہب ان ناموں کے مطابق ہے؟"

میرے سوال پر وہ دھیمی آواز میں ہنسا، پھر بولا "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ہم اپنے اصل نام پاکستان میں بھول آئے ہیں۔ میرا نام عابد علی ہے اور الحمدللہ میں مسلمان ہوں۔ ضرورت اور فرض کی ادائیگی کی خاطر نام بدلا ہے لیکن میں چھپ کر پابندی سے عبادات کرتا ہوں۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ کسی زر خرید ہندو کے مقابلے میں، میں ایک بے لوث مسلمان سے زیادہ آزادی سے گفتگو کرسکتا تھا۔ میں نے کھل کر کہا "میں تمہارا دیا ہوا کاغذ ہوٹل جاکر دیکھوں گا۔ یہ بتاؤ کہ اٹل بسواس کے لیے تم نے کیا سوچا ہے۔"

"اپنی سوچ میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ ہمیں سنبھل کر چلنا پڑتا ہے۔ خوں ریزی ہماری پالیسی نہیں ہے لیکن اب میں تمہارے چارج میں ہوں۔ جو ہدایت دو گے، اس پر پوری نیک نیتی سے عمل کیا جائے گا۔"

"یہاں اپنی کارکردگی کے لیے تم کس کو جواب دہ ہو؟" میں نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"میں اپنے سہ نفری مشن کا چیف ہوں لیکن اب تم کو جواب دہ رہوں گا۔ میرے پاس اپنی ضروریات کے لیے مناسب فنڈز بھی ہوتے ہیں۔"

"فنڈز کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں لیکن کچھ ہتھیار بہت ضروری ہیں۔ ہم پاکستان سے خالی ہاتھ آئے ہیں" میں نے بیم گن اور زہریلے نگینوں والی انگوٹھیوں کا تذکرہ گول کرتے ہوئے کہا۔

"فاضل راؤنڈز کے ساتھ ریوالور مل جائیں گے" اس نے مجھے یقین دلایا "ہوسکتا ہے کہ یہ سامان رات تک تمہیں مل جائے، میں تمہیں فون پر بتادوں گا۔"

میرے ذہن میں اپریٹس کی اہمیت اجاگر ہوگئی۔ میں نے اسے بتایا "میں اپنے کمرے میں ڈائریکٹ لائن لے کر فون کرتا ہوں اور سی ایس ڈی کار آمد رہتی ہے۔ باہر سے آنے والی ہر کال آپریٹر کے ذریعے مجھ تک پہنچے گی۔ سی ایس ڈی آن ہوئی تو لائن منتقل ہوتے ہی کٹ جائے گی۔ وہ ڈیوائس آف کردی جائے تو گفتگو سن لیے جانے کا خطرہ سر پر منڈلاتا رہے گا۔ تم ضرورت پڑنے پر صرف اپریٹس استعمال کروگے۔"

وہ سیدھی سی تکنیکی بات تھی جو فوراً ہی اس کی سمجھ میں آگئی اور وہ سرہلا کر رہ گیا۔

عابد علی عرف گوپال سے میری وہ ملاقات بہت اطمینان بخش ثابت ہوئی۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ بھارت کی سرزمین پر آہنی قوت اور ارادوں کے مالک، چند افراد میرے ساتھ تھے۔ میرے لیے ذرا سی گھٹن صرف ایک تھی کہ وہ لوگ بھارت کے خلاف جاسوسی پر مامور تھے۔ قتل و غارت گری ان کے مشن اور پالیسی کے خلاف تھی۔ وہ اپنے گھٹیا دشمن کے خلاف اصولوں کی جنگ لڑنے میں مصروف تھے جس کی کامیابی کا امکان نہیں تھا۔

سورج ڈھل گیا۔ اندھیرا گہرا ہونے سے پہلے ہی روشنیاں جل اٹھیں۔ ہم دونوں نے پارک چھوڑ دیا۔

مجھ سے ہاتھ ملا کر گوپال رانی جھانسی روڈ کی طرف نکل گیا۔ میں آبادی میں نکل آیا۔ وہاں ایک رکشے سے سواریاں اتر رہی تھیں۔ رکشا خالی ہوا تو میں اس میں سوار ہوکر ہوٹل کی طرف روانہ ہوگیا۔

گوپال کا سمجھایا ہوا تیسرا نکتہ رہ رہ کر میرے ذہن پر ہتھوڑے برسا رہا تھا۔ ہوٹل پہنچتے ہی میں نے لابی کے انٹرکام سے ویرا کے کمرے کا نمبر ملایا۔ میں جلد از جلد اس سے مل کر معاملے کی نزاکت کو واضح کرنا چاہ رہا تھا۔ دیر تک گھنٹیاں بجتی رہیں لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔

Downloaded from https://paksociety.com

مجھے تشویش ہوئی مگر میں نے یہ سوچ کر اپنا دل بہلا لیا کہ ویرا متلون مزاج تھی۔ زیادہ دیر تک ایک جگہ پڑے رہنا اور بے کاری میں وقت گزارنا اس کے مزاج کے خلاف تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ کمرا چھوڑ کر کہیں گھومنے پھرنے نکل گئی ہو۔

اسی سوچ میں غلطاں، میں اپنے کمرے میں پہنچا تو غزالہ مجھے دیکھ کر کھل اٹھی۔ سب سے پہلے اس نے یہ اطلاع دی کہ صبح سویرے کی ناگہانی پولیس چیکنگ نے ویرا کو فکرمند کر دیا تھا۔ اس نے بھی بالکل وہی کچھ سوچا تھا جو گوپال کے ذہن میں آیا تھا۔ ہم تینوں کے ایک ہوٹل میں رہنے کے سبب اسے یہ خدشہ تھا کہ کہیں کسی ایک کی وجہ سے تینوں ہی بے موت نہ مارے جائیں۔ غزالہ سے مشورہ کرنے کے بعد اس نے انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل چھوڑ دیا تھا اور کنائٹ سرکس پر واقع ہوٹل مرینا میں منتقل ہو گئی تھی۔ نئے ہوٹل میں پہنچنے کے بعد اس نے پبلک بوتھ سے فون کر کے غزالہ کو اپنے کمرے کا نمبر بتا دیا تھا۔

میرے اندازے کے مطابق ویرا نے پچھلی رات کافی زیادہ شراب نوشی کی تھی۔ یہ بات امید افزا تھی کہ صبح بیدار ہونے کے وقت اس کا دماغ صحیح طور پر کام کر رہا تھا۔ اس نے بہت بروقت اور صحیح فیصلہ کیا تھا۔ ایک اچھی بات یہ بھی کہ اس وقت ویرا نے کسی کو اس بات کی ہوا نہیں لگنے دی تھی کہ وہ اردو بولنے پر عبور رکھتی تھی۔

میں نے سی ایس ڈی آن کر کے سرلا کا نمبر ملایا۔ اس وقت تک گوپال وہاں نہیں پہنچا تھا۔ ریڈیل موجود تھا۔ میں نے اسے پیغام دیا کہ وہ گریٹ ڈین کو بتا دے کہ اس کے مشورے پر عمل کیا جا چکا تھا۔

میں نے گوپال کا دیا ہوا کاغذ اور ٹرانسمٹ نکالا تو غزالہ کا تجسس جاگ اٹھا۔ اس نے مجھ پر سوالات کی بھرمار کر دی۔ میں مزے لے لے کر اس کے سوالوں کے تشنہ جوابات دیتا اور اسے بہلاتا رہا۔ جب وہ سوالات کر کے تھک گئی تو میں نے اسے گوپال سے ہونے والی پوری گفتگو سنا دی۔

اس کاغذ پر انل بسواس کے گھر اور دفتر کے پتے، فون نمبروں کے ساتھ موجود تھے۔ کاغذ پر اس کے تین نائبین کے اہم ترین فرائض کے بارے میں کار آمد معلومات درج تھیں۔ ان میں سے ایک شخص دہشت گردی کے بے داغ منصوبے بنانے میں مہارت رکھتا تھا۔ میرے ذہن میں بے اختیار ان دو بم دھماکوں کی خلش تازہ ہو گئی جنہوں نے اسلام آباد اور کراچی کی بولٹن مارکیٹ کے قریب تباہی مچائی تھی۔

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

روشنی کے مینار
اسلام کے خاموش مبلغوں اولیائے کرام کے دلچسپ اور پُراثر واقعات
ضیا تسنیم بلگرامی کے قلم سے
قیمت ۱۵۰/- روپے، ڈاک خرچ ۱۸/- روپے

عظمت کے مینار
ضیاء تسنیم بلگرامی کے مضامین کا دوسرا مجموعہ
قیمت ۱۵۰/- روپے، ڈاک خرچ ۱۸/- روپے

ایمان کا سفر
محی الدین نواب کی ۱۰ معاشرتی کہانیوں کا مجموعہ
وہ فن پارے، جن کی آپ کو تلاش ہے۔
قیمت ۱۵۰/- روپے، ڈاک خرچ ۱۸/- روپے

کچرا گھر
محی الدین نواب کی کہانیوں کا دوسرا مجموعہ
جسے آپ آنکھوں سے نہیں دل سے پڑھیں گے۔
قیمت ۱۰۰/- روپے، ڈاک خرچ ۱۲/- روپے

آدھا چہرہ
محی الدین نواب کا پہلا طویل معاشرتی ناول ان لوگوں کے لیے ایک تازیانہ ہو جو بگڑتی کی کے بارے میں اپنا اصل چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں
قیمت ۲۰۰ روپے، ڈاک خرچ ۱۸/- روپے

کالی کہانیاں
جرائم، جادو، شیطان، ازدواج، طنز و مزاح، اسرار و خوف، سسپنس اور تجسس پر مبنی ۲۶ کہانیاں
قیمت ۱۳۰/- روپے، ڈاک خرچ ۱۶/- روپے

بک ویلوٹ کی چوریاں
مشہور چور بک ویلوٹ جو بے قیمت چیزیں گراں قدر معاوضے پر چراتا ہے۔
قیمت فی جلد ۵۰/- روپے
ڈاک خرچ فی جلد ۱۶/- روپے

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس ۲۳ سعید منشن، بلیو پورٹ، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی ۱

Downloaded from https://paksociety.com

اسلام آباد والا خونیں دھماکا جمی اور ڈیوڈ کی موت کا شاخسانہ تھا جس میں شاید امریکی سی آئی اے ملوث تھی جبکہ کراچی والے دھماکے میں را کا ہاتھ تھا۔ میں نے دہلی میں را کے دفتر میں بیٹھے ہوئے نریش شرما کا نام ذہن نشین کرلیا۔ کٹھ پتلیوں کے مقابلے میں انہیں ہلانے والا منصوبہ ساز زیادہ سخت سزا کا حق دار تھا۔ میری دانست میں اس کا نام اٹل بسواس سے بھی اوپر ہونا چاہیے تھا۔

اس کاغذ پر نخشب نامی ایک شخص کے فون نمبر کے ساتھ مختصر سا نوٹ موجود تھا۔ وہ ممبئی کے مشہور گروہ بند داؤد جٹ کا دستِ راست تھا جو دہلی میں رہتا تھا اور مسلمانوں کا خصوصی ہمدرد تھا۔ ممبئی کی زیرِ زمین دنیا میں داؤد جٹ، حاجی ابراہیم اور یعقوب سیٹھ وغیرہ کے نام بہت معروف تھے۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ وہ سارے گروہ بند مسلمان تھے۔ ان کی آپس کی لڑائیاں بعض اوقات کراچی اور دبئی میں بھی اپنا رنگ دکھائی تھیں اور اخبارات میں ان کے نام اچھلتے رہتے تھے۔ میرے لیے یہ بات ہمیشہ حیران کن رہی کہ بین الاقوامی سطح پر اتنی خراب شہرت رکھنے والوں کو ممبئی پولیس نے کھلی چھوٹ دی ہوئی تھی۔

گوپال نے کچھ سوچ سمجھ کر اس کاغذ پر نخشب کا نام درج کیا تھا۔ شاید وہ کسی آڑے وقت میں ہمارے کام آسکتا تھا۔

غزالہ کو کناٹ پیلس اور پہاڑ گنج کے بھرے پرے بازار اتنے پسند آئے تھے کہ وہ رات کے کھانے کے لیے باہر نکلنے پر مصر ہوگئی۔ اس کا خیال تھا کہ باہر سے فون کرکے ہم ویرا کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلیں لیکن میں نے وہ خیال فوراً مسترد کردیا۔ پولیس چیکنگ کا معاملہ بالکل تازہ تھا۔ ہمیں کچھ علم نہیں تھا کہ خفیہ طور پر کس کس کی نگرانی کی جارہی تھی۔ ان حالات میں ہم تینوں کا ایک جا ہونا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

ہوٹل چھوڑنے سے پہلے میں نے پبلک بوتھ سے ہوٹل مرینا کا نمبر ملایا اور آپریٹر سے ویرا کے کمرے کا نمبر مانگا تو ویرا دوسری گھنٹی بجتے ہی لائن پر آگئی۔ اس کی آواز سن کر میں نے اس سے انگریزی میں ہی بات چیت جاری رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔

پبلک بوتھ پر سی ایس ڈی کی سہولت نہیں تھی۔ میں نے محتاط انداز میں اس کی مزاج پرسی کی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ انسپکٹر ڈیوڈ کا پیغام ملا ہے کہ میں رات نو بجے دہلی پولیس ہیڈ کوارٹرز میں اس سے مل لوں۔ دیکھتی ہوں کہ وہ کیا کہتا ہے۔"

"شاید یہ ہوٹل کی تبدیلی کا نتیجہ ہے" میں نے معنی خیز لہجے میں رائے زنی کی۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ میری سہولت کا معاملہ ہے۔ کناٹ سرکس پر میں خود کو ساری سہولتوں سے زیادہ قریب محسوس کرتی ہوں۔ مجھے پولیس رپورٹنگ سے استثنیٰ حاصل ہے۔ پتا نہیں یہ لوگ مجھے کیوں تنگ کررہے ہیں۔"

"تمہیں رپورٹ کرنے کی چھوٹ ہے لیکن ہوٹل والے غیر ملکیوں کی آمد اور قیام کی اطلاع دینے کے پابند ہیں۔ پاسپورٹ دیکھ کر وہ مطمئن ہوجائیں گے۔ تم کو فکر مند ہونے یا پولیس والوں سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ سیر کرنے آئی ہو تو بے فکری سے دہلی کی سیر کرو۔ یہ شہر بہت غریب پرور اور مہمان نواز ہے۔"

"تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟ سیر و تفریح کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟" ویرا نے مبہم پیرائے میں پوچھا۔

"کسی سے ملاقات ہوئی ہے۔ کوئی خاص بات ہوگی تو تم سے بھی ملاقات ہوگی۔ فی الحال تم اپنی پیشی کی فکر کرو" میں نے گفتگو مختصر کردی۔ سی ایس ڈی کے بغیر مجھے اس سے بات کرنا بہت خطرناک لگ رہا تھا۔

ہم ہوٹل سے نکل آئے۔ میں نے ویرا سے یہ نہیں پوچھا کہ انسپکٹر ڈیوڈ کون تھا۔ میرے قیاس کے مطابق صبح آنے والے پولیس افسران انسپکٹر کے عہدے سے بڑے تھے۔ اگر ویرا کو بلانے والا کوئی نیا پولیس افسر تھا تو امکان یہی تھا کہ وہ سرسری پوچھ گچھ کے بعد ویرا کو رخصت کردیتا۔ دو افسروں کے لیے ذاتی طور پر دہلی کے تمام ہوٹلوں کو دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ شاید ان لوگوں نے آپس میں علاقے بانٹ لیے تھے اور ہر افسر اپنے علاقے کی دیکھ بھال کررہا تھا۔

غزالہ کے اصرار پر میں ہوٹل سے نکل تو آیا لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ گوپال کا دیا ہوا اپریٹس میری جیب میں موجود تھا۔ وہ کسی بھی وقت مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کرسکتا تھا۔ میں بازار میں راہ چلتے اپریٹس استعمال نہیں کرسکتا تھا جبکہ میرے لیے وہ ابتدائی رابطے بہت اہم تھے۔ میں نے کناٹ پیلس گھومنے کا ارادہ ترک کرکے بھوک کا بہانہ کیا اور ایک قریبی ریستوران میں گھس گیا۔

آٹھ بجے میرا اندیشہ درست ثابت ہوگیا۔ میری جیب میں موجود اپریٹس کی تھرتھراہٹ بتا رہی تھی کہ اس پر کوئی پیغام آرہا تھا۔ یہ امکان بھی تھا کہ وہ لوگ ایک دوسرے سے بات کررہے ہوں مگر انہیں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ نہیں تو قریب ضرور رہتے تھے۔ انہیں عام حالات میں پیغام کے تبادلے کے لیے کسی لاسلکی

Downloaded from https://paksociety.com

آلے کی ضرورت نہیں تھی۔ جی ٹوپا گوپال ریوالوروں کی فراہمی کے بارے میں مجھے تلاش کرسکتا تھا۔

میں نے نیچی آواز میں غزالہ کو اس نئے مسئلے سے آگاہ کردیا۔ ہم دونوں نے تیزی کے ساتھ کھانا ختم کیا اور ہوٹل کی طرف واپس چل دیے۔

ہوٹل کے فون سے سی ایس ڈی کو منسلک کرنا چند ثانیوں کا کام تھا مگر ٹرانسمٹر کی آزمائش بھی ضروری تھی۔ غزالہ فون لائن کی طرف متوجہ ہوگئی۔ میں نے اپریٹس آن کرکے جی ٹو کے لیے پیغام نشر کرنا شروع کردیا۔ وہ شاید میری کال کا انتظار کررہا تھا۔ میں نے پیغام دہرانے سے قبل انتظار کا وقفہ دیا اور مجھے اپریٹس پر اس کا جواب موصول ہوگیا "جی ٹو کالنگ۔ آٹھ بجے میں نے تم سے بات کرنے کی کوشش کی تھی۔ تم کہاں تھے؟"

"بازار میں تھا۔ واپس لوٹ کر تم سے رابطہ کررہا ہوں" میں نے لائن اوور ہونے پر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ پھر اپریٹس بند کرکے فون پر آجاؤ۔ سی ایس ڈی اس سے زیادہ محفوظ ہے۔ اوور اینڈ آل!"

فون ملاتے ہوئے میرے ذہن میں سلطان شاہ کا خیال جنم لے رہا تھا۔ ہوٹل کی فون لائن بین الاقوامی تھی۔ میں چاہتا تو محض کوڈ ملا کر پاکستان بات کرسکتا تھا۔ وہ فائیو اسٹار ہوٹلوں میں ملنے والی ایک عام سہولت تھی جو میری دسترس میں تھی۔

گوپال نے خود مجھے فون پر آنے کا مشورہ دیا تھا مگر پھر بھی وہ محتاط تھا۔ گھنٹی بجنے کے بعد میرے کانوں میں سرلا کی آواز آئی۔ پاس ورڈ سن لینے کے بعد اس نے کسی توقف کے بغیر ریسیور گوپال کو دے دیا۔

"ریوالوروں کا بندوبست ہوگیا ہے۔ تم ہوٹل کی پارکنگ میں آجاؤ تو میں آدھے گھنٹے میں تھیلا تم تک پہنچا سکتا ہوں" گوپال کہہ رہا تھا۔

"ابھی یہ پروگرام ملتوی کردو" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا "میرے پہنچنے سے پہلے این کاویل ہوٹل بدل چکی ہے۔ اسے انسپکٹر ڈیوڈ نے نوبجے اپنے دفتر میں طلب کیا ہے۔ کیا پتا کہ پولیس والے ہماری طرف بھی آجائیں۔ میں اپریٹس اور سی ایس ڈی چھپانے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے کہ تم تیزی سے سوچتے اور فیصلہ کرتے ہو مگر انسپکٹر ڈیوڈ کے بارے میں زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں" گوپال کی آواز آئی "وہ ایک بدنام اور اوباش پولیس افسر ہے اور اکیلی آنے والی غیر ملکی عورتوں کو حیلے بہانے سے دفتر میں بلاتا رہتا ہے۔ اگر این چالاک ہے تو اسے جل دے کر جلد ہی لوٹ آئے گی۔"

"وہ جوان اور خوبصورت عورت ہے۔ اپنی صلاحیتوں اور کشش سے اچھی طرح واقف ہے۔ ڈیوڈ ندیدا ہے تو وہ ایسے مردوں کو بے وقوف بنا کر اپنا الّو سیدھا کرنا جانتی ہے۔ شہر کے پولیس افسروں کے بارے میں تمہاری معلومات قابل رشک ہیں۔"

"پھر بھی تمہارا فیصلہ بہتر ہے۔ بعد میں پچھتانے سے بہتر ہے کہ پہلے احتیاط کرلی جائے۔ اگر تم ضرورت محسوس نہیں کررہے تو ہتھیاروں کی فراہمی کا معاملہ ابھی ملتوی رکھو۔ تم جب چاہو گے، یہ سامان تم پہنچا دیا جائے گا۔"

"تمہارے دیے ہوئے کاغذ پر خاصی کارآمد معلومات درج ہیں مگر میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ ان سے کیسے فائدہ اٹھایا جائے۔"

"اجنبی سرزمین پر ابتدا میں ایسا ہی خلا محسوس ہوتا ہے۔ ہمیں یہاں ایک مدت ہوچکی ہے۔ رابطے بھی ہیں مگر دو مہینے سے ہم راواولوں کی گرین کوبرا فائل کی تلاش میں ہیں۔ اس کی نقل ہمارے ہاتھ نہیں آرہی۔"

گوپال کا جواب سنتے ہی میرے ذہن میں ایک شعلہ سا لپکا اور میں نے پوچھا "یہ گرین کوبرا فائل کیا ہے؟"

"پاکستان کے خلاف بھارت کا کوئی انتہائی گھناؤنا منصوبہ ہے جسے ٹاپ سیکرٹ رکھا جارہا ہے۔ میری معلومات کے مطابق یہ فائل انل بسواس یا نریش شرما کی تحویل میں رہتی ہے۔ لوگ کاغذوں پر کام کرتے ہیں جو کاغذ مکمل ہوجاتے ہیں، وہ اس فائل کا حصہ بن جاتے ہیں۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے یہ بات میرے کان میں ڈال دی۔ اب میں اس کا دھیان بھی رکھوں گا" میں نے پرخیال انداز میں کہا "منخشب ان معاملات میں میری یا تمہاری کیا مدد کرسکتا ہے۔ تم نے اس کا نام خاص طور پر فہرست میں شامل کیا ہے۔"

"وہ بہت کچھ کرگزرے گا اور کرتا رہتا ہے۔ مگر ہمیشہ اپنا دامن بچا کر رکھتا ہے۔ وہ مجھ سے بات نہیں کرتا۔ شاید اسے اپنے ذرائع سے معلوم ہوچکا ہے کہ میں کون ہوں؟ وہ سرکاری آدمیوں سے دور رہتا ہے۔ ایسے معاملات میں پکڑ ہوجائے تو سیدھا سیدھا غداری کا الزام سر آتا ہے۔"

"اس کے اپنے ذرائع اس قدر موثر ہیں تو وہ مجھے بھی اپنے قریب نہیں پھٹکنے دے گا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"میرا نام لیے بغیر تم اپنی سی ایک کوشش کرلو۔ دیکھو کہ وہ کیا کہتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ انکار کردے گا' تمہارا کیا جائے گا۔"

"میں یہ ضرور کروں گا لیکن تم این کا دھیان رکھنا۔ اسے کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔"

"ڈیوڈ سے صرف ایک ہی نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔ اس سے وہ خود ہی بچ سکتی ہے۔ ڈیوڈ نے اسے ٹریپ کرلیا تو میں کیا کرسکوں گا۔"

گوپال کا جواب بہت حقیقت پسندانہ تھا۔ مجھے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ گوپال قدرے وقفے کے بعد کہہ رہا تھا "نخشب کو فون کرو تو اسے دادا کہہ کر مخاطب کرنا۔ ممبئی کے بدمعاش اپنے لیے یہ خطاب سنتے ہیں تو ان کے سینے پھول کر کپا ہوجاتے ہیں۔"

"مجھے ایک کمی شدت سے محسوس ہورہی ہے" میں نے اپنے ذہنی ابال کا رخ موڑنے کی نیت سے کہا "اعتماد کے ڈرائیور کے ساتھ مجھے ایک گاڑی مل سکے تو میرے کام کرنے کی رفتار بڑھ سکتی ہے۔ اس وقت میں خود کو ایک بھنور میں پھنسا ہوا محسوس کررہا ہوں۔"

"تم بلاوجہ یہ سوچ رہے ہو۔ ابھی تمہیں دہلی آئے ہوئے چوبیس گھنٹے بھی پورے نہیں ہوئے اور تم بہت کچھ جان چکے ہو۔ گاڑی کل صبح سے رات تک تمہارے پاس رہے گی۔ جی تھری اسے چلائے گا۔ ضروری ہتھیار وغیرہ بھی اسی میں پڑے رہیں گے۔ اس طرح تمہارا ہوٹل کا کمرا ہر وقت صاف ستھرا رہے گا۔ جی تھری دہلی کے چپے چپے سے واقف ہے اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے بے خطا نشانہ لگاتا ہے۔"

"صبح اسے بھیج دینا۔ وہ نیچے سے انٹرکام پر مجھے اپنی آمد کی اطلاع دے دے گا۔"

میں نے ویرا کے بارے میں گوپال کی بے لاگ رائے جاننے کے بعد دوبارہ اس بارے میں ایک لفظ نہیں کہا اور فون بند کردیا۔

میری رسٹ واچ سوا نو بجارہی تھی۔ پندرہ منٹ میں ویرا کا واپس اپنے ہوٹل پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ اس کے بارے میں' میں غزالہ سے کوئی بات نہیں کرسکتا۔ وہ اس کی ضد اور ہٹ دھرمی کے حوالے سے اس پر تنقید شروع کردیتی۔ میں اس کے بارے میں سوچتا اور کڑھتا رہا۔

پھر میں نے اضطراری طور پر گوپال کا دیا ہوا کاغذ نکالا اور نخشب کا نمبر ملالیا۔

تین گھنٹیوں کے بعد بھاری اور خمار میں ڈوبی ہوئی ہیلو سنائی دی۔

"میں دادا سے بات کرنے کا خواہش مند ہوں..." میں نے ملتجیانہ لہجے میں اپنی بات شروع کی تھی کہ اس نے میری بات کاٹ دی۔

"بولو' بولو! میں سن رہا ہوں۔" اس کی آواز میں شاہانہ فراخ دلی عود کر آئی۔

"پاکستان سے آئی ہوئی ایک لڑکی کو انسپکٹر ڈیوڈ نے اس وقت اپنے دفتر میں بلایا ہوا ہے۔ وہ اسے تنگ..."

نخشب دادا کی زبان سے ایک موٹی سی گالی برآمد ہوئی "سالا نشے میں ہوگا۔ میں ابھی اس کا دماغ درست کرتا ہوں۔"

وہ ڈیوڈ کے نشے کو برا قرار دے رہا تھا مگر ہر پیشہ ور بدمعاش کی طرح اس وقت خود نشے میں تھا۔ اس نے مجھ سے مزید کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اس کے لیے صرف اتنا کافی تھا کہ کسی فریادی نے اس کے فون کی گھنٹی بجائی تھی اور ایک لڑکی کے لیے مدد مانگی تھی۔

"وہ پولیس افسر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ چڑ کر لڑکی پر زیادہ ظلم کرگزرے۔" میں نے اسے اشتعال دلایا۔

اس بار نخشب نے ایک نئی اور بے ساختہ گالی دی "میں ممبئی کا دادا ہوں۔ دلی کے لونڈے کتنے بھی بڑے افسر ہوجائیں' میرے نام سے ان کا کلیجا پھٹتا ہے۔ اس نے لونڈیا کو ہاتھ بھی لگایا تو میں اس کا ہاتھ توڑ ڈالوں گا۔ سمجھا کیا ہے' میرا نام نخشب ہے نخشب!"

وہ منہ پھٹ' دیدہ دلیر اور شیخی خورہ تھا۔ شاید نشہ اترنے کے بعد وہ ایسا نہ رہتا ہو لیکن نشے کے عالم میں اسے چڑھانا بہت آسان تھا۔ اس وقت میں ویرا کا مسئلہ چھیڑ چکا تھا اس لیے کوئی دوسری بات مناسب نہیں تھی۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کرکے فون بند کردیا۔

گوپال کا تبصرہ سننے کے بعد مجھے جو کوفت ہوئی تھی' وہ نخشب سے بات کرنے کے بعد دور ہوگئی۔ ویرا کوئی اناڑی اور گھریلو لڑکی نہیں تھی۔ عورتوں کے ہزار چلتروں سے واقف تھی۔ اس کے گروں میں کوئی کسر باقی رہ جاتی تو اسے نخشب کی دھمکیاں پورا کرسکتی تھیں۔

نخشب کی شہرت اچھی نہیں تھی۔ اس کا نام ایک بدمعاش کے روپ میں میرے سامنے آیا تھا لیکن اس نے کسی تعارف یا سفارش کے بغیر جس طرح انسپکٹر ڈیوڈ کی سرکوبی کا وعدہ کیا تھا' اس نے میرے دل میں ماضی کے سلطانہ

Downloaded from https://paksociety.com

اور بہرام ڈاکو کی یاد تازہ کردی تھی۔ وہ امیروں اور جاگیر داروں کو لوٹتے تھے اور ضرورت مندوں کی کھلے دل سے مدد کرتے تھے۔ شاید داؤد جٹ کے دست راست کا کردار بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ اپنی بدمعاشی کی کمائی اور اثر و رسوخ کو وہ مظلوموں کی مدد کے لیے استعمال کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے مجھ سے مختصر' براہ راست اور دو ٹوک بات کی تھی جس میں شبے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

"آپ نے اس سے بات کرلی۔ ایسا نہ ہو کہ ڈیوڈ اسے منخشب کی آلہ کار سمجھ بیٹھے!" غزالہ نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا۔

"ایسے کھلے دل کے لوگوں کے بارے میں شکوک و شبہات نہیں ہوتے۔ ڈیوڈ اپنے دل میں جو چاہے' سمجھتا رہے۔ دوبارہ ویرا کو چھیڑنے یا تنگ کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔ بھارت کی پوری انتظامیہ ممبئی کے بدمعاشوں سے لرزتی ہے۔"

"مگر وہ ہمارے کسی کام نہیں آسکے گا۔" غزالہ نے متفسرانہ انداز میں کہا۔

"گوپال بتاچکا ہے کہ وہ اپنا دامن بچا کر چلتا ہے۔ سیاست اور جاسوسی کے بکھیڑوں کے قریب بھی نہیں پھٹکے گا۔"

"پھر گوپال نے آپ کو اس کا نام کیوں دیا ہے؟" غزالہ نے سوال کیا۔

"وہ بنیادی طور پر مسلمانوں کا ہمدرد ہے۔ اپنے سر کوئی سنگین الزام آنے کا خطرہ نہ ہو تو شاید وہ کبھی ہمارے کام بھی آسکتا ہے۔ یہی دیکھ لو کہ اس وقت اس نے ویرا کی مدد کرنے کا وعدہ کرلیا ہے ورنہ اس وقت ہمیں دہلی تو کیا' پورے بھارت میں ویرا کا کوئی ہمدرد نظر نہیں آرہا تھا۔"

"شاید ایسے ہی لوگوں کے بل بوتے پر یہاں مسلمان سر اٹھا کر چلتے ہیں ورنہ وہ ایک کچلی ہوئی بڑی اقلیت ہیں۔"

"منخشب کا سکہ پوری طرح دہلی میں چلتا ہو مگر بھارت بہت بڑا ملک ہے۔ ہر خطے کے مسلمانوں کو ایسی چھتریاں میسر نہیں آسکتیں۔ وہ لوگ لکھ پڑھ کر اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر آگے بڑھ رہے ہیں۔"

غزالہ نے بڑھ کر ٹیلی وژن کی دھیمی آواز بڑھا دی کیونکہ دور درشن سے خبریں دکھائی اور سنائی جارہی تھیں۔

ملکی اور عالمی سیاسی خبروں میں میرے لیے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن جب آخر میں نیوز ریڈر نے بتایا کہ دہلی سے سڑک کے راستے شملہ جاتے ہوئے پاکستان کے تین سفارتی اہل کار ایک حادثے میں ہلاک ہوگئے تو میرے کان کھڑے ہوگئے۔ وہ وہی بری خبر تھی جس کی ہر آن توقع تھی۔ بھارتی اپنے سفارت کاروں کے سیاہ کرتوتوں کا جائزہ لینے کے عادی نہیں تھے۔ بس جان کے بدلے جان لینے کے وحشیانہ روگ میں مبتلا تھے۔ مجھے یقین تھا کہ یہ نام نہاد حادثے میں جاں بحق ہونے والے پاکستانیوں میں سے کوئی بھی سفارتی بے راہ روی میں ملوث نہیں رہا ہوگا۔ میں نے گوپال کو اچھی طرح کرید کر اندازہ لگالیا تھا کہ بھارتیوں کی درندگی کے مقابلے میں پاکستان کے ذمے دار افسر عدم تشدد کا راگ الاپے جارہے ہیں۔ ان کی پالیسیاں مدافعانہ تھیں جب کہ دشمن ہر محاذ پر بڑھ کر وار کیے جارہا تھا۔

میں وہ خبر سن کر اداس ہوگیا تھا۔ میں نے اول خان یا سلطان شاہ کو فون کرنے کا ارادہ بھی ترک کردیا مگر میرے پاس کافی وقت تھا جو کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ویرا دس بجے سے پہلے اپنے ہوٹل نہیں پہنچے گی۔

یہ حیرت کی بات تھی کہ تھوڑی دیر پہلے گوپال سے میری بات ہوئی تھی لیکن وہ دہلی اور شملہ کے راستے میں پاکستانی سفارتی عملے کو پیش آنے والے کسی مہلک حادثے سے بالکل بے خبر تھا۔ ٹیلی وژن کے خبرنامے میں وہ اطلاع اچانک نمودار ہوئی تھی۔ شاید بھارتیوں نے اس نام نہاد حادثے کی خبر کو جان بوجھ کر دبائے رکھا تھا۔ شاید اس دوران میں حادثے کے حقیقی اسباب کو اس قدر مسخ کردیا گیا ہو کہ کوئی ان تین افراد کو پیش آنے والے واقعے کے اصل محرک کا سراغ نہ لگا سکے۔

میں دیر تک بستر پر خاموش لیٹا اس اندوہناک واقعے پر غور کرتا رہا۔ غصے اور اشتعال میں مجھے یہ خیال بھی آیا کہ اٹل بسواس یا نریش شرما کو فون کرکے خوف زدہ کروں لیکن اس حرکت کے نتائج کے بارے میں سوچنے کے بعد میں نے وہ ارادہ ملتوی کردیا۔ یہ بات بالکل کھل کر سامنے آچکی تھی کہ وہ دونوں بھارت کے سرکاری دہشت گردوں کے سرغنہ تھے۔ پاکستانیوں کو ہر سطح پر جانی اور مالی نقصان پہنچانا ان کا مقصد حیات بن چکا تھا۔ بھارت کی سرزمین پر پیش آنے والے تازہ واقعے میں ان کا تخریبی دماغ کارفرما ہوسکتا تھا۔ میں فون کرکے انہیں شدید ذہنی اذیت میں مبتلا کرسکتا تھا لیکن یوں وہ ہوشیار ہوجاتے اور مجھے ان کی گردنوں پر ہاتھ ڈالنا دشوار ہوجاتا۔ بہتر یہی تھا کہ صبر و استقامت سے کسی مناسب وقت کا انتظار کیا جاتا۔

ان لوگوں کو سبق دینے کے لیے جلال اور اس کے آدمیوں کا اصولی فلسفہ ناکافی تھا۔ صرف میں ہی انہیں ان کی

Downloaded from https://paksociety.com

زبان میں کچھ سمجھا سکتا تھا۔ میرے لیے یہ اطمینان کی بات تھی کہ دھیرے، دھیرے میرے وسائل یک جا ہو رہے تھے اور عمل کر گزرنے کا مرحلہ قریب آتا جا رہا تھا۔

میں اپنے حریفوں کو بے خبر رکھنا چاہتا تھا۔ ان کے کانوں میں کہیں سے بھنک پڑ چکی تھی کہ کچھ خطرناک پاکستانی ان کے ملک میں گھس آئے تھے۔ ان مشتبہ افراد کی تلاش میں شاید ہر مشتبہ شہر کی پولیس حرکت میں آچکی تھی لیکن ہمارے ستارے یاور تھے۔ پولیس افسران کا سامنا کرنے کے باوجود ہم محفوظ و مامون تھے۔ توقع تھی کہ ویرا بھی دوسری آزمائش میں سرخ رو رہے گی۔

میں نے انل بسواس اور نریش شرما کو فون کرنے کا ارادہ ترک کردیا تھا کیونکہ میں انہیں اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کرنا چاہتا تھا۔ ویرا نے کراچی میں اس کے برعکس رویہ اپنایا تھا۔ وہ سی آئی اے کے علاقائی سربراہ کو پاکستان سے باہر ہانک کر بھارتی شکار گاہ میں اس کا ہانکا کرنا چاہتی تھی۔ اس نے کراچی چھوڑنے سے پہلے دیوانگی کے انداز میں اسے پے در پے تین فون کر ڈالے تھے اور وہ دہشت زدہ ہو گیا تھا۔

بعد میں اول خان نے تصدیق کردی تھی کہ وہ بھیڑ نما بھیڑیا اپنے گھر اور دفتر سے غائب تھا۔ ہمیں کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا کہ وہ کہاں تھا۔ ویرا کے قہر سے بچنے کے لیے وہ اسلام آباد، دہلی، بنکاک یا پھر کہیں بھی روپوش ہو سکتا تھا۔ ویرا کی طرح میری بھی دلی آرزو تھی کہ اس نے کراچی سے دہلی کا رخ کیا ہو تاکہ اسے اس کے گہرے دوستوں کے دیس میں، انل بسواس کے ساتھ اس کے کیفرِ کردار تک پہنچایا جا سکے۔

کڑیاں دھیرے دھیرے یک جا ہو رہی تھیں لیکن اس وقت تک سی آئی اے کے جان نثار کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

دس بجے میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ سی ایس ڈی کے تاروں کو لائن سے الگ کیے بغیر میں نے اس کا سوئچ آف کردیا۔ اس ڈیوائس کے بغیر میں نے ہوٹل مرینا کا نمبر ملایا اور جب آپریٹر نے کال ویرا کو منتقل کردی تو میں نے سی ایس ڈی آن کردی۔ وہ سادہ سی ترکیب اچانک میرے ذہن میں آئی تھی۔ میں نے آپریٹر کی دوبارہ دخل اندازی کا مناسب ترین سدِباب کرلیا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم اپنے کمرے میں موجود ہو۔ تمہاری آواز سن کر میری جان میں جان آئی ہے ورنہ میں بہت پریشان تھا۔" میں نے کہا۔

"مظہر! احتیاط سے کام لو۔ کوئی اور بھی یہ گفتگو سن سکتا ہے۔" ویرا کو اندازہ نہیں تھا کہ سی ایس ڈی اپنا کام شروع کر چکی تھی۔

"کھل کر بات کرو۔ لائن منتقل ہونے کے بعد میں نے ڈیوائس آن کردی ہے۔"

"وہ کوئی بدمعاش اور آوارہ پولیس افسر ہے۔ حرام زادہ نشے میں دھت تھا۔ جانچ پڑتال سے زیادہ دل لگی کر رہا تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟" غصے سے میرا خون کھول رہا تھا۔ اس کی خاموشی مجھ سے برداشت نہ ہو سکی۔

ویرا میری کیفیت کا اندازہ کر کے ہنس پڑی "ہونا کیا تھا ... تم جانتے ہو کہ میں ایسے خبیث مردوں کو اپنی انگلیوں پر نچانا جانتی ہوں۔ وہ میری چھچھورا باتوں پر بار بار کھسیں نکال رہا تھا اور اس کے ماتحت زیرِلب مسکرا رہے تھے۔"

"تم نے اس کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اب وہ تمہارے ہوٹل کے چکر لگاتا رہے گا۔"

"میں خود بھی اس امکان سے ڈر رہی تھی۔ میں اسے جل دے کر وقتی طور پر جان بچا سکتی تھی لیکن پھر وہ میرے کمرے کا راستہ دیکھ لیتا۔ ان ہی خوش گپیوں کے دوران کسی کا فون آگیا جس پر ڈیوڈ کا موڈ غارت ہو گیا اور اس نے مجھے اپنے دفتر سے روانہ کردیا۔ وہ کسی نخشب کو بہت گندی گالیاں دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ دو ٹکے کا بدمعاش ہے مگر خود کو دہلی کا مالک سمجھتا ہے۔ جس دن داؤ لگ گیا، کوئی اسے گولیوں سے بھون ڈالے گا۔"

وہ ویرا کی کہانی کا دلچسپ ترین موڑ تھا جس سے مجھے گہری دلچسپی تھی۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ نخشب نے نشے میں ہونے کے باوجود اپنے وعدے کا پاس کیا تھا اور ویرا کی بحفاظت واپسی کے لیے اسے کچھ کھری کھری باتیں سنائی تھیں۔

میں ویرا کو بتا دیتا کہ نخشب نے وہ فون میرے ایما پر کیا تھا تو وہ مزید تفصیل گول کر جاتی۔ میں نے انجان بن کر پوچھا "کوئی دو ٹکے کا بدمعاش، انسپکٹر عہدے کے ایک پولیس افسر کو کیا دھمکیاں دے سکتا ہے؟"

"پتا نہیں۔" ویرا بے پروائی سے بولی "جب تک فون پر بات ہوتی رہی، ڈیوڈ ہوں ہاں کرتا رہا۔ اس کا چہرہ بری طرح بگڑ گیا تھا۔ اس نے فون بند کرنے کے بعد نخشب کی شان میں مغلظات بکنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔"

"اور اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ نخشب نے اس وقت

Downloaded from https://paksociety.com

تمہاری واپسی کے لیے ڈیوڈ کو فون کیا تھا تو تم کیا کہو گی۔"

"میں ہنس کر یہ مذاق سن لوں گی۔ دہلی کے کسی بدمعاش کو میری آزادی یا گرفتاری سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟"

"اس وقت میں اس لیے خوش ہوں کہ دہلی میں ہمیں ایک ایسا ہمدرد مل گیا ہے جو کسی جان پہچان کے بغیر ہر مظلوم کی مدد کرتا ہے۔"

"اٹھارویں صدی کی باتیں مت کرو۔ ایسے بدمعاش، چور اور ڈاکو اس وقت پائے جاتے تھے۔ آج ہم بیسویں صدی میں رہ رہے ہیں۔ اس سے تمہاری کوئی جان پہچان نہیں تھی تو تم اسے میری مدد کے لیے کیسے آمادہ کر سکے؟ یہ ناقابل یقین کہانی ہے۔"

اس نے ڈیوڈ کے چنگل میں پھنسی ہوئی ایک پاکستانی لڑکی کی مدد کی ہے۔ یقین نہ ہو تو تمہیں اس کا فون نمبر دیتا ہوں۔ شکریے کا فون کرو گی تو شاید وہ خود ہی تم سے بات کرے گا۔ مجھے بھی بھروسا نہیں تھا کہ وہ اپنے وعدے پر عمل کر کے اپنی شہرت برقرار رکھے گا۔"

"تمہارے پاس سی ایس ڈی ہے۔ میں اس سے محروم ہوں۔ میں کسی سے آزادانہ رابطہ نہیں کر سکتی۔" میرے اصرار اور سنجیدگی پر آخر کار اسے اعتبار کرنا پڑا "میرے لیے یہ سب واقعی حیران کن ہے۔ ڈیوڈ فون پر بات کرتے ہوئے بار بار میری طرف دیکھے جا رہا تھا۔ فون سننے کے بعد اس کی خرافات کا سلسلہ یک لخت ختم ہو گیا اور اس نے نخشب کو برا بھلا کہتے ہوئے مجھے لوٹا دیا۔"

"آج اسے چوٹ ہو گئی لیکن وہ کسی بہانے سے پھر پلٹ سکتا ہے۔" میں نے محض ویرا کو ڈرانے کے لیے کہا "یہ یاد رکھنا کہ زخم کھایا ہوا سانپ پلٹ کر اپنا پھن ضرور مارتا ہے۔ ڈیوڈ اپنی ذلت کو آسانی سے نہیں بھلا سکے گا۔"

"تم فکر مت کرو۔ میں وہ فون آنے سے پہلے بہت کچھ سوچ چکی تھی۔ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ میں اپنی جان پر کھیل جاؤں گی لیکن تم پر بوجھ نہیں بنوں گی۔ یہ تمہاری مہربانی ہے کہ تم نے میرا خیال رکھا اور نخشب کو ڈیوڈ کی زیادتی کی طرف متوجہ کر دیا۔"

ویرا کا جواب سن کر میرے دل پر چوٹ سی لگی۔ اس کی آواز میں طنز پنہاں نہیں تھا لیکن لہجے میں ہلکی سی اجنبیت تھی۔ میں نے ذرا سختی سے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے چوبیس گھنٹوں کے تجربات نے تمہاری طبیعت صاف کر دی ہے۔"

"اب تنہا رہنے کی عادت نہیں رہی۔ میرے لیے یہ بات سوہان روح بنی ہوئی ہے کہ تم اسی شہر میں موجود ہو اور مجھے تم سے دور رہنا ہے۔ اس تلخ تجربے سے گزرنے سے پہلے میں اس کے اثرات کا صحیح اندازہ نہیں کر سکی تھی۔"

میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھا پھر نرمی سے کہا "پیش رفت ہو رہی ہے۔ کھیل کسی بھی وقت شروع ہو سکتا ہے۔ دعا کرو کہ ہمیں یہاں کے مسائل سے جلد از جلد نجات مل جائے اور ہم واپس روانہ ہو سکیں۔"

"اس وقت تم نے باتیں کر کے میرا دل ہلکا کر دیا ہے ورنہ پابندیوں سے مجھے وحشت ہونے لگی تھی۔ تم سے مل نہیں سکتی، فون پر زیادہ بات نہیں کر سکتی..... جب تک یہاں رہنا ہے، مجھ سے سی ایس ڈی لگا کر بات ضرور کر لیا کرو ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"میں خیال رکھوں گا۔ اب تم آرام کرو۔ ہمیں اطلاع دیے بغیر ہوٹل تبدیل نہ کر لینا۔"

میں فون بند کر کے مڑا تو غزالہ مسکرا رہی تھی۔ فون پر دھیمے لہجے میں ہونے والی باتوں سے اسے ویرا کی خیریت کا اندازہ ہو گیا تھا۔

○☆○

اگلے روز انڈین ایکسپریس کے پہلے صفحے پر میرے لیے تین اہم خبریں موجود تھیں۔

پہلی خبر پاکستانی سفارتی عملے کو پیش آنے والے اندوہناک حادثے کے بارے میں تھی۔ اخبار نے اس واقعے پر تین کالمی سرخی جمائی تھی۔ پولیس اور سرکاری ترجمان کے مطابق وہ حادثہ سڑک پر تیز رفتاری کے دوران اگلا ٹائر پھٹ جانے کی وجہ سے پیش آیا تھا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ اس بدنصیب کار نے اگلا ٹائر پھٹ جانے کی وجہ سے ایک گہرے کھڈ میں قلابازیاں کھائی تھیں لیکن سوال یہ تھا کہ وہ ٹائر حادثاتی طور پر پھٹا تھا یا کہیں چھپے ہوئے کسی ماہر نشانے باز نے ٹائر پر قسمت آزمائی کی تھی۔ سارا اہتمام کچھ اس طرح کیا گیا تھا کہ جائے حادثہ سے پھٹے ہوئے ٹائر کے متعدد ٹکڑے دستیاب ہوئے تھے جن پر کسی گولی وغیرہ کے نشان کا سراغ لگانا ناممکن تھا۔

کسی واقعے میں آتشیں بارودی اسلحے کے استعمال کا تعین کرنے کے لیے استعمال ہونے والی سہولتیں بھارت میں دستیاب تھیں نہ پاکستان میں۔ امریکا اور یورپ کے ترقی یافتہ ممالک میں یہ کام ہو سکتا تھا لیکن وہاں تک منتقلی کا عنصر ایسے ہر ٹیسٹ کو ناکام بنا سکتا تھا۔

وہ براہِ راست قتل بہرحال نہیں تھے۔ پاکستانی سفارت

Downloaded from https://paksociety.com

خانے نے فوری طور پر کسی منفی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ امکان ظاہر کیا گیا تھا کہ اسے حادثے کے طور پر ہی قبول کرلیا جائے گا اور تین قیمتی انسانی جانوں کے اتلاف پر کوئی نازیبا الزام تراشی نہیں کی جائے گی۔

دوسری خبر بھارت میں چند پراسرار پاکستانی دہشت گردوں کے داخلے کے بارے میں تھی۔ بھارت کی وزارت داخلہ کو مصدقہ خفیہ ذرائع سے اطلاعات ملی تھیں کہ کچھ پاکستانی دہشت گرد پوری تیاریوں کے ساتھ بھارتی سرزمین پر وارد ہوچکے تھے۔ امن وامان اور قومی سلامتی کے ذمے دار اداروں کو چوکس رہنے کے احکام جاری کیے گئے تھے اور کئی بڑے شہروں میں مشتبہ افراد کی تلاش کا کام شروع کردیا گیا تھا۔

اس خبر میں میرا یا کسی اور کا نام نہیں تھا لیکن قیاس بتارہا تھا کہ وہ ساری ہلچل ہماری وجہ سے تھی۔ ہم تینوں پوری رازداری اور خاموشی کے ساتھ پاکستان سے روانہ ہوئے تھے۔ ہر مرحلے پر اس قدر احتیاط سے کام لیا گیا تھا کہ بھارتی فوج کے میجر اچاریہ اور اس کے اوباش صوبے دار سمیت، کسی کو بھارت میں ہمارے داخلے کی بھنک نہیں مل سکی تھی۔ صرف امرتسر کا بنگو ہمارا رازداں تھا۔ خود اس کی سلامتی کا تقاضا تھا کہ وہ ہماری آمد کے بارے میں اپنی زبان بند رکھتا۔ اس کے باوجود خبر نکل گئی تھی تو میں اپنی کسی خامی پر غور کرنے کے بجائے سارا کریڈٹ ان بھارتی ایجنٹوں کو دینے پر مجبور تھا جو پاکستان میں فعال تھے۔

کراچی میرا بنیادی کیمپ تھا۔ میں اسپیشل ٹاسک فورس کے تعاون سے وہیں بیٹھ کر دشمنوں کا مقابلہ کرتا رہا تھا۔ ہماری لاہور روانگی کے بعد کراچی کے محاذ پر طاری ہونے والی خاموشی نے شاید راواں کی صفوں میں تحریک پیدا کی اور پھر وہ کسی نہ کسی طرح یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوگئے کہ ہم کراچی سے نکل کر لاہور پہنچے ہوئے تھے۔ لاہور میں ہیومن سوسائٹی اور چوہدری عظمت کے معاملات میں میرا تمام کردار پس پردہ رہا تھا۔ وہ واقعہ آئی بی کے کیس کی صورت میں اخبارات اور عوام کے سامنے پیش کیا گیا تھا لیکن مخصوص زاویے سے کھوج لگانے والوں نے شاید کسی طرح پتا چلا لیا تھا کہ میں ان واقعات میں شامل تھا۔

کراچی سے روانگی اور لاہور میں موجودگی کی شہادتیں مل جانے کے باوجود جب ان لوگوں کو میرا کوئی سراغ نہیں مل سکا تو انہوں نے از خود ایک مفروضہ قائم کرلیا کہ میں سرحد پار کرکے ان کے ملک میں داخل ہوچکا تھا۔

ان کے نکتہ نظر سے یہ امکان اتنا ہولناک تھا کہ انہوں نے مزید تحقیق اور تفتیش میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنے خفیہ اندازے آگے بڑھا دیے۔ وہ اپنے اندازوں کے بارے میں پرُیقین نہیں تھے اس لیے اطلاعات میں میرا نام شامل نہیں تھا لیکن آثار بتارہے تھے کہ ان کا اصل نشانہ کون تھا۔

تیسری اور مختصر سی ایک کالمی خبر سب سے زیادہ حوصلہ افزا تھی۔ وہ ایشیا میں سی آئی اے آپریشنز کے چیف، جان اسمتھ کی مقامی مصروفیات کے بارے میں تھی۔ وہ بزدل اور بھگوڑا نجی دورے کی آڑ میں کراچی سے بھاگ کر واقعی دہلی آپہنچا تھا اور اعلیٰ بھارتی حکام سے ملاقاتوں میں مصروف تھا۔

میں ناشتے کے دوران ان خبروں کا مطالعہ کرتا رہا۔ انڈین ایکسپریس ایک معتبر اور جامع اخبار تھا۔ اس میں وہ سب موجود تھا جو مجھ جیسے لوگ جاننا چاہتے تھے۔ چائے نوشی ختم کرنے کے بعد میں نے اخبار کے اوراق پلٹے تو مجھے میجر بخشی کے بارے میں بھی کچھ مواد مل گیا۔ کراچی سے ممبئی منتقلی کے بعد اس کے متعدد ٹیسٹ کیے جاچکے تھے مگر دماغی اور اعصابی امراض کے ماہرین اس کی بیماری کے اسباب کا سراغ لگانے میں ناکام ہوچکے تھے۔ اس کی یادداشت کا خانہ بدستور کورا تھا۔

تین بے گناہ پاکستانی سفارت کاروں کی لاشوں کے بدلے میجر بخشی کی زندہ لاش کا سودا بہت سستا تھا۔ میجر بخشی ایک مسلمہ اور مصدقہ مجرم تھا۔ اس کے جرائم تواتر کے ساتھ میرے سامنے آتے رہے تھے پھر جس کسی جوابی کارروائی سے بچنے کے لیے ہم نے اسے ہلاک نہیں کیا تھا۔ اسے بے ہوش کرنے کے بعد ایس ٹی ایف کے حامد نے مارشل آرٹس میں اپنی مہارت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بخشی کے شانوں کی کچھ ایسی رگیں دبائی تھیں کہ اس کی یادداشت صاف ہوگئی تھی۔ وہ بخشی کا عضلاتی نقصان تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قابل ترین بھارتی ماہرین بھی سر جوڑ کر کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے تھے۔

"آپ کب تک اخبار چاٹتے رہیں گے؟" طویل انتظار سے اکتا کر غزالہ سوال کر بیٹھی۔

"بہت دلچسپ خبریں ہیں۔ پڑھو گی تو تم بھی ان میں محو ہوجاؤ گی۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی میں ترقی کا ایک فائدہ یہ ہے کہ بہت سے رازاہل کر خود بہ خود سامنے آجاتے ہیں۔ جان اسمتھ کسی گیدڑ کی طرح دم دبا کر کراچی سے بھاگا تھا۔ اخبار بتارہا ہے کہ وہ دہلی میں ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"این کاویل یہ خبر پڑھ کر خوش ہو جائے گی۔" غزالہ نے کہا۔ یہ بات طے ہو چکی تھی کہ بھارت کی سرزمین پر ہم لوگ تخلیے میں بھی ایک دوسرے کا ذکر ان ناموں سے کریں گے جو ہمارے پاسپورٹوں پر لکھے ہوئے تھے۔

"اگر اس کے ہوٹل میں انڈین ایکسپریس ہی مہمانوں کو فراہم کیا جاتا ہے تو وہ ضرور یہ خبر پڑھے گی۔"

"وہ یہاں ہے مگر ہم اس تک کیسے پہنچیں گے؟" وہ سوال کرتے ہوئے غزالہ سنجیدہ ہو گئی۔

"گاڑی آجانے دو۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "آج ہی سے تلاش کی مہم شروع کر دی جائے گی۔"

اس روز ہم دونوں سویرے بیدار ہو گئے تھے۔ ہم تیار ہو کر ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے مگر صرف سوا نو بجے تھے۔ جی تھری کسی بھی وقت گاڑی لے کر پہنچنے والا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ اس کے ساتھ پہلے میں ان ٹھکانوں کا جائزہ لوں گا جہاں میرے متوقع شکاروں کے دفاتر یا گھر واقع تھے۔ پھر محل وقوع اور فرار کی دستیاب سہولتوں کی روشنی میں ان کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کروں گا۔"

"اپنے ملک سے باہر نکلنے کے بعد یہ سب بہت مشکل بلکہ ناممکن نظر آتا ہے۔" غزالہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

"امریکا پہنچنے کے بعد بھی ایسا ہی جمود نظر آرہا تھا مگر ایک بار راستہ بن گیا تو ہر کام سیدھا ہوتا چلا گیا۔ امریکا کے مقابلے میں یہاں کا ماحول وغیرہ ہم لوگوں کے لیے زیادہ اجنبی نہیں ہے پھر ہمیں یہاں آئے ہوئے وقت ہی کتنا ہوا ہے۔"

دس بجے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ دوسری طرف سے جی تھری بول رہا تھا۔ وہ گاڑی لے آیا تھا۔ اس نے مجھے اپنی گاڑی کا رنگ اور نمبر بتایا۔ میں نے اسے پارکنگ میں رک کر انتظار کرنے کی ہدایت کی۔ ویرا کو تیاری کا اشارہ کیا اور فون پر ویرا کے ہوٹل کا نمبر ملا لیا۔

پچھلے تجربے کی روشنی میں اس بار بھی میں نے پرانی ترکیب آزمائی۔ ریسیور پر ویرا کی آواز سن کر کرسی ایس ڈی آن کر دی۔

"تم نے اخبار دیکھا ہو تو پڑھ لیا ہوگا کہ جان دہلی میں موجود ہے۔" میں نے اسے خوش خبری سنائی۔

"واقعی!" اس کی تحیر زدہ آواز مسرت سے لبریز تھی "میں تھوڑی دیر پہلے سو کر اٹھی ہوں۔ ابھی اخبار دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔"

"انڈین ایکسپریس میں پریس ٹرسٹ آف انڈیا کی جاری کی ہوئی خبر چھپی ہے۔ یہ دوسرے اخباروں میں بھی آئی ہوگی۔ تم کو نہ ملے تو انڈین ایکسپریس کے اندرونی صفحات دیکھ لینا۔ اب میں شہر کے سروے پر نکل رہا ہوں۔" میں نے اسے بتایا۔

"غزالہ تمہارے ساتھ جا رہی ہوگی!" ویرا نے رشک آمیز آواز میں پوچھا۔

"دوستوں کی طرف سے گاڑی اور ڈرائیور کا بندوبست ہو گیا ہے۔ وہ میرے ساتھ جائے گی۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ تم مجھے بھی ساتھ لے لو۔ میں تیار ہو کر پانچ منٹ میں نیچے آجاتی ہوں۔"

"تمہارا حافظہ کمزور ہے۔ تم پچھلی رات کے تجربے اور اپنے وعدے کو اتنی جلدی بھول جاؤ گی۔ مجھے یہ توقع نہیں تھی۔"

"میں تمہاری کامیابیوں کے لیے دعاگو رہوں گی۔ ہوٹل پہنچ کر مجھے فون ضرور کر لینا۔" اس نے مجھے تاکید کی۔

"اسے بہلائے رکھنے کے لیے وہ مختصر سی فون کال ضروری تھی۔ میں نے اس سے وعدہ کر کے فون بند کر دیا۔"

اتنی دیر میں غزالہ جوتے وغیرہ پہن کر تیار ہو چکی تھی۔ میں نے سی ایس ڈی کو فون کی لائن سے الگ کر لیا۔ غزالہ نے سی ایس ڈی اور اپریٹس اپنے ویٹی بیگ میں ڈالے اور ہم دونوں اپنا کمرا مقفل کر کے لفٹ کی طرف چل دیے۔

ہمارے کمرے میں روز مرہ استعمال کے چند جوڑوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ میں سفر میں رقم اور پاسپورٹ وغیرہ ہر دم اپنے ساتھ رکھنے کا عادی تھا۔ میں نے کمرے کی چابی کاؤنٹر پر جمع کرائی اور غزالہ کے ساتھ ہوٹل سے نکل گیا۔

میں نے جی تھری سے اس کی گاڑی کا رنگ اور نمبر معلوم کر لیا تھا لیکن پارکنگ لاٹ میں گھستے ہی مجھے احساس ہو گیا کہ مطلوبہ گاڑی تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔

میں ٹھٹک کر رک گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ لاٹ میں کھڑی ہوئی گاڑیوں میں اپنی تلاش کی ابتدا کس طرف سے کروں۔ پریشانی کے عالم میں میری ساری توجہ اپنے سامان پر مرکوز تھی کہ اچانک پیچھے سے کسی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

دباؤ ہلکا اور دوستانہ تھا۔ اس میں گرفت کی سی سختی نہیں تھی مگر میرے لیے وہ حرکت غیر متوقع تھی۔ میں بھڑکا، بہت تیزی سے گھوما تو ایک متین اور بھرا بھرا نوجوان میری نظروں کے سامنے تھا۔ میرے پلٹنے کی وجہ سے اس کا ہاتھ میرے شانے پر سے گر چکا تھا۔ وہ براہِ راست مجھ

Downloaded from https://paksociety.com

آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں چار ناموں والے کی تلاش ہے؟" نگاہیں چار ہوتے ہی اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"مجھے کالے چور کی تلاش ہے۔ تم کون ہو اور اس بے تکلفی کا کیا مطلب تھا؟" میں نے تلخی سے کہا۔ غزالہ پریشان نظر آنے لگی تھی۔

اس نے گاڑی کا رنگ اور رجسٹریشن نمبر دہرایا پھر مسکراتے ہوئے بولا "مجھے معلوم تھا کہ تم چکرا جاؤ گے اس لیے میں یہیں تمہارا منتظر تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ مجھ سے اندازے کی غلطی نہیں ہوئی کیونکہ تمہارے ہونٹوں پر بھی ہنسی کھیل رہی ہے۔"

میں نے تپاک سے اس سے ہاتھ ملایا۔ اس نے اپنے سر کو ہلکا سا خم دے کر غزالہ کو سلام کیا اور ہم اس کی رہنمائی میں پارکنگ لاٹ میں داخل ہوگئے۔

"تمہارے قیاس کی داد نہ دینا ناانصافی ہے۔ تم نے ہمیں پہلی بار دیکھا اور پہچان لیا۔" میں نے کہا۔

"اپنوں کی بو دور سے آجاتی ہے۔ میں کسی باوقار جوڑے کا منتظر تھا۔" اس نے جواب دیا۔

"یہ چار ناموں والے کا کیا ذکر تھا؟ تمہاری اس بات نے ذرا سی دیر کے لیے مجھے الجھا دیا تھا۔"

"ہم تینوں کے چار نام ہیں۔" اپنے گردوپیش میں نظر دوڑانے کے بعد اس نے دھیرے سے کہا "ماں باپ اور گھر بار کے ساتھ ہم اپنا نام بھی اپنے وطن میں چھوڑ آئے ہیں۔ میرا دوسرا نام سنیل ہے جس سے یہاں کے لوگ جانتے ہیں۔ تیسرا نام کپور تھلا کے رئیس کا ہے جو سرلا اور تم جیسے دوستوں کی پہچان کے لیے ہے۔ تم اپریٹس استعمال کرو گے تو میں جی تھری کہلاؤں گا۔ یہ سب زندگی کے انوکھے کھیل ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ آخر میں وطن کی خاک نصیب ہوتی ہے یا یہاں کی مٹی کسی اور نام سے ہمیں اپنی گود میں چھپائے گی۔"

"یار، تم جوان آدمی ہو۔ کیوں قنوطی ہو رہے ہو۔ ابھی تو تمہارے ہنسنے کھیلنے کے دن ہیں۔"

"قنوطی نہیں، بس ذرا جذباتی ہو رہا تھا۔ تم سے ملتے ہی برسوں رات کا خیال آگیا تھا۔ تمہاری لائن ڈراپ ہوتے ہی مجھے موت سامنے نظر آنے لگی تھی۔ میں سرلا سے کچھ کہے فیر تیزی سے وہاں سے نکل گیا۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ کسی نے میری موجودگی کا یقین کرنے کے لیے وہ فون کیا تھا۔ میں نے جاگنے میں دیر کی تو سرلا کے گھر میں ہی مارا ڈالا جاؤں گا۔ ہماری زندگی کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا۔ ابھی ہیں، اگلے لمحے کوئی گولی آئے گی اور نہیں ہوں گے۔"

"قابل رشک بات یہ ہے کہ ان سب خطروں سے آگاہ ہوتے ہوئے بھی تم پیچھے نہیں ہٹتے۔" غزالہ نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا "میں تمہاری اس دلیری اور عظمت کو سلام کرتی ہوں۔"

اس نے یکایک سامنے آکر ہم دونوں کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ "مجھے شرمندہ مت کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کون ہو۔" یہ کہہ کر وہ پھر ہمارے ساتھ ہولیا "ہمیں احتیاط برتنے کا حکم نہ ہوتا تو میں دیکھتے ہی تم کو اپنے کندھے پر اٹھالیتا۔ تمہارے نام کو یہاں کے اخباروں نے لیجنڈ بنادیا ہے۔ مجھے تم سے برابری سے بات کرتے ہوئے شرم آرہی ہے۔"

میں مسکرا کر رہ گیا۔ گوپال یا عابد علی کی طرح وہ بھی جوان تھا۔ جلال نے بھارت میں کام کرنے کے لیے تجربہ کار اور پختہ عمر کے ایجنٹوں کے بجائے پرجوش اور جوان افراد کا انتخاب کیا تھا جو اس کی ذہانت کا کھلا ثبوت تھا۔

ہم اس کی گاڑی تک پہنچے تو میں نے اس کے ساتھ پسنجر سیٹ پر بیٹھنا چاہا مگر اس نے مجھے روک دیا "تم پیچھے ہی بیٹھو۔ ہر ایک کی نظر سے بچے رہو گے۔ جس طرح میں مجبور ہو کر آپ جناب کے بجائے تم سے مخاطب کر رہا ہوں، اسی مجبوری کے تحت تم مجھے اپنا ڈرائیور سمجھ لو اور صرف یہ بتاؤ کہ کہاں جانا ہے۔"

اس کا پیش کیا ہوا نکتہ جان دار تھا۔ میں پچھلی نشست پر غزالہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"اہل بسواس اور نریش نرما کے دفاتر اور گھر امریکی سفارت خانہ اور ان کے درمیان آنے والے مقامات دیکھنے ہیں۔" گاڑی حرکت میں آنے کے بعد میں نے اسے بتایا "یہ ہمارا ابتدائی جائزہ مشن ہے۔ اس کے بعد ہم کسی کارروائی کا فیصلہ کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ پچھلے پائیدان کے نیچے تین بھرے ہوئے ریوالور اور فاضل راؤنڈ کے پیکٹ پڑے ہوئے ہیں۔ جب چاہو، نکال لینا۔"

گوپال کی طرح وہ بھی جوان تھا مگر اس کی گفتگو سے اس قدر اعتماد جھلک رہا تھا کہ وہ بھی اپنے ساتھی کی طرح خود مختار نظر آرہا تھا۔ اگر گوپال نے مجھے یہ نہ بتایا ہوتا کہ وہ اپنے مشن کا چیف ہے تو میں سنیل کو ہی ان کا بڑا تصور کرلیتا۔

"تم مہم پر نکلے ہو تو میں یہ یاد دلا دوں کہ گرین کوبرا فائل ہمارے لیے مسئلہ بنی ہوئی ہے۔" اس نے کہا۔

"گوپال مجھے بتا چکا ہے۔ یہ بھولنے والی بات نہیں ہے۔

Downloaded from https://paksociety.com

اب مجھے خود بھی اس فائل سے دلچسپی ہوگئی ہے لیکن اس کی وجہ سے میں ان میں سے کسی کو معاف نہیں کروں گا۔ جو بھی پہلے زد میں آگیا' میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔"

"ہونا یہی چاہیے مگر ہم ایسا نہیں کرسکتے۔ سر جھکا کر اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ دیکھو' ان ظالموں نے کل ہمارے تین آدمی مار دیے۔ یہاں کئی دن سے کھچڑی پک رہی تھی۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے اور کل انہوں نے گاڑی تباہ کرادی۔"

"بظاہر وہ ایک حادثہ تھا۔ تم ان پر شبہ کیوں کررہے ہو؟" میں نے اسے کریدنے کی نیت سے پوچھا۔

وہ ہنس پڑا "مجھ سے نہ کھیلو۔ یہ بات تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ سب کو یہی معلوم ہے کہ اوبرائن ڈی ہنٹ دہلی میں ٹریفک کے ایک حادثے میں مارا گیا تھا۔ تم کراچی میں تھے۔ رستم ایرانی سے تمہارا سودا ہوا تھا۔ وہ ڈوریاں ہلا رہا تھا۔ یہاں حادثہ ہوگیا۔ کوئی اسے قتل ثابت نہیں کرسکا۔"

میں اس کی زبان سے وہ سب سن کر حیران رہ گیا۔ "تم کو یہ باتیں کیسے معلوم ہوگئیں۔"

"یہ سب سینہ گزٹ کی خبریں ہیں۔" وہ ہنس کر بولا "نجی محفلوں میں جب ہمارے افسر پینے بیٹھتے ہیں تو ہر ایک دوسروں پر اپنی معلومات کا رعب جھاڑنے کی کوشش کرتا ہے اور سینوں میں چھپی ہوئی بڑی بڑی خبریں گزٹ پر آجاتی ہیں۔ یہاں کام کرنے والے دوسرے پاکستانیوں سے زیادہ باخبر رہتے ہیں۔"

اس نے مجھے لاجواب کردیا۔ واقعات کی گرد میں' میں اوبی کی موت کا قصہ یکسر بھلا بیٹھا تھا۔ سنیل نے صحیح یاد دلایا تھا کہ اوبرائن کے قتل میں مجھے جنبش کرنی پڑی تھی نہ رستم نے کراچی چھوڑا پھر بھی اوبرائن جہنم واصل ہوگیا تھا۔ نئی دہلی سے شملہ تک کام کرنے والے را کے ایجنٹوں کے لیے پاکستانی سفارت خانے کی ایک کار کو حادثے کا شکار بنانا ذرا بھی مشکل نہیں تھا۔ میں وہ نتیجہ پہلے اخذ کرچکا تھا۔ سنیل اس کی تصدیق کررہا تھا۔

"یہ سلسلہ اب رک جانا چاہیے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "وہ ہمارے دامن میں آگ لگا رہے ہیں۔ ہم کو ان کے وجود میں آگ بھر دینی چاہیے۔"

"یہاں سے سول لائنز کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔" اس نے گاڑی موڑتے ہوئے کہا "یہاں بہت سے سرکاری دفاتر ہیں۔ تیرتھ رام شاہ اسپتال کے پیچھے را کا ایک گمنام سا دفتر ہے جس پر کوئی بورڈ یا نشان نہیں ہے۔ نریش شرما وہیں بیٹھتا ہے۔ انل بسواس کبھی کبھی اس دفتر کا رخ کرتا ہے۔"

اس نے گاڑی کی رفتار دھیمی کرلی تھی۔ وہ ہمیں راستوں اور مختلف مقامات کے بارے میں بتاتا رہا پھر وہ را کے اس خفیہ دفتر کے قریب سے گزرا۔ وہ عمارت کسی طرح بھی اہم نظر نہیں آرہی تھی۔ آگے نکل کر میں نے دفتر کی اہمیت کی صرف ایک علامت دیکھی کہ دو باوردی سپاہی اپنی بندوقیں سنبھالے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دور ہی سے اندازہ ہورہا تھا کہ موٹی توندوں والے ان سپاہیوں نے برسوں سے کوئی بھاگ دوڑ کی تھی نہ اپنی بندوقوں سے کوئی گولی چلائی تھی۔

سنیل اپنی گاڑی دور تک لیتا چلا گیا۔ واپسی پر وہ دوبارہ را کے ذیلی دفتر کے سامنے سے گزرا تاکہ ہم عمارت کا محل وقوع اچھی طرح ذہن نشین کرلیں۔

دوسرا جائزہ مکمل ہونے کے بعد سنیل اس علاقے سے نکل گیا۔ انل اور نریش قرول باغ کے علاقے میں رہتے تھے۔ "وہاں سے ہوتے ہوئے ہم چانکیہ پوری نکل جائیں گے۔ سارے سفارت خانے وغیرہ وہیں واقع ہیں۔ علاقہ بھی دیکھنے کے قابل ہے۔"

سنیل راستے بھر ہمیں بتاتا رہا کہ قرول باغ دہلی کا ایک بڑا رہائشی علاقہ ہے جہاں مختلف ناموں سے کئی بستیاں آباد ہیں۔ وہ پہاڑ گنج سے تقریباً ملا ہوا علاقہ تھا۔ ہمارے ہوٹل سے ان دونوں کے گھر زیادہ دور نہیں تھے لیکن دفتر کا فاصلہ زیادہ تھا۔ وہ اپنے جوش میں کسی پیشہ ور گائیڈ کی طرح ہمیں بریف کرتا رہا اور ہم دونوں خاموشی سے اس کی تقریر سنتے رہے۔ ایک بار غزالہ نے اس سے کچھ پوچھ لیا لیکن اپنے پہلو میں میری کہنی کا دباؤ محسوس کرکے اس نے دوبارہ کوئی سوال نہیں کیا۔

سنیل اور اس کی گاڑی کا سہارا میسر آجانے کے بعد میری دانست میں وہ تفصیلات غیر ضروری تھیں۔ ہم اپنے مخصوص مقاصد کے تحت دہلی آئے تھے۔ کام پورا کرکے ہمیں واپس لوٹ جانا تھا۔ اس شہر کے گلی کوچوں اور راستوں سے ہمارا تعلق کسی لاابالی سیاح جیسا تھا جو دن بھر اجنبی مقامات اور راستوں کی خاک چھاننے کے بعد شام ڈھلے بلا از جلد اس آشیانے میں پہنچنے کا آرزومند ہوتا ہے جہاں آیا۔ صاف بستر اس کے تھکے ہوئے وجود کو اپنی آغوش میں لینے کا منتظر ہوتا ہے۔

ہمیں اپنی مہم جوئی کے سلسلے میں جہاں بھی جانا تھا' سنیل یا اس کے کسی ساتھی کے ہمراہ جانا تھا۔ راستوں

Downloaded from https://paksociety.com

انتخاب کی ذمے داری ان لوگوں کے سر ہوتی۔ مجھے بس یہ دیکھنا تھا کہ کس مقام پر کس نوعیت کی کارروائی زیادہ سود مند ثابت ہوگی۔

انل بسواس اور نریش شرما کے گھروں میں وہی فرق تھا جو ان کے عہدوں میں رہا ہوگا۔ انل بسواس کو سرکاری خرچ پر ایک بڑی سی کوٹھی ملی ہوئی تھی۔ نریش شرما کا گھر ایسا تھا جیسے عام گھر ہوتے ہیں۔ دروازہ کھلا اور مہمان چند قدم چل کر کسی کمرے میں داخل ہوگئے۔

اس جائزے سے فارغ ہوکر جب سنیل نے بتایا کہ قرول باغ سے چانکیہ پوری کی مسافت خاصی زیادہ ہے تو میں نے ادھر جانے کا ارادہ یک لخت منسوخ کردیا۔ امریکا دنیا کا اکلوتا بڑا اور طاقت ور ملک ہے۔ ہر جگہ اس کی سفارتی عمارتیں پُرشکوہ اور بڑی حد تک قلعہ بند ہوتی ہیں جہاں اجازت اور شناخت کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ جان اسمتھ کے خلاف وہاں کچھ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ دفتر اور سفارت خانے سے دور رہ کر اسے زیادہ آسانی سے پھانسا جاسکتا تھا۔

"چانکیہ پوری کی سیر کرانے کے بجائے ہمیں کسی ایسی جگہ لے جاسکو جہاں سے پاکستان فون کیا جاسکے تو زیادہ بہتر ہوگا۔" میں نے اس سے کہا۔

"پاکستان فون کرنے کے لیے تمہارا ہوٹل سب سے زیادہ محفوظ ہے۔ وہاں تمہارے پاس سی ایس ڈی بھی موجود ہے۔" سنیل نے جواب دیا۔

"ہوٹل سے فون کیا تو وہ نمبر ریکارڈ پر آجائے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ ہوٹل چھوڑتے ہوئے ایسا کوئی سراغ چھوڑا جائے جو ہمارے دشمنوں کے لیے کارآمد ثابت ہوسکے۔ کسی دوست یا ہمدرد کا گھر سب سے بہتر رہے گا۔ سی ایس ڈی ایک منٹ میں لائن سے جوڑی جاسکتی ہے۔"

"مگر دوسری سی ایس ڈی کہاں سے آئے گی؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ کوئی دیوہیکل آلہ نہیں ہے۔ چھوٹی سی ڈبیا ہے۔ ہم نے اسے ہوٹل کے کمرے میں چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لیا۔ وہ غزالہ کے بیگ میں موجود ہے۔"

"پھر تم میرے ساتھ چلو۔ اس وقت گیسٹ ہاؤس خالی پڑا ہوا ہوگا۔ سرلا قابل اعتماد عورت ہے۔ کسی سے تمہاری آمد کا ذکر نہیں کرے گی۔" اس نے گاڑی ایک کشادہ سڑک پر گھماتے ہوئے اپنا فیصلہ سنادیا۔

وہ اس کی نپی تلی رائے تھی۔ مجھے اس میں کوئی عذر نہیں تھا۔ وہ اپنی مرضی کے راستوں پر گاڑی دوڑاتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد گاڑی سرلا کے مختصر سے بنگلے کے قریب جارکی۔ سنیل نے انجن بند کیا، ہمیں انتظار کرنے کی ہدایت کی اور کسی ترکیب سے احاطے کا دروازہ کھول کر اندر غائب ہوگیا۔ ہمیں اندر لے جانے سے پہلے وہ اپنا اطمینان کرلینا ضروری سمجھ رہا تھا۔

میرا خیال تھا کہ واپسی پر سرلا بھی اس کے ساتھ دروازے پر آئے گی مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ آیا اور ہمیں تیزی سے اندر لے گیا۔ مختصر سے برآمدے میں ایک دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہی گوپال، سنیل اور رام کا جزوقتی ٹھکانا تھا۔

"سرلا کہیں نظر نہیں آرہی۔ کیا یہ مکان بالکل خالی پڑا ہوا تھا؟" میں نے مختصر ترین اسباب پر مشتمل اس کمرے میں داخل ہوکر پوچھا۔

"اسے میں نے جان کر تم دونوں سے دور رکھا ہے مگر مجھے یقین ہے کہ وہ کسی اوٹ میں چھپی تم کو دیکھ رہی ہوگی۔ تم آرام سے فون کرلو۔ میں اندر ہوں۔ بات ختم ہوجائے تو مجھے آواز دے لینا۔" یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔ جاتے ہوئے اس نے دروازہ بند کردیا تھا۔

دہری مسہری، دو کرسیاں، ایک چھوٹی میز اور دیوار گیر آئینے کے سوا وہاں صرف ایک فون موجود تھا۔ سنیل نے شاید جان کر ہمیں تخلیہ فراہم کیا تھا۔ غزالہ مشق باتھ روم میں گھس گئی۔ میں نے سی ایس ڈی کو تار سے جوڑنا شروع کردیا۔

میرے ذہن میں ایک کشمکش جاری تھی۔ میں فیصلہ نہیں کرپا رہا تھا کہ اول خان اور سلطان شاہ میں سے کسے فون کروں۔ سلطان شاہ سے میرا گہرا جذباتی تعلق تھا جب کہ اول خان سے کام کی باتیں معلوم ہونے کی امید تھی۔

سی ایس ڈی جوڑنے تک میں فیصلہ کرچکا تھا۔ میں نے بین الاقوامی کوڈ ملانے کے بعد اول خان کا نمبر ملانا شروع کردیا۔ دہلی میں اس وقت دو بجے تھے۔ پاکستان کا وقت نصف گھنٹا پیچھے تھا۔ مجھے امید تھی کہ اول خان اپنے دفتر میں مل جائے گا۔

دو گھنٹیاں بجنے پر بھی جواب نہیں ملا مگر میں نے انتظار جاری رکھا۔ میں خود مشاہدہ کرچکا تھا کہ اول خان کرسی توڑنے والے افسروں میں سے نہیں تھا۔ ہر وقت اپنے لیے کام پیدا کرتا رہتا تھا اور مصروف رہتا تھا جس کے نتیجے میں بسا اوقات اس کا دفتر خالی پڑا رہتا تھا۔ وہ خود کسی بیرک، ورکشاپ یا میس میں اپنے عملے کے ساتھ کسی کام میں لگا رہتا تھا۔ اس کی طرف سے جواب ملنے میں تاخیر غیر متوقع نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

نی۔

تیسری گھنٹی پر جواب ملا اور اول خان میری آواز سن کر
بران رہ گیا "خدا کا شکر ہے کہ تمہاری آواز سنائی دی۔ کان
رس گئے تھے اس آواز کو! اس وقت تم کہاں سے بات
رر ہے ہو؟"

"میں دہلی میں جلال کے آدمی کے ساتھ ہوں۔ سمجھ میں
یں آرہا کہ کل کے واقعے کا بدلہ کیسے لوں۔ جب سے وہ
ی خبر سنی ہے' غصے سے میرا خون کھول رہا ہے۔ ہم ان کے
رموں کو سزا دیتے ہیں۔ یہ ہمارے بے گناہوں کو مار ڈالتے
ں۔"

"اپنا دماغ ٹھنڈا رکھو!" اول خان نے مربیانہ آواز میں
ھے مشورہ دیا "ایسے کاموں میں یہ سب ہوتا رہتا ہے۔ کوئی
پنے گریبان میں جھانکنا پسند نہیں کرتا۔ وہاں تمہاری
وزیشن بہت نازک بلکہ مخدوش ہے.... تم اس وقت سی ایس
ں استعمال کر رہے ہو نا؟"

"وہ آن ہے اسی لیے میں اپنے دل کا غبار نکال
ا ہوں۔ میں اس واقعے کا بدلہ لے کر رہوں گا۔"

"یہاں سب تمہارے لیے فکر مند ہیں۔ یہاں خاموشی
ہے۔ دشمنوں کو سانپ سونگھ گیا ہے مگر شبہ ہے کہ انہیں
ماری روانگی کی کچھ بھنک مل گئی ہے۔ زندگی ہے تو کام
تے رہیں گے۔ تم خطرہ محسوس کرو تو فوراً واپس لوٹ
ر۔"

"یہاں ایک بڑے کھیل کے لیے فضا ساز گار ہو رہی
ہے۔ جان دہلی پہنچا ہوا ہے۔ جلال کے آدمی کسی گرین کوبرا
ل کی فکر میں ہیں۔ میں جمی جمائی بساط چھوڑ کر واپس نہیں
سکتا۔ یہ بتاؤ کہ سلطان شاہ کا کیا حال ہے۔" غزالہ باتھ
م سے واپس آکر خاموشی سے میرے قریب بیٹھ چکی تھی۔

"میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔ جہانگیر نے فون پر فون
ر کے اس کی زندگی عذاب کر دی تھی۔ اسے خوشی ہوئی ہے
ہ اس کا ماموں سر سر گندے الزامات میں پکڑا گیا۔ اب وہ
ماری تلاش میں ہے تاکہ تمہارے ذریعے چوہدری عظمت
وئی بڑا احسان لاد سکے۔"

"وہ سدا کا احمق ہے۔ سلطان شاہ سے کہو کہ اسے کورا
ب دے دے!" میں نے ترشی سے کہا۔

"وہ سب کچھ کہہ چکا ہے۔ میں نے اسے بتایا ہے کہ یہ
ق سطح کا سنگین کیس ہے جس میں کوئی کچھ نہیں کر سکتا مگر
ں کی ایک ہی رٹ ہے کہ وہ تم سے بات کرے گا۔ اسے
ارا پتا اور فون نمبر درکار ہے۔"

"اسے بکنے دو۔ ایسے جرائم معافی کے قابل نہیں
ہوتے۔" مجھے جہانگیر پر غصہ آرہا تھا۔

"تم اس کے بارے میں زیادہ نہ سوچو۔ سلطان شاہ گھر
میں تالا ڈال کر میرے پاس آگیا ہے۔ ایک آدمی گھر کی
چوکیداری کر رہا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ جہانگیر بلبلا کر کئی
مرتبہ گھر کے چکر بھی لگا چکا ہے۔ تم آؤ گے تو خود اسے سنبھال
لو گے۔"

"جلال کی طرف سے کیا خبریں ہیں۔" میں نے وہ بات
سننے کے بعد پوچھا۔

"تمہارے بارے میں اسی سے اطلاعات ملتی رہیں۔
تمہیں لے جانے والا اس کے رابطے میں رہتا ہے۔ سنا ہے
کہ تم نے ایک رات امرتسر میں بسر کی تھی۔"

"سفر نے جوڑ جوڑ ہلا دیا تھا۔ وہاں رک کر آرام کرنا
ضروری تھا۔"

"راستے میں کوئی ناگہانی آفت بھی آتے آتے رہ گئی
تھی۔ کوئی صوبے دار گاڑی کی تلاشی لینے پر اڑ گیا تھا۔"

"وہ بہت بھیانک وقت تھا جو خوش قسمتی سے گزر گیا۔
گڑبڑ ہو جاتی تو زندگی کا سفر وہیں پورا ہو جاتا۔"

"ایسی بدفال منہ سے نہ نکالو۔ میرا خیال تھا کہ اس نے
واقعے کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔"

غزالہ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ گاڑی کھولی گئی تو وہ این
کاویل کو قتل کر کے خود کشی کر لے گی۔ بھارتی صوبے دار
شیطان کا بچہ بنا ہوا تھا۔ جلال کے ایجنٹ نے بہت ہوش
مندی سے کام لیا۔ وہ لالچ کرتا تو بات بگڑتی چلی جاتی۔ اب
اس واقعے کو بھول جاؤ۔"

خطرناک پاکستانیوں کے ملک میں گھس آنے کے بارے
میں بھارت میں جو شور مچا ہوا تھا' اول خان اس کی شدت
سے آگاہ نہیں تھا۔ اسے سرسری سا شبہ تھا کہ بھارتیوں کو
ہماری روانگی کی کوئی بھنک مل گئی تھی۔ میں نے اس موضوع
پر اس کی معلومات میں ذرا بھی اضافہ نہیں کیا۔ وہ ہمارے
بارے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں
کر سکتا تھا۔

بھارت پہنچنے کے بعد وہ اس سے میری پہلی گفتگو تھی۔
میں نے اس سے کئی ناخوش گوار باتیں چھپائیں لیکن اس نے
مجھے ہر بات بتا دی۔ چوہدری عظمت اور اس کے شریک
مجرموں کا ریمانڈ لیا جا چکا تھا۔ اگلی پیشی پر ان کے خلاف
مضبوط چالان تیاری کے آخری مراحل میں تھا۔

اول خان سے گفتگو ختم کرنے سے پہلے مجھے اچانک

Downloaded from https://paksociety.com

نخشب کا خیال آگیا اور میں نے چونک کر اس سے پوچھا "تم نے داؤد جٹ کے بارے میں کچھ سنا ہے۔"

"سنا کیا ہے۔ وہ اکثر کراچی آتا رہتا ہے۔ کہا جاتا ہے ڈیفنس کے علاقے میں وہ کئی مکان خرید چکا ہے۔"

"اور اس کی طرف سے چشم پوشی اختیار کی جاتی ہے۔" میں نے قدرے حیرت اور خوشی سے پوچھا۔

"جائیداد کی خرید و فروخت قانونی تقاضے پورے کیے بغیر ناممکن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے مکان اپنے مقامی ملازمین کے نام پر لیے ہوں۔ میری اطلاعات کے مطابق کبھی کسی ادارے نے اس کا پیچھا نہیں کیا۔ وہ اپنی اسپیڈ بوٹ میں کراچی آتا ہے اور چند دن گزار کر خاموشی سے لوٹ جاتا ہے۔"

"میں بھی یہی کہنا چاہ رہا تھا۔ وہ ہماری رعایتوں کا حق دار ہے۔ اس کے ایک آدمی نے کل رات ہی ہمارا ایک بڑا کام کیا ہے۔"

"وہ دہلی میں کہاں سے آگیا؟ ان لوگوں کا گڑھ تو ممبئی میں ہے!" اول خان کی آواز میں حیرت پوشیدہ تھی۔

"گڑھ وہی ہے مگر دہلی میں اس کا خاص آدمی رہتا ہے۔ وہ آنکھیں بند کر کے ہر مظلوم کی مدد کرتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ یہ لوگ اپنی غیر قانونی کمائی پر کوئی انکم ٹیکس نہیں دیتے لیکن سیکڑوں غریب خاندان ان کے وظیفوں پر پل رہے ہیں۔ لڑکیوں کی شادی پر لاکھ پچاس ہزار کی مدد دینا ان کی روایت بن چکی ہے۔ کراچی کے مچھیروں میں بھی ان کی بہت خدمات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ان لوگوں کا راستہ روکا گیا نہ کبھی ان سے ٹکراؤ کی نوبت آئی۔ یہ شاید اسی کا ثمر ہے کہ کوئی تمہارے کام آگیا۔ ویسے کام کیا تھا وہ؟"

"اسے رہنے دو۔" میں نے ہنس کر کہا "میں یہی چاہتا تھا کہ پاکستان میں ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔"

اول خان نے ویرا اور غزالہ کے لیے دعائیں دے کر فون سلطان شاہ کو دے دیا۔

وہ میرے روبرو ہوتا تو شاید سوالات کر کے میرا دماغ خالی کر دیتا لیکن اس وقت اس نے کچھ نہیں پوچھا۔ بار بار ہم تینوں کی خیریت دریافت کرتا رہا۔ اس نے جہانگیر کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں کہا اور میں نے جلد واپسی کے وعدے کے ساتھ فون بند کر دیا۔

کال ختم ہونے کے بعد میں نے سی ایس ڈی الگ کی اور تار پر اپنی حالت میں جوڑ دیے۔

میری ایک آواز پر سنیل لوٹ آیا۔ شاید اسے خود ہمارا وہاں رکنا پسند نہیں تھا۔ وہ ہمیں ساتھ لے کر گھر سے نکل گیا۔ واپسی پر بھی سرلا ہمارے سامنے نہیں آئی تھی۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" سنیل نے گاڑی کو حرکت میں لاتے ہوئے پوچھا۔ عقب نما آئینے میں وہ میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"آج تمہاری ڈیوٹی لمبی ہو گئی ہے۔ ہمیں ہوٹل چھوڑ اور واپس جا کر آرام کرو۔"

"میری ڈیوٹی صبح سے رات تک کی ہے۔" اس نے ہنس کر کہا "تمہاری ضرورت ہو یا نہ ہو' میں گاڑی کے ساتھ ہوٹل کے پارکنگ لاٹ میں موجود رہوں گا کیونکہ یہ میرے چیف کی ہدایت ہے۔ اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔"

"بے سود ہے۔ تم اپنا وقت برباد کرو گے۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ اب تمہارا چیف بھی مجھ کو جواب دہ ہے۔ تینوں کے لیے میری ہدایات حرف آخر کا درجہ رکھتی ہیں۔ کہہ رہا ہوں کہ جاؤ تو تم کو اسی وقت واپس جانا ہو گا۔"

"سوری! یہ بات مجھے معلوم ہے مگر میں بھول گیا تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے معذرت کی۔

"کل صبح آجانا۔ اس وقت تک میں سوچ سمجھ کر کے راہ کا تعین کرلوں گا۔"

پروگرام طے ہو گیا۔ سنیل نے ہمیں ہوٹل کے پورچ میں گاڑی سے اتارا اور رخصت ہو گیا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر مجھے خیال آیا کہ باتوں میں مصروف ہو کر میں سنیل سے جان اسمتھ کا ذکر کرنا بھول گیا تھا۔ میں نے آخری لمحات پر امریکی سفارت خانے تک جانے کا ارادہ محض اس لیے ملتوی کر دیا تھا کہ وہاں گھسنا اور کچھ کر کوئی من مانی کارروائی کرنا ممکن نہیں تھا۔ سنیل یا اس کوئی ساتھی آسانی سے جان اسمتھ کی قیام گاہ کا سراغ لگا تھا۔ اس کا ٹھکانا نظروں میں آنے کے بعد بہت کچھ سا جاسکتا تھا۔

وہ کام بہت اہم تھا۔ دن کا کافی حصہ باقی تھا۔ شام ہو تک جان اسمتھ کے بارے میں مطلوبہ معلومات حاصل جاسکتی تھیں مگر مسئلہ یہ تھا کہ سنیل راہ میں تھا۔ سرلا کے گھ اس کا کوئی ساتھی نہیں تھا۔ میں نے مجبوراً اپریشن استعف کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

ہوٹل کا کمرا ایئر کنڈیشنڈ ہونے کی وجہ سے بند تھا۔ خدشہ تھا کہ اس محبوس فضا میں اپریشن واضح ریڈیائی نشر اور وصول نہیں کر سکے گا۔ میں نے پردہ سرکا کر ایک کھ

Downloaded from https://paksociety.com

کھولی اور اپریٹس آن کردیا۔

اس روز میری اور سنیل کی ملاقات میں تسلسل رہا تھا۔ میں نے اسی سے رابطہ کیا۔

"آج کے انڈین ایکسپریس کے اندرونی صفحات پر جان اسمتھ نامی ایک امریکی کے بارے میں خبر چھپی ہے۔ وہ چند روز کے نجی دورے پر دہلی آیا ہوا ہے۔ یہ معلوم کرو کہ وہ کہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ اوور!"

"میں ضرور معلوم کروں گا۔ آج صبح تم نے امریکی سفارت خانہ دیکھنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ آخر میں اسے منسوخ کردیا۔ اب جان اسمتھ کے بارے میں کچھ سوچ رہے ہو۔ کیا یہ بھی انل کی طرح کا کوئی چکر ہے؟ اوور!"

"مجھے سنیل کا وہ سوال پسند نہیں آیا۔ باہمی مراتب طے ہوجانے کے بعد وہ سوال غیر ضروری تھا۔ شروع سے آخر تک اس کا رویّہ سعادت مندانہ رہا تھا لیکن اس وقت وہ نہ جانے کیوں پٹڑی سے اتر گیا تھا۔ میں نے قدرے بے رخی سے کہا "یہ سوال اس وقت کرنا جب میرا دیا ہوا کام پورا ہوجائے۔ ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" میں نے لاسلکی مواصلاتی رابطوں کی طے شدہ روایات سے انحراف کرتے ہوئے مزید کچھ نہیں کہا اور اپریٹس آف کردیا۔

"میں دیکھ رہی ہوں کہ وقت گزرنے کے ساتھ آپ کی بے چینی بڑھتی جارہی ہے۔" غزالہ کی آواز آئی۔

میں نے کھڑکی بند کی اور پلٹ کر اس سے پوچھا "یہ بتاؤ کہ یہاں آنے کے بعد ہم نے اب تک کیا کیا ہے۔"

"نئی جگہ پر قدم جمانا سب سے اہم ہوتا ہے۔ آپ اس میں کامیابی حاصل کرچکے ہیں۔ ویرا، انسپکٹر ڈیوڈ کے چنگل میں پھنسنے جارہی تھی۔ میری دانست میں اسے بچالینا ہی ایک بڑی کامیابی ہے۔"

"ہم نے کچھ نہیں کیا۔ سب کچھ جوں کا توں ہے۔ دشمن ہمارے سینے پر مونگ دل رہے ہیں۔ ہمارے ہوتے ہوئے ہمارے تین سفارتی اہل کار قتل کردیے گئے اور ہم بے بس ہیں۔ خلش اور بے چینی کے لیے یہ اسباب بہت کافی ہیں۔ جب تک کوئی پیش رفت نہیں ہوتی، میری بے چینی بڑھتی رہے گی۔"

"آپ کام کے دباؤ کا شکار ہورہے ہیں۔" غزالہ نے سنجیدگی سے کہا "جب محنت کے خاطرخواہ نتائج نہ ہوں تو مزاج میں خود بہ خود چڑچڑا پن پیدا ہوجاتا ہے۔ ابھی آپ نے سنیل سے کافی بے اعتنائی سے بات کی ہے۔ اسے آپ کے لہجے سے دلی صدمہ ہوا ہوگا۔"

"میں اسے احساس دلانا چاہ رہا تھا۔ وہ قبل از وقت اور غیر ضروری سوال کررہا تھا۔"

"وہ ذہین اور پرخلوص لڑکا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے آپ اس سے دوستانہ انداز میں باتیں کررہے تھے۔ اب موڈ خراب ہے۔"

"آخر تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔" میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کو تبدیلی اور خالص تفریح کی ضرورت ہے۔ اس ہوٹل کی شامیں بہت دل فریب ہوتی ہیں۔ تھوڑی دیر آرام کرکے نیچے اتر جائیں اور مسائل کو فراموش کردیں۔ انسان کے ذہن پر تبدیلی کے اثرات بہت خوش گوار ہوتے ہیں۔"

"تو کیا تم میرے ساتھ نہیں جاؤ گی؟" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"میں پرسکون ہوں۔ کمرے میں لیٹ کر ٹیلی وژن دیکھوں گی۔ شاید این کا ویل کو بھی فون کرلوں۔"

"کوشش کرتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ تمہاری تجویز کارگر ثابت ہو۔ ابھی شام ہونے میں کافی دیر ہے۔ بستر پر جگہ دو تاکہ تھوڑی دیر کے لیے میں بھی ستالوں۔" میں نے غزالہ سے اصرار کیے بغیر کہا "چاہو تو این سے میری موجودگی میں بات کرلو۔"

"میں اس سے گپ شپ کروں گی۔ اس سے زیادہ ضروری ہے کہ آپ سنیل سے دوبارہ بات کرلیں تاکہ اس کی دل آزاری کا ازالہ ہوسکے۔ میں شرط لگاسکتی ہوں کہ وہ اب بھی آپ کے بدلے ہوئے لب ولہجے کے بارے میں سوچ جارہا ہوگا۔"

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر غزالہ کو کوئی جواب دیے بغیر دوبارہ کھڑکی کے پاس جاکھڑا ہوا۔

اپنے تلخ انداز گفتگو پر میں اس سے معذرت نہیں کرسکتا تھا۔ اپریٹس پر رابطہ ہوا تو میں نے شگفتہ لہجے میں پوچھا "تم اس وقت کہاں جارہے ہو؟"

"گھر کا ارادہ تھا مگر اب سمت بدل لی ہے۔ تمہارا دیا ہوا کام مکمل کرنے کے بعد کچھ سوچوں گا۔" اس کی آواز پژمردہ تھی۔

"چلو، یہ سب سے بہتر ہے۔ میں تم کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ جان اسمتھ کے بارے میں مجھے نو بجے تک معلومات درکار ہیں۔"

"نکل کھڑا ہوا ہوں تو کام کرکے ہی لوٹوں گا۔ ہدایت دیتے ہوئے تم نے مجھے ڈرا دیا تھا۔ مجھے اندازہ ہوا تھا جیسے تم

Downloaded from https://paksociety.com

جلد از جلد اس کی قیام گاہ کا پتا حاصل کرنا چاہ رہے ہو۔ میرے لیے تمہاری خوشنودی اب سب سے زیادہ اہم ہے۔"

"ابھی ہم یہی بات کررہے تھے۔ غزالہ کا خیال ہے کہ تم بہت پرجوش اور سعادت مند نوجوان ہو۔" میں نے موقع پاکر اس کی مزید حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا "اسی طرح لگن سے کام کرتے رہے تو بہت جلد آگے نکل جاؤ گے۔"

"ان خیالات کے لیے میں مادام کا شکر گزار ہوں۔ میری کوشش ہوگی کہ تمہیں کبھی مایوس نہ کروں۔"

"ویری گڈ۔ اوور اینڈ آل!" اس بار میں نے رسمی اطلاع کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ ختم کردیا۔

"شکریہ!" غزالہ مسکراتے ہوئے بولی "آپ کی یہ عادت بہت اچھی ہے کہ ہر مناسب مشورے کو کسی ہچکچاہٹ کے بغیر قبول کرلیتے ہیں۔ اس وقت سنیل کے بجھے ہوئے دل میں نئی جان پڑگئی ہوگی۔ محبت کے دو بول ہمیشہ کرشمہ ساز ثابت ہوتے ہیں۔"

"شاید تم ڈیل کارنیگی کا کوئی قول دہرا رہی ہو" میں نے ازراہِ مذاق کہا۔

"اسے میں نے کبھی نہیں پڑھا۔ یہ میرا تجربہ ہے جو اب تک درست ثابت ہوتا چلا آیا ہے۔"

"انسپکٹر ڈیوڈ بھی این کی زبان سے ایسے دو بول سننے کے لیے ترس رہا تھا۔ میں نے ظلم کیا جو نخشب کو اس کے پیچھے لگادیا" میں نے جواب دیا اور غزالہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کے دونوں رخساروں میں گڑھے نمایاں ہوگئے تھے۔

میں کمرے میں بستر پر دراز ہوگیا۔ نیند کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ ذہن پر عجیب سی فکرمندی سوار تھی۔ میں سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد غزالہ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے، تفریح کے لیے نکل جاؤں۔

پانچ بجے اپریٹس پر سنیل کا جوابی پیغام آگیا۔ جان اسمتھ، چانکیہ پوری کے علاقے میں ہوٹل سمراٹ میں ٹھہرا ہوا تھا۔

وہ خبر حوصلہ افزا تھی۔ کسی گھر کے مقابلے میں ہوٹل کے کمرے تک رسائی آسان تھی۔ اپنے اپنے کاموں میں مصروف عملے کی آنکھوں میں دھول جھونک کر آدمی ایک بار اپنے حریف کے کمرے میں داخل ہوجائے تو کامیابی کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں رہتی۔ ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ بند کمرے میں کوئی آتشیں ہتھیار استعمال نہ کیا جائے جس کی پرشور آواز ایک بار مردوں کو بھی صف آرا ہونے پر مجبور کرسکتی ہے۔ کسی بے آواز ہتھیار سے حریف کو آسانی سے زیر کیا جاسکتا ہے۔

"اچھی اچھی خبریں آرہی ہیں اور آپ کو شکوہ ہے کہ اب تک کچھ نہیں ہوا" غزالہ نے کہا۔

"ہندی کی ایک پرانی کہاوت ہے کہ جب تک سوئم نہ ہوجائے، جاٹ کو مردہ نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہاں سوئم تو دور کی بات ہے، ہم ابھی تک دشمنوں کے انتقال کے رسمی اعلان کا انتظار کررہے ہیں۔ بہرحال کل کچھ نہ کچھ کیا جائے گا۔"

چائے پینے کے بعد میں نے دھیرے دھیرے روانگی کی تیاری شروع کردی۔ میں محتاط تھا کہ غزالہ کو مجھ پر طنز کرنے کا کوئی موقع نہ مل سکے اور وہ بے چاری زبان بند کیے پوری طرح میری مدد کررہی تھی۔ اس کی کوشش تھی کہ میں مکمل تیاری کے بغیر کمرے سے نہ نکلوں۔

سات بجے میں غزالہ کی پیشانی پر الوداعی بوسہ ثبت کرکے کمرے سے روانہ ہوگیا۔ ہوٹل کے کمروں تک پہنچنے کی خطرناک سہولت کے پیش نظر میں نے اسے سمجھادیا تھا کہ واپسی پر میں دروازے پر تین بار دستک دوں گا۔ اس شناخت کے بغیر وہ بے فکر ہوکر دروازہ نہ کھولے۔

باہر اندھیرا پھیل چکا تھا۔ ہر طرف روشنیوں کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ ہوٹل کی لابی اور راہ داریاں بھرنے لگی تھیں لیکن رونق کچھ پھیکی پھیکی سی تھی۔ اسے شباب پر آنے کے لیے مزید کچھ وقت درکار تھا۔

میں اکیلا تھا۔ کسی کی پروا کیے بغیر ہوٹل کے تمام گوشوں میں چکراتا رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ آزادانہ انداز میں گھومتے ہوئے میرا ذہنی اضمحلال تیزی سے چھٹ رہا تھا۔

ویسے تو ہوٹل کے کافی ہاؤس سے ریستوران تک ہر جگہ چہل پہل تھی لیکن بار میں چیدہ چیدہ چہروں کا اجتماع نظر آرہا تھا۔ ان میں اکثریت سفید فاموں کی تھی۔ حسین چہروں اور مخمور نگاہوں والی کئی لڑکیاں وہاں اکیلی بھی نظر آرہی تھیں جنہیں آخر کار اس شام کا کوئی نہ کوئی ساتھی مل جانا تھا لیکن میرے لیے وہ بار بے مصرف تھا۔ شراب نوشی سے تائب ہونے کے بعد مجھے مے کدوں کے بوجھل ماحول سے وحشت ہونے لگی تھی۔

جلے ہوئے تمباکو اور الکحل کی ملی جلی تیز بو اور دھیمی مغربی موسیقی کو بار میں چھوڑ کر میں سب سے آخر میں بال روم میں پہنچا تو وہاں شام کے استقبال کی تیاریاں مکمل تھیں۔ دیوار کے ساتھ آرکسٹرا موجود تھا مگر اس وقت پوشیدہ اسپیکروں پر ہلکی دھن گونج رہی تھی۔ فلور خالی تھا۔ اس کے گرد پڑی ہوئی صرف چند میزیں آباد تھیں جن پر جوڑے

Downloaded from https://paksociety.com

براجمان تھے۔ میں جائزہ لے کر وہاں سے بھی نکل آیا۔

میرے لیے ہوٹل کا بال روم سب سے بہتر تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں مزید نصف گھنٹا گزارنے کے بعد وہاں پہنچوں گا تو مہمانوں کی تعداد اتنی بڑھ چکی ہوگی کہ کوئی خاص طور پر میری طرف دھیان نہیں دے گا۔

ہوٹل کی حدود میں اور اس سے باہر اس قدر مصروفیات موجود تھیں کہ وہاں کئی گھنٹے بھی آسانی سے گزارے جاسکتے تھے۔ میں سگریٹ پھونکتا ہوا مسلسل ٹہلتا ہی رہا اور پھر آٹھ بجے کے قریب بال روم کی طرف ہولیا۔

وہاں رنگ جمنا شروع ہوگیا تھا۔ آرکسٹرا بج رہا تھا۔ چند جوڑے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے' چوبی فلور پر ہلکورے لے رہے تھے۔ آباد میزوں کی تعداد بڑھ چکی تھی مگر بیشتر میزیں خالی تھیں۔ ان میں سے بعض پر ریزرویشن کی تختیاں رکھی ہوئی تھیں۔ میں عقابی نظروں سے ہال کا جائزہ لینے کے بعد ایک دور افتادہ میز کے گرد جا بیٹھا۔

بال روم کی آباد میزوں پر بھانت بھانت کی بوتلیں' پیمانے اور گلاس نظر آرہے تھے مگر ہال کی کشادگی کی وجہ سے فضا میں کسی قسم کے بوجھل پن کا احساس نہیں تھا۔ ویٹر آیا اور میں نے سینڈوچز کے ساتھ کافی کا آرڈر دے دیا۔

رقص کا راؤنڈ جاری رہا۔ نئے آنے والوں میں سے کئی جوڑے فلور پر اتر گئے۔ میزیں گھرتی جارہی تھیں۔ اچانک ساز تیز چیخ کے ساتھ یک لخت خاموش ہوگئے۔ بال روم تالیوں کے دھیمے شور سے گونج اٹھا۔ ناچنے والے اطمینان سے اپنی اپنی میزوں کی طرف لوٹ آئے۔

میری ساری توجہ ہال پر مرکوز تھی۔ جب کئی افراد نے گردنیں اٹھا اٹھا کر داخلی دروازے کی طرف دیکھا تو فطری طور پر میری توجہ بھی اس طرف مبذول ہوگئی۔ وہ اجلی رنگت اور تیکھے خدوخال والی کوئی سبک اندام مقامی لڑکی تھی جو نزاکت سے اندر چلی آرہی تھی۔ اس کے جسم پر آسمانی رنگ کی ریشمی ساری اور مختصر سا بلاؤز نظر آرہا تھا۔ اس کا بلاؤز اس قدر مختصر تھا کہ اس کا اوپری جسم لباس سے تقریباً محروم تھا۔ پیٹ' کمر اور شانوں کی پردہ پوشی کے لیے ساری کا مختصر پلو ناکافی ثابت ہو رہا تھا۔

اس لڑکی کو اندازہ تھا کہ متعدد نگاہیں اس پر مرکوز ہو چکی تھیں مگر وہ خود طائرانہ انداز میں یوں ہال کا جائزہ لے رہی تھی جیسے اسے کسی خاص شخص کی تلاش ہو۔ دو خالی میزوں کے درمیان رک کر اس نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ ایک مرتبہ پھر ہال روم پر نظریں دوڑائیں پھر وہ میری طرف بڑھنے لگی۔ میں کبھی بھی پارسا نہیں رہا تھا لیکن کبھی آوارگی کے شوق میں بھی مبتلا نہیں رہا۔ اس دلکش اور بے حجاب لڑکی کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ میری طرف متوجہ نہیں تھی۔ کچھ آگے بڑھنے کے بعد اپنا رخ تبدیل کرلے گی۔

وہ آخری میز کے قریب سے گزر کر میری میز کے قریب آکر کھڑی ہوگئی تو میں بوکھلا گیا۔

اس نے مسکراتے ہوئے بجلیاں سی گرائیں اور دھیمی' مترنم آواز میں بولی "آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں کچھ دیر کے لیے یہاں بیٹھ جاؤں۔"

"ضرور بیٹھیں" میں نے خوشی سے جواب دیا "میں اکیلا بیٹھا ہوا بور ہو رہا ہوں۔"

وہ ساری سنبھالتی ہوئے میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی "بہت بہت شکریہ۔ اب میں آرام سے اشوک کا انتظار کرسکوں گی۔"

"یہ اشوک کون ہے؟" میں اخلاقاً سوال کرنے پر مجبور ہوگیا۔

"میرا دوست ہے۔ اس نے آٹھ بجے سے پہلے پہنچنے کا وعدہ کیا تھا' مگر اب تک نہیں آیا۔"

"اچھا ہوا" میں نے اس کی بات کاٹ کر مسکراتے ہوئے کہا "اس بہانے مجھے آپ کی میزبانی کا موقع مل گیا۔ آپ کیا پینا پسند کریں گی؟"

"سنگل اسکاچ" اس نے بے ساختہ کہا پھر چونک کر شرمندگی سے بولی "ارے' آپ تو کافی پی رہے ہیں' پھر میرے لیے بھی کافی ہی منگوالیں۔"

وہ روکتی رہ گئی مگر میں نے اس کی پہلی فرمائش کا احترام کرتے ہوئے ویٹر کو ڈبل سکاچ کا آرڈر دے دیا۔ اس نے ٹپ پر بھی مجھے روکنا چاہا۔ وہ سنگل پیگ پر اصرار کررہی تھی مگر میں فیاضی دکھانے کے موڈ میں تھا۔ میں نے کہا "جو بچ جائے گی وہ اشوک کے حصے میں آئے گی۔ آپ پیتی ہیں تو آپ کا دوست بھی ضرور پیتا ہوگا۔"

"ہاں' وہ بہت شریر ہے" وہ شوخی سے بولی "مجھے یہ عادت اسی نے ڈالی ہے۔"

"مجھے رینا کہتے ہیں" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اسے تعارف کا خیال آگیا' یہ کہتے ہوئے اس نے بے تکلفی سے اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھا دیا تھا۔

"میں مظہر خان ہوں" میں نے اس کا نرم اور گداز ہاتھ

Downloaded from https://paksociety.com

یا۔ اس نے آہستگی سے میرا ہاتھ دبایا اور چھوڑ دیا۔

میرے ذہن میں چرخی چلنے لگی۔ وہ پورا ہال چھوڑ کر میری میز پر آئی تھی۔ اس نے میرے ساتھ بیٹھ کر اسکاچ پینے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ تعارف کے بعد ہاتھ ملانے میں خود پہل کی تھی۔ مغرب میں بھی تعارف کرانے کے بعد عورت ہاتھ ملانے میں پہل نہ کرے تو اسے معیوب تصور نہیں کیا جاتا۔ رینا مقامی لڑکی تھی اور بہت بے باک تھی۔ وہ دانستہ مجھے بے تکلفی کی راہ دے رہی تھی۔

"آپ سوچ رہے ہوں گے کہ ہال میں ابھی کئی میزیں خالی ہیں پھر میں آپ کے ساتھ کیوں بیٹھی ہوں؟"

"یہ بہت فطری سوال ہے" میں نے ہنستے ہوئے کہا "میں کسی موزوں جواب کی تلاش میں ہوں۔"

"میں اکیلی بیٹھتی تو اگلے راؤنڈ کا اعلان ہوتے ہی لوگ ڈانسنگ پارٹنر بنانے کے لیے میرے پاس آنے لگتے۔ میں اپنے بدن پر اجنبی ہاتھوں کے لمس کو پسند نہیں کرتی۔ اس میز پر کوئی مجھے تنگ نہیں کرے گا۔ اکیلی میز پر میں انکار کرتے کرتے عاجز آجاتی۔"

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر مکاری نہیں تھی۔ میں نے کہا "اگر میں ناچنے کی فرمائش کر بیٹھوں؟"

"مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا۔ تعارف ہوچکا ہے۔ اب ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں ہیں" وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

ویٹر آئس پاٹ، سوڈے، دو شفاف پیمانوں اور نمکین مونگ پھلی کے دانوں کے ساتھ بلیک لیبل کانپ لے آیا۔ بوتل کے ڈھکن کی سیل توڑ کر اس نے میز سجائی اور واپس چلا گیا۔ میں نے رینا کے لیے اسکاچ کا ایک درمیانہ پیگ بنانا شروع کردیا۔ اس نے مقدار میں اضافے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

رینا نے اپنا جام فضا میں بلند کیا۔ میں نے کافی کا کپ اٹھایا۔ رینا کا پہلا گھونٹ خاصا بڑا تھا۔ پیگ میز پر رکھنے کے بعد وہ اپنے نازک لبوں کو دانتوں میں دبا دبا کر چوسنے لگی جیسے لبوں پر رہ جانے والی اسکاچ جذب کررہی ہو۔

"برا نہ مانو تو تکلف ختم کرکے ہم سادگی سے باتیں کریں" میں نے تجویز پیش کی۔

"تم نے میرے دل کی بات کہہ دی۔ تکلف سے اجنبیت کی بو آتی ہے" وہ خوش ہوکر بولی "تم بہت اچھے آدمی ہو۔ میری دعا ہے کہ اب اشوک نہ آئے۔ اسے ذرا بھی احساس نہیں ہے کہ میں اس کے انتظار میں سوکھ رہی ہوں گی۔ تم مل گئے ہو تو یہ شام اچھی گزر جائے گی۔"

وہ رفتہ رفتہ کھل رہی تھی۔ میں معصومانہ صورت بنائے اس کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ کسی خاص مقصد کے تحت دانستہ مجھ سے ٹکرائی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ پہلے سے میری گھات میں رہی ہو اور اسے میرے قریب آنے کا موقع نہ ملا ہو۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ اس شام غزالہ میرے ساتھ نہیں تھی اور میں اکیلا ہی بال روم میں آبیٹھا تھا۔ رینا نے اس موقع سے فائدہ اٹھالیا تھا۔

وہ کون تھی؟ اسے بھیجنے والے کون تھے؟ کیا میں پہچان لیا گیا تھا۔ میرے ساتھ یکایک کیا کھیل شروع ہوگیا تھا؟ میرے ذہن میں یکے بعد دیگرے بے شمار سوالات اور اندیشے امڈے چلے آرہے تھے۔ تنہا باہر نکلنے سے ذہن کا بوجھ ہلکا ہوتے ہوتے اچانک بڑھ گیا تھا۔

"میں اپنا پیگ ذرا تیزی سے خالی کرلوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟" رینا مجھ سے پوچھ رہی تھی۔

"پیگ ہی نہیں، تم پورا بوتل صاف کردو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا، میں اپنی کافی ختم کرچکا ہوں۔ کیا تمہیں کہیں جانا ہے؟"

پیگ سے ایک اور لمبا گھونٹ لے کر وہ ہنس دی "تم بہت سادہ لوح معلوم ہوتے ہو۔ دیکھتے نہیں کہ فلور پر اگلے راؤنڈ کی تیاریاں ہورہی ہیں۔ میری خواہش ہے کہ میں اس راؤنڈ میں تمہارے ساتھ شرکت کروں۔ شام کا خمار کچھ اور ہوجائے گا۔"

میں نے پرتشویش نظروں سے اس کے برہنہ شانوں، بازوؤں اور پیٹ کی طرف دیکھا۔ وہ نازک اندام اور متناسب الاعضا لڑکی تھی۔ عام حالات میں شاید میں ایسی لڑکی کی پیش کش سے محظوظ ہوتا لیکن اس وقت میرے ذہن میں وسوسوں کے بے شمار سنپولیے کلبلانے لگے تھے۔ وہ درجہ بدرجہ آگے بڑھتی جارہی تھی۔ بے تکلف ہونے کے ساتھ ساتھ مجھ پر اپنے بدن کا جادو چلانے کی کوشش کررہی تھی۔

فلور منیجر نے مائیک پر آکر اگلے راؤنڈ کے لیے آرکسٹرا کا اعلان کیا تو میرے کچھ بھی پلے نہ پڑسکا۔ وہ بہت عجیب اور نازک صورت حال تھی۔ ایک معمولی اور نوجوان لڑکی نے مجھے ذہنی طور پر بکھیر کر رکھ دیا تھا۔

رینا نے پیگ میں بچی ہوئی اسکاچ اگلے گھونٹ میں خالی کردی۔ اپنا وینٹی بیگ میز پر رکھا اور کرسی سے اٹھ گئی۔

Downloaded from https://paksociety.com

ناچار مجھے بھی اپنی جگہ چھوڑنی پڑی۔

آرکسٹرا شروع ہوگیا۔ جوڑے فلور پر جانے لگے۔ میں نے رینا کا بایاں ہاتھ اپنے داہنے ہاتھ میں لیا اور بایاں بازو اس کی کمر کے گرد حمائل کردیا۔ وہ اس لڑکی کے بدن کا پہلا لمس تھا۔ میرے پورے وجود میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔

رقص شروع ہوگیا۔ میں نے رسمی طور پر رینا کی کمر پر ہاتھ رکھا ہوا تھا مگر اس کی گرفت جارحانہ تھی۔ موسیقی کچھ اور تھی' میرے قدم کہیں اور پڑ رہے تھے۔

"تم بہت اچھے اسٹیپ لے رہے ہو" رینا نے میرے کان کے قریب سرگوشی کی "ذرا قریب ہوجاؤ' میں وارم اپ ہوجاؤں گی۔"

رینا کو فلور پر دیکھ کر کئی من چلوں نے اپنی ساتھیوں کو لے کر جگہیں چھوڑ دی تھیں۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ شکل وصورت اور لباس کے اعتبار سے رینا پورے ہال روم میں ممتاز اور منفرد نظر آرہی تھی۔

"تم ہوٹل میں رہ رہے ہو۔ سچ سچ بتانا کہ کہاں سے آئے ہو" موسیقی کے سروں میں رینا کی دھیمی آواز میرے کانوں تک محدود تھی۔

"پاکستانی ہوں۔ تمہارا ملک دیکھنے آیا تھا لیکن اب معلوم ہورہا ہے کہ میں صرف تم سے ملنے کے لیے یہاں آیا تھا" میں نے اپنی تمام الجھنوں سے نجات پاکر ایک راہ اختیار کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

میری ہچکچاہٹ کی وجہ سے اس کی پیش قدمی کی رفتار سست تھی۔ میں نے اس کے عزائم بھانپ کر اس کی حوصلہ افزائی کرنے کا ارادہ کرلیا تھا تاکہ وہ جلد از جلد کھل کر میرے سامنے آسکے۔ اس ترکیب سے میں تذبذب اور بے یقینی کی طوالت گھٹا سکتا تھا۔

"اس وقت اشوک آیا تو مجھے تمہاری بانہوں میں دیکھ کر کباب ہوجائے گا" وہ بار بار اشوک کا نام ٹیپ کے بند کے طور پر استعمال کررہی تھی۔

"وہ لڑنے بھڑنے پر تل گیا تو میں اسے بتادوں گا کہ تم خود میری میز پر آئی تھیں۔"

"وہ اتنا دلیر نہیں ہے۔ اگلی ملاقات تک اندر ہی اندر سلگتا اور انگاروں پر لوٹتا رہے گا" وہ شراب نوشی کی عادی معلوم ہوتی تھی۔ تیزی سے اسکاچ کا تقریباً ڈیوڑھا پیگ خالی کرنے کے باوجود بالکل ٹھیک ٹھاک نظر آرہی تھی۔

"اب اس کا ذکر نہ کرنا۔ ڈانس کا سارا لطف غارت ہوا جارہا ہے" میں نے اپنی گرفت ذرا سخت کردی۔

"گڈ۔ اب تم موڈ میں آئے ہو۔ پاکستان میں تم کیا کرتے ہو؟"

"گاڑیوں کا چھوٹا موٹا کاروبار ہے۔ معقول آمدنی ہوجاتی ہے۔"

"صابر آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تمہیں اپنی آمدنی میں اضافے کی کوئی فکر نہیں معلوم ہوتی۔"

"آمدنی بڑھنے کی راہیں مسدود ہوں تو آدمی کو صابر وشاکر ہونا پڑتا ہے۔ یہی میری مجبوری ہے۔"

"تم چاہو تو میں تمہاری مدد کرسکتی ہوں۔ تھوڑا سا کام کرکے تم بہت کچھ حاصل کرسکتے ہو" اس نے معنی خیز پیشکش کی۔

اس کی گفتگو ایک خاص ڈھب پر آگئی تھی۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

"تم نے جواب نہیں دیا" چند اسٹیپ لینے کے بعد اس نے مجھے ٹوکا "تم سے ملاقات ہوگئی ہے تو میں تمہارے فائدے کی بات سوچ رہی ہوں اور تم خاموش ہو۔ آج کے دور میں دولت ہی سب کچھ ہے۔ جس کی جیب خالی ہے' اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"تم صحیح کہہ رہی ہو لیکن تمہارے قدم غلط پڑ رہے ہیں۔ ڈانس کا راؤنڈ پورا کرلو۔ یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔"

موسیقی کی لے پر جوڑے تھرکتے اور ناچتے رہے۔ ان میں ایسے بھی تھے جو اپنے موٹے اور بھدے جسموں کی وجہ سے مضحکہ خیز نظر آرہے تھے لیکن دنیا ومافیہا سے بے خبر' اپنی دھن میں مگن ناچے جارہے تھے۔ بعض چلبلے اور شوخ نوجوان بار بار میرے اور رینا کے قریب سے گزر رہے تھے۔ ان کی آرزو تھی کہ اپنی اپنی شریک کی نظر بچاکر رینا کے بدن کے کسی دہکتے ہوئے حصے کو ہاتھ یا کہنی سے چھولیں۔ اس وقت رینا میری تحویل میں تھی۔ میں نے ایسے لڑکوں کو نگاہ میں رکھا ہوا تھا۔ جوں ہی وہ سرور کے عالم میں قریب آتے تھے' میں رینا کو ہلکورا دے کر ان کی زد سے بچالیتا تھا۔

وہ تشنہ آرزوؤں اور رنگین سپنوں کا رقص تھا جو ہ ڈی دیر جاری رہا۔ بھاری بھرکم اور معمر جوڑے تھک کر ہانپنے لگے۔ بعض پیشانیوں پر ایئرکنڈیشننگ کے باوجود محنت یا ندامت کا پسینہ چمک رہا تھا۔

راؤنڈ ختم ہوا۔ ہال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔ رقاصوں کی بھیڑ میں' میں اپنا راستہ بناتا ہوا رینا کو میز پر

Downloaded from https://paksociety.com

واپس لے آیا۔

"مزہ آگیا" رینا اپنی غزالی آنکھیں موند کر والہانہ انداز میں بولی "بہت مدت کے بعد تم جیسا منجھا ہوا ڈانسنگ پارٹنر ملا ہے۔"

"پہلا پیگ راؤنڈ کی نذر ہوگیا۔ میرا خیال ہے کہ اب تمہیں دوسرے جام کی ضرورت ہے" میں نے پوچھا۔

"پلیز! بنا دو" اس نے ایک ادا سے میری طرف دیکھتے ہوئے التجا کی "مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میں مدتوں سے تم کو جانتی ہوں۔ تمہارے ساتھ ہر چیز میں نیا لطف آرہا ہے۔ اسکاچ کا مزہ بھی دوبالا ہو جائے گا۔"

میں نے خاموشی سے اس کے لیے دوسرا پیگ تیار کر دیا۔ مجھے قوی امید تھی کہ وہ سیال معدے میں اترنے کے بعد رینا اپنے عزائم کے بارے میں زیادہ آزادی اور روانی سے بولنا شروع کر دے گی۔

"تم ہوٹل کے کس کمرے میں ٹھہرے ہوئے ہو؟" اس نے دوسرے پیگ سے ایک ہلکا سا گھونٹ لے کر پوچھا۔

"بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرنا" میں نے بوکھلا کر کہا "میرے ساتھ ایک خاتون بھی آئی ہوئی ہے۔ اس نے میری ذات میں تمہاری دلچسپی کا ذرا بھی اندازہ کر لیا تو وہ کوئی لحاظ کیے بغیر ہاتھا پائی پر اتر آئے گی۔"

"تم بہت شائستہ اور سلجھے ہوئے آدمی ہو۔ ایسی عورت کے ساتھ تمہارا گزارہ کیسے ہوتا ہے؟" اس حیرت ظاہر کی۔

"آدمی اپنی بیوی کا تیز لہجہ تک برداشت نہیں کرتا۔ غیر عورت کے سارے نخرے اٹھا لیتا ہے۔"

"اس ہوٹل کا ایک کمرا میرے پاس ہے۔ میں یہ پیگ ختم کر لوں پھر ہم اوپر چل کر اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

"تمہارا گھر کہاں ہے؟" اس بار میں اپنے تجسس پر قابو نہ رکھ سکا۔

"میں گریٹر کیلاش ون میں رہتی ہوں" رینا نے دہلی کے ایک مہنگے رہائشی علاقے کا نام لیا "جس دن اشوک سے ملنا ہوتا ہے تو میں کمرا بک کرا لیتی ہوں۔ اس کمرے میں گزارہ ہوا وقت ہمیشہ یادگار ثابت ہوتا ہے۔ آج تم بھی یہ تجربہ کر لو گے۔"

"تم کہہ رہی تھیں کہ اشوک تمہارا دوست ہے۔ میرے اندازے کے مطابق تم شادی شدہ نہیں ہو۔ اشوک سے ایسے آزادانہ میل جول پر تمہارے ماں باپ تم کو نہیں روکتے؟" احتیاط کے باوجود میرے لہجے میں ہلکی سی ملامت در

منی اسٹوری

فریڈ کا سب کچھ تباہ ہو چکا تھا۔ وہ قلاش ہو گیا تھا۔ اس کی بیوی دودھ والے کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ وہ کمپنی میں ایک لاکھ ڈالر کا غبن کر کے وہ رقم ریس میں ہار چکا تھا اور اسے معلوم تھا کہ جلد ہی اس کا غبن پکڑا جائے گا۔ وہ خودکشی کرنے دریا پر پہنچا اور پل سے چھلانگ لگانے ہی لگا تھا کہ ایک استخوانی ہاتھ نے اسے روک لیا جس پر رگیں ابھری ہوئی تھیں۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک بدصورت بڑھیا قریب کھڑی تھی۔ وہ بولی "کیوں خودکشی کر رہے ہو؟"

فریڈ نے اپنی رام کہانی سنائی تو وہ بولی "فکر کرنے کی ضرورت نہیں.... میں چڑیل ہوں اور طلسمی طاقتوں کی مالک ہوں۔ میں تمہارے تمام مسئلے حل کر دیتی ہوں۔ تم بھی میرا تھوڑا خیال کرنا...." اس نے چھڑی ہوا میں لہرائی اور بولی "تمہاری بیوی گھر واپس پہنچ چکی ہے اور تمہارے اکاؤنٹ میں پانچ لاکھ ڈالر جمع ہو چکے ہیں۔"

"اب مجھے تمہارے لیے کیا کرنا ہے؟" فریڈ نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

"میرے ساتھ میرے گھر چلو اور ایک محبت بھری رات بسر کرو" بڑھیا نے فرمائش کی۔

فریڈ کو اس تصور سے کراہت تو بڑی محسوس ہوئی لیکن مجبور تھا' چلا گیا۔ صبح تک اس کے لیے گویا آزمائش کی ایک رات ختم ہوئی۔ وہ گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا تو بڑھیا نے پوچھا "تمہاری عمر کیا ہے؟"

"چالیس سال" فریڈ نے جواب دیا۔

"کافی بڑے ہو گئے ہو.... اب تک تو تمہیں معلوم ہو جانا چاہیے کہ چڑیلوں کا کوئی وجود نہیں ہوتا" بدصورت بڑھیا نے ملامت سے کہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

آئی۔

"پاپا کی میری عمر کی لڑکیوں سے دوستی ہے۔ وہ پارٹیوں میں انہیں گھر بلاتے ہیں۔ میں انہیں نہیں ٹوکتی تو وہ مجھے کیوں روکیں گے؟ مما بے چاری فالج کی مریضہ ہیں۔ وہ اوپر اپنے کمرے میں پڑی رہتی ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے ایک نرس دن رات ان کے ساتھ رہتی ہے" رینا نے کسی ندامت کے بغیر بتایا "ویسے تمہیں راز کی ایک بات بتادوں' پاپا کو یہ پتا نہیں ہوتا کہ میں اشوک سے ملنے جارہی ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں اپنی پرانی سہیلیوں کے ساتھ وقت گزارنے کے لیے گھر سے نکلتی ہوں اور رات ہرحال میں اپنے گھر میں گزارتی ہوں۔"

میرے پاس اس کی سنائی ہوئی کہانی پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ وہ اپنے چہرے مہرے اور لباس سے آسودہ حال نظر آرہی تھی۔

وہ بہت دھیرے دھیرے بیتی رہی اور اپنے بارے میں باتیں کرتی رہی۔ اس دوران میں کئی مرتبہ وہ تضاد بیانی کا شکار ہوئی لیکن میں نے اسے کہیں نہیں ٹوکا۔ وہ بول رہی تھی اور میں خاموشی سے سن رہا تھا۔ اس کے معدے میں اترتی ہوئی مزید اسکاچ نے اپنا رنگ جمانا شروع کردیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میری کسی جرح کے بغیر وہ تھوڑی دیر بعد سچ بولنا شروع کردے گی۔

وہ کافی دیر تک اپنی رو میں کھوئی رہی۔ اچانک اسے ایک ادھورا موضوع یاد آگیا اور اس نے تنک کر کہا "تم نے ابھی تک میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

"کس بات کا؟" میں نے حیرت اور معصومانہ سادگی سے پوچھا۔

"میں نے تمہیں فاضل آمدنی کی پیش کش کی تھی۔ یہاں سے یہ رشتہ جڑگیا تو تم اس بہانے دہلی آتے جاتے رہو گے۔"

"جب تک تفصیل کا پتا نہ چلے' میں کچھ نہیں کہہ سکتا" میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا "ہوسکتا ہے کہ کام میرے بس سے باہر ہو۔"

"بہت معمولی سا کام ہوگا اور اس کا معقول معاوضہ ملے گا" رینا نے مجھے یقین دلایا۔

"تم اتنی رازداری کیوں برت رہی ہو۔ کام بتادو تاکہ میں آسانی سے فیصلہ کرسکوں۔"

وہ متذبذب نظر آنے لگی پھر میری طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں بولی "ابھی اوپر چل کر بات کریں گے۔"

"میں بھی اسی لیے خاموش تھا۔ اہم باتوں پر سرعام تبادلہ خیال نہیں کیا جاتا۔"

میں نے بوتل میں بچی ہوئی اسکاچ کی طرف اشارہ کیا مگر رینا نے سختی سے انکار کردیا۔ اس نے وہ بوتل اسی طرح اپنے وینٹی بیگ میں ڈال لی۔ میں نے ویٹر کو بل لانے کا اشارہ کردیا۔ رینا اپنے پیگ سے ہلکی ہلکی چسکیاں لیتی رہی۔

رینا کا جام خالی ہونے سے پہلے میں بل ادا کرچکا تھا۔ وہ کرسی سے اٹھی تو اس کے قدموں میں ہلکی سی ڈگمگاہٹ تھی۔ میں اسے سہارا دے کر ہال روم سے باہر لے آیا اور پھر لفٹ کی طرف چل دیا۔ اس نے ہوٹل کی چوتھی منزل پر کمرا لیا ہوا تھا جس کی چابی اس کی وینٹی بیگ میں پڑی ہوئی تھی۔

ہوٹل کے سارے کمرے یکساں تھے۔ رینا نے کمرے میں پہنچتے ہی پیروں سے سینڈل اتارے اور بستر پر گرگئی۔ اس کی ساری کا پلو نیچے گر چکا تھا۔ اوپری دھڑ مختصر سے بلاؤز کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس نے مضبوطی سے میرا ہاتھ تھام کر مجھے بستر پر ہی بٹھالیا۔

"کام کے بارے میں میرے انکل ہی کچھ بتائیں گے" اس نے مخمور آنکھیں میرے چہرے پر جما کر ہلکی سی لکنت کے ساتھ کہا "تم مجھے اپنی رضامندی کا ہلکا سا اشارہ دو تو میں تمہاری اور ان کی ملاقات کا بندوبست کرسکتی ہوں۔ وہ بہت نفیس آدمی ہیں۔ تم ان سے مل کر خوش ہوجاؤ گے۔"

"تمہارے انکل!" میں نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا "وہ کون ہیں' کیا کرتے ہیں؟"

"بہت بڑے سرکاری افسر ہیں۔ صدر اور وزیراعظم سے لے کر کلرک اور چپراسی تک ان کی عزت کرتے ہیں۔"

"نام کیا ہے ان کا؟" رینا کے آخری انکشاف نے مجھے بری طرح چونکا دیا تھا لیکن میں نے اپنے لہجے سے حیرت کا اظہار نہیں ہونے دیا۔

"انل بسواس!" رینا کے وہ الفاظ پگھلے ہوئے سیسے کی طرح میرے کانوں میں اترتے چلے گئے۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کا ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کو انگ فونا ئی ایک چینی ڈیوٹا سارٹ پر سوار ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد انٹرو سوخ کی بنا پر فی کے بے انداز مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوٹا سارٹ زوایسی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جبھی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد، مزک بیل اس ملٹے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا کر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا' ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی ہلاکتوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوٹا سارٹ اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کی پاسداری کے باعث امریکیوں کی نظر میں مقتول ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اور ایرانی ذی ہنٹ ہمارے ساتھ آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کرلیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا صحاصرہ کیا اور اس نے خود کشی کرلی۔ اس کی خودکشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی ردعمل نے ہمیں چونکا دیا۔ ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کردار ھرنا کرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں متعین پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حوالوں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کامیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا ہنسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا چھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کرکے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی چستی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر مشکل میں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے مگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی' کرشن کمار کے ساتھیوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی مادھوی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دو امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں نزیلک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بسواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ من گھڑت اطلاعیں تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی اوز کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "ہیومن سوسائٹی" فلاحی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل اے این ایچ کی غیر قانونی اسمگلنگ اور لاہور میں ہیروئن پھیلانے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جاتکیر کا مامون سسر چوہدری عظمت تھا۔ آئی بی کے جلال اور ایس ٹی ایف کے بقائی کمانڈر کی مدد سے ہیومن سوسائٹی کا قلع قمع کر دیا گیا۔ ویرا بھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں' میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کے مشورے کے مطابق دو مختلف ہوٹلوں میں رہائش پذیر ہو گئے۔ پولیس رپورٹ سے مستثنیٰ ویزے کے باوجود مقامی پولیس نے ہم سے ہوٹل میں رابطہ کرکے پوچھ گچھ کی۔ ویرا کو پولیس ہیڈ کوارٹر بلایا گیا مگر بمبئی کے مشہور گروہ بند اداود جٹ کے دہلی میں موجود دست راست نجیٹب کی مدد سے اسے فوری خلاصی مل گئی۔ کراچی میں ویرا کی جانب سے دی گئی دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر جان اسحٰق بھی وہاں سے بھاگ کر بھارت پہنچ چکا تھا۔ اب ہمیں انل بسواس اور جان اسحٰق دونوں سے نمٹنا تھا۔ جلال کے آدمیوں نے بتایا کہ وہ لوگ گذشتہ دو ماہ سے گرین کوبرا نامی فائنل کی نجیٹب میں ہیں مذکورہ فائنل میں پاکستان کے خلاف کسی گھناؤنے منصوبے کو پروان چڑھایا جا رہا تھا۔ ہماری موجودگی کے دوران میں پاکستان سفارت خانے کے تین اہل کاروں کو نزیلک مارنے میں ہلاک کر دیا گیا اس طرح انہوں نے جوگیندر پال کا حساب برابر کرنے کی کوشش کی تھی۔ را والوں کو ہماری بھارت میں موجودگی کی سن گن مل چکی تھی اور ہمیں بہت محتاط ہونا پڑا۔ میں انل بسواس تک پہنچنے کی فکر میں تھا کہ ایک بھارتی خوب رو دوشیزہ رینا میرے قریب آگئی۔ میں اس کے ساتھ اس کے کمرے میں تنہا تھا اور وہ شراب کے نشے میں نیم ہوش تھی کہ انل بسواس اس کا انکل تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

رینا بلاشبہ بہت پرکشش لڑکی تھی۔ اس کی گوری رنگت' دلکش خدوخال اور نازک سے بدن نے ہال روم میں موجود بہت سے لوگوں کی توجہ مبذول کرالی تھی۔ اس پر اس کا فیشن زدہ اور مشرقی معیار کے مطابق ناکافی لباس سونے پر سہاگے کا کام کر رہا تھا۔ وہ کوانف اس وقت کے تھے جب وہ متجسس نظروں سے پورے ہال روم کا جائزہ لیتی ہوئی' خراماں خراماں میری میز کی طرف آئی تھی۔

اپنے کمرے میں موجود شاہانہ بستر پر بے پروایانہ انداز میں گرنے تک رینا میں خاصی تبدیلیاں آچکی تھیں۔ بلیک لیبل کے تین معیاری پیگ سے زیادہ اسکاچ اس کے معدے میں اترنے کے بعد اس کی ہرنی جیسی آنکھوں میں اپنے سرخ ڈورے دکھا رہی تھی۔ اس نے مصنوعی سے میرا

ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ اس کے گداز ہاتھ کے لمس اور جسمانی قرب کی وجہ سے میرے ذہن پر ہلکی سی کہر چھانے لگی تھی۔

اس وقت تک کم از کم ایک معاملے میں رینا کے عزائم واضح ہو چکے تھے۔ اس کے تیزی سے بنتے ہوئے جال سے خود کو بچائے رکھنے کے لیے میں اس کے دعوت انگیز وجود سے نظریں چرا رہا تھا لیکن جب اس نے میرے سوال کے جواب میں انل بسواس کا نام لیا تو میں اپنی بے ساختہ حیرت پر قابو نہ پاسکا بے اختیار میری نظریں اس کے حسین چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

رینا نے میرے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھا کر مجھے بائیں آنکھ ماری اور مسکراتے ہوئے بولی "تم نے اپنی نرمی اور شرافت سے میرا دل جیت لیا ہے۔ تمہاری جگہ اشوک

Downloaded from https://paksociety.com

ہوتا تو نشے میں دھت ہوتا اور کمرے کا دروازہ بند کرتے ہی کسی درندے کی طرح مجھ پر ٹوٹ پڑتا..... تم دھتے مزاج کے مالک ہو مگر تمہارا چہرہ چغلی کھا رہا ہے کہ اس وقت تم اندر ہی اندر سلگ رہے ہو۔"

وہ بہکی نہیں تھی لیکن نشے میں ضرور تھی۔ جب نگاہیں خمار سے بوجھل ہوجائیں اور زبان پر لکنت طاری ہونے لگے' الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوں تو ذہن نشے کی گرفت میں آچکا ہوتا ہے۔ نشے کی رو میں رینا کا ذہن بس اسی سمت میں چل رہا تھا جدھر وہ سوچ رہی تھی۔ اسے یہ اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ میری کیفیت میں تبدیلی اس کے ہوش ربا قرب کی وجہ سے نہیں آئی تھی بلکہ اس کے انکل کے نام نے اپنے کانوں پر سے میرا اعتبار اٹھا دیا تھا۔

"تم بہت اچھی اور خوبصورت ہو" میں نے اچانک پینترا بدل کر کہا "اتنی خوبصورت کہ تمہیں چھوتے ہوئے ڈر لگتا ہے تم جذبوں سے زیادہ حسین اور کانچ کی گڑیا سے زیادہ نازک ہو۔ تمہیں چھوتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں ٹوٹ نہ جاؤ' تمہارا رنگ میلا نہ ہوجائے۔"

سب عورتیں بے وقوف نہیں ہوتیں۔ بعض بہت ذہین اور طرار ہوتی ہے۔ غزالہ اور ویرا اس ذہانت کی زندہ مثالیں تھیں لیکن اس صنف میں ایک خرابی بہرحال پائی جاتی ہے۔ خوشامد اور تعریف و توصیف کے سامنے ہر عورت اور لڑکی کی عقل کوچ کرجاتی ہے اور وہ اپنے خوشامدی کے ہاتھوں میں موم کی گڑیا بن جاتی ہے۔

میرے نپے تلے تعریفی فقروں پر رینا کے وجود میں سویا ہوا عورت کا غرور جاگ اٹھا۔ بستر پر لیٹے لیٹے اس کی گردن تھوڑی سی تن گئی۔ اس نے تیکھی چتون سے میری طرف دیکھا۔ میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے رہا۔ اس کی گرفت اضطراری طور پر ڈھیلی ہوگئی۔ اس کی انگلیاں مضطربانہ انداز میں میری ہتھیلی کی پشت پر ہل جل رہی تھیں۔ کسی خاص کوشش کے بغیر' میرا ہاتھ بہت نرمی سے اس کے ہاتھ میں سے پھسل آیا۔

میرے ذہن میں پولیس والوں کی جانچ پڑتال تازہ تھی۔ جب رینا بیسیوں میزوں کو چھوڑ کر ہال روم میں میرے پاس آئی تو مجھے اندیشہ ہوا تھا کہ کہیں کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے' کسی کو مجھ پر شبہ ہوگیا ہے اور اس نے رینا کی صورت میں میرے اوپر ایک خوبصورت جال پھینکا ہے۔ اس نے اپنی آمد کی نہایت موزوں تاویل پیش کی تھی۔ وہ کسی میز پر اکیلی بیٹھی رہتی تو اسے اپنی ساتھی بنانے کے اتنے امیدوار اس کے پاس آتے کہ وہ بیزار ہوجاتی۔ میں اس کے اچانک ٹکرا جانے پر کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوا تھا۔ میرا رویہ خالص مدافعانہ رہا تھا۔

اپنے لباس اور رکھ رکھاؤ سے وہ کسی آسودہ حال اور روشن خیال گھرانے کی لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ اس نے جس انداز میں اپنی مفلوج ماں اور اوباش پاپا کی کہانی سنائی تھی اس سے بھی یہی اندازہ ہوتا تھا کہ دولت کی ریل پیل نے رینا کے باپ کی آنکھوں پر دبیز پردے ڈال دیے تھے۔ اپنی رنگ رلیوں میں ڈوب کر اس نے یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ اس کی اپنی بیٹی کسی اور کے ڈیڈی یا پاپا کی خلوتیں آباد کرنے کی عمر میں بھٹک رہی تھی!

"میں اتنی نازک بھی نہیں ہوں" رینا اٹھلا کر' رک رک کر' الفاظ کو کھینچتے ہوئے کہہ رہی تھی "میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں اناڑی نہیں ہوں۔ اشوک نے مجھے مرد اور عورت کے رشتوں کے بارے میں بہت کچھ سکھا دیا ہے۔ تم بلاوجہ شرما رہے ہو۔ لوہا زیادہ تپ جائے تو یکایک پگھل جاتا ہے۔ اسے بروقت پانی میں ڈال دیا جائے تو وہ ٹھنڈا ہوکر اپنی اصل سے بہتر ہوجاتا ہے۔ تم لوہے سے زیادہ مضبوط نہیں ہو۔ اپنے ساتھ ظلم نہ کرو' میرے قریب آجاؤ۔"

"ابھی تم نے اپنے انکل کا کیا نام بتایا تھا؟" میں نے اس خوفناک نام کی اہمیت کم کرنے کے لیے انجان بن کر پوچھا۔

"انکل انل بسواس!" اس نے پرغرور لہجے میں دہرایا "میں تمہیں ان سے ضرور ملواؤں گی۔ تمہارے دن پلٹ جائیں گے۔ ہوسکتا ہے کسی وقت میں تمہارے ساتھ پاکستان کی سیر کے لیے چلی جاؤں۔"

اس وقت رینا بہت کمزور ہوچکی تھی۔ نشے نے اس کی سوچ کو اتنا ماؤف کردیا تھا کہ وہ ایک ہی رخ پر بولے جارہی تھی پھر اس پر گہرا جذباتی ابال بھی چھایا ہوا تھا۔ میری کوشش تھی کہ ان کمزور لمحوں میں اس سے زیادہ سچ اگلوالوں۔

"انل بسواس اگر اتنا کارآمد آدمی ہے تو میں اس سے ضرور ملوں گا مگر تم مجھے ایک بات بالکل سچ بتادو!"

"شرابی کبھی جھوٹ نہیں بولتا..... مرد نہ عورت!" اس نے پراعتماد انداز میں کہا "میں اب تک سچ بولتی چلی آئی ہوں۔ تمہیں جو پوچھنا ہے وہ پوچھ لو۔ اس کا جواب سچ کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔"

"تم پہلے سے کوئی پروگرام طے کرکے مجھ تک پہنچی تھیں یا محض اتفاق نے ہمیں یک جا کیا ہے؟"

"کئی بار بتا چکی ہوں اور اب پھر سن لو کہ یہ ایک اتفاق ہے کہ میں اس وقت تمہارے ساتھ اور تمہاری دسترس میں ہوں۔ اشوک بروقت آجاتا تو شاید میں نگاہ بھر کر بھی تمہاری طرف نہ دیکھتی۔ دوبعد میں بھی آگیا ہوتا تو میں تمہارا شکریہ

Downloaded from https://paksociety.com

ادا کر کے اس کے ساتھ چل دی ہوتی۔ برسوں کی دوستی کو ذرا سی دیر سویر کی بھینٹ نہیں چڑھایا جاتا مگر آج اس کے ستارے خراب اور تمہارے عروج پر ہیں۔ وہ غائب ہے' میں تمہارے ساتھ موجود ہوں۔ ہمارے نکل آنے کے بعد وہ پہنچا ہوگا تو اب کسی پاگل کی طرح مجھے پورے ہوٹل میں ڈھونڈتا پھر رہا ہوگا۔ اس کی سزا یہ ہے کہ آج وہ یوں ہی کانٹوں پر لوٹتا رہے۔"

"بہت سفاک اور اذیت پسند ہو تم!" میں نے ایک کرسی پر بیٹھ کر اپنے جوتوں کے بند کھولتے ہوئے کہا "اس کی پریشانی کا تصور کر کے خوش ہو رہی ہو۔ یہ بھول رہی ہو کہ وہ ہوٹل کے کاؤنٹر سے تمہارے کمرے کا نمبر معلوم کر کے سیدھا یہاں پہنچ سکتا ہے۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں ہوں۔ وہ لال پیلا ہوتا ہوا آیا تو میں تمہیں بھول کر خاموشی سے باہر نکل جاؤں گا۔"

وہ مخمور انداز میں ہنس پڑی "اس وقت تمہارا چہرہ لال گلابی ہو رہا ہے۔ کسی لڑکی کی طرح شرما رہے ہو۔ اشوک آیا تو صدمے سے پیلا پڑا ہوا ہوگا۔ تم لڑنے بھڑنے والے نہیں ہو' وہ بزدل ہے۔ تمہارے کمرے سے جانے سے پہلے خود الٹے قدموں لوٹ جائے گا۔ وہ میرا صرف دوست ہے' منگیتر نہیں ہے۔ اسے میری نجی زندگی میں دخل انداز ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس سے اکتا کر میں کسی وقت بھی کسی سے دوستی کر سکتی ہوں" وہ خاموش ہو کر چند ثانیوں تک زیر لب مسکراتی رہی جیسے دل ہی دل میں کچھ سوچ کر محظوظ ہو رہی ہو۔ پھر نیم مکارانہ لہجے میں بتانے لگی "وہ اس کمرے تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ میں ہر مرتبہ نام بدل کر ہوٹل کا کمرا بک کراتی ہوں۔ ریکارڈ میں ایک ہی نام بار بار آتا ہے تو بدنامی ہوتی ہے۔ بات پاپا کے کانوں تک پہنچ سکتی ہے۔ آج میں نے مسز روشن کھمباٹا کے نام سے کمرا لیا ہے۔ بتاؤ' وہ کیسے پہنچے گا؟"

رینا حسین اور اوباش ہونے کے ساتھ ساتھ چالاک بھی تھی۔ اشوک کے اس کمرے تک آنے کی ہر راہ مسدود کر دی گئی۔ وہ اس کمرے میں مسز روشن کھمباٹا بنی ہوئی تھی۔ اشوک اگر آ بھی جاتا تو اسے رینا اجیت رائے کی تلاش ہوتی۔ وہ ریکارڈ کا معاملہ تھا۔ ہوٹل کے ریکارڈ پر رینا اجیت رائے کا سرے سے کوئی وجود نہیں تھا۔ وہ ادب نا آشنا' بے ہودہ اور جدید عاشق پورا ہوٹل چھان لیتا پھر بھی اسے رینا کا کوئی سراغ نہیں مل سکتا تھا۔

میرے ذہن میں ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ وہ اشوک کا کوئی معاملہ نہیں تھا۔ ہم دونوں رینا کے لیے ہوئے محفوظ کمرے کی دیواروں میں محصور ہو چکے تھے۔ وہاں ہماری مرضی کے خلاف کوئی اجنبی دخل انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر یہ اندیشہ سر ابھار رہا تھا کہ اشوک رینا کی زندگی میں آنے والا کوئی جیتا جاگتا کردار ہو تو ہو مگر اس کی اتنی زیادہ اہمیت نہیں تھی جتنی رینا ظاہر کر رہی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ اشوک کی کہانی بالکل بوگس تھی۔ رینا نے مجھ تک رسائی کے لیے وہ نام استعمال کیا تھا۔ رینا ایسی گئی گزری بھی نہیں ہے کہ اس سے ایک رنگین ملاقات کا پیمان بطے ہو جانے کے بعد کوئی جواں سال عاشق وقت کی اہمیت کو نظر انداز کر دیتا۔ ہو سکتا ہے کہ اشوک' توبہ شکن رینا کا قریبی دوست رہا ہو۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے پیکروں میں اپنے اپنے لیے لازوال آسودگیاں تلاش کرتے رہے ہوں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک بات سامنے آ رہی تھی کہ وہ کہانی سچ ہونے کے باوجود' اس روز اشوک کو انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں مدعو نہیں کیا گیا تھا۔ وہ شام شاید رینا نے میرے ہی نام کی ہوئی تھی۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ اس کی وہ کوشش کامیاب ثابت ہوئی تھی۔ مجھ سے مل بیٹھنے کے لیے اس نے ہر اعتبار سے ایک مضبوط کہانی تراشی تھی۔

رینا اجیت رائے نہ جانے کب سے مجھے گھیرنے کے چکر میں تھی مگر اس شام وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو چکی تھی اور میں اس کے ساتھ موجود تھا۔

اس فیصلے پر پہنچنے کے بعد میں نے رینا پر اپنی نرم جرح کا رخ یکایک تبدیل کر دیا "تم میرے بارے میں کیا جانتی ہو؟" میں نے جوتوں اور موزوں سے گلو خلاصی حاصل کرنے کے بعد قدرے جارحانہ لہجے میں پوچھا۔

رینا کے لیے میرا وہ سوال بالکل غیر متوقع تھا۔ وہ بری طرح بوکھلا گئی اور اپنے دونوں ہاتھ فضا میں اچھالتے ہوئے بولی "میں کیا جان سکتی ہوں۔ کچھ بھی نہیں جانتی۔ اشوک اپنے دیے ہوئے وقت پر نہیں پہنچا تھا۔ مجھے کسی پر سکون میز کی تلاش تھی۔ تم بال روم میں اکتائے ہوئے انداز میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں پناہ کی تلاش میں تمہارے پاس پہنچ گئی۔ تم نے مجھے خوش آمدید کہا اور بس....!" اس نے اپنی بائیں آنکھ دبائی "تم کچھ ڈھیلے ڈھیلے سے لگ رہے ہو۔ ہمت کرو اور تیاری پکڑو۔ میں رات کو دیر سے گھر جانے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کرتی لیکن رات بھر گھر سے غائب رہنے کے بارے میں نہیں سوچ سکتی۔"

"تم نے واقعی مجھے مسحور کر کے رکھ دیا ہے۔ کوئی سیاح یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ ایک اجنبی ملک میں جائے گا اور اچانک وہاں تم جیسی حسینہ سے دوستی کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ مجھے ابھی تک ایک رنگین اور سہانا خواب

Downloaded from https://paksociety.com

محسوس ہو رہا ہے۔"

صرف ایک ٹیڑھے سوال کے بعد میرے اعتراف نے رینا کو دوبارہ بے فکر کر دیا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "میں سنتی ہوں کہ آج کل جو بھی سمندر پار چلا جائے اور دو چار سطریں لکھنا جانتا ہو' واپسی پر اپنا پورا سفرنامہ لکھ ڈالتا ہے جس میں سارا زور اس بات پر ہوتا ہے کہ باہر کی حسین و جمیل دوشیزائیں بس اسی کے انتظار میں بیٹھی سوکھ رہی تھیں۔ ادھر سیاح نے جہاز سے قدم باہر نکالا اور ادھر بنی سنوری لڑکیوں نے اس پر یلغار کر دی۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے سیاح کے پہنچنے سے پہلے وہاں کے مرد لام پر بھیج دیے جاتے ہیں یا شرم سے مر جاتے ہیں۔"

"مبالغہ آرائیاں ضرور ہوتی ہیں" میں نے سگریٹ کا کش لے کر پر خیال انداز میں جواب دیا "مگر اس میں پڑھنے والوں کا بھی قصور ہوتا ہے۔ پاکستان اور ہندوستان میں یہ سوچنا بھی مشکل ہے کہ اجنبی مرد اور عورت آپس میں ذرا سی دیر بات کر سکیں۔ ہر دیکھنے والا ان کی طرف سے شک و شبے میں پڑ جاتا ہے۔ اس ماحول میں رہنے والوں کو ولایت کے قصے عجیب لگتے ہیں۔ وہاں تہذیب اور شائستگی کے دائرے میں رہتے ہوئے کسی بھی عورت سے بات کی جا سکتی ہے۔ آدمی میں حوصلہ ہو تو تھوڑے سے ہنسی مذاق کی گنجائش بھی نکل آتی ہے۔ ذرا سی دیر کے بعد عورت یا لڑکی کو یاد بھی نہیں رہتا کہ اس نے کس سے بات کی تھی۔ ہم اس کی تصویر اپنے دل میں بسا لیتے ہیں اور واپسی پر نمک مرچ لگا کر اس کی کہانی سفرنامے میں ڈال دیتے ہیں۔ کچھ لکھنے والے کا مبالغہ اور کچھ پڑھنے والوں کی تنگ نظری..... ایسے واقعات عجیب معلوم ہونے لگتے ہیں۔"

"تم نے کبھی کوئی سفرنامہ لکھا تو اس میں میرا ذکر کرو گے؟" اس نے اپنی مخمور نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے پوچھا۔

"میں لکھنے پڑھنے والا آدمی نہیں ہوں۔ کبھی قلم پکڑنے کی ہمت ہو گئی تو تم ضرور یاد آؤ گی۔" میں نے اسے یقین دلایا اور پھر بات کو فوراً ہی دوسرے رخ پر لے آیا۔ "مجھے تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ ہال روم میں بیٹھا ہوا ہر مرد تمہارے قرب کی آرزو میں مرا جا رہا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم نے میرا انتخاب کیا۔ مجھ سے باتیں ہی نہیں کیں بلکہ مجھے اپنی خواب گاہ میں لے آئی ہو مگر میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ کوئی اتفاق نہیں تھا۔ اس بھیڑ میں تمہاری نظر مجھ پر ہی کیوں رکی؟"

"وہاں بیٹھے ہوئے دو تین مردوں میں مجھے تم ہی سب سے بہتر اور شریف نظر آئے تھے" اس نے مسکراتے ہوئے

خدارا

شوگر کے مریض ذرا عقل سے کام لیں

شوگر کنٹرول کرنے کیلئے ساری زندگی عارضی وقتی انگریزی گولیاں ہی کھاتے رہنا آخر کہاں کی عقلمندی ہے۔ شفا منجانب اللہ پر ایمان رکھیں عارضی وقتی علاج کی بجائے عقل سے کام لیتے ہوئے ہمارے ہربل شوگر کورس کو صرف ایک دفعہ آزمائیں۔ مایوسی تو گناہ ہے۔ ہم نے شوگر کو جڑ سے ختم کرنے کیلئے ایک خاص دیسی طبّی ہربل دوائی ایجاد کر لی ہے۔ جسے یقین نہ آئے وہ آزما کر دیکھ لے۔ ہمارے جذبۂ خدمت انسانیت کی قدر کریں۔ ہمارے شوگر کورس سے آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شوگر سے نجات مل سکتی ہے۔ آج ہی خود تشریف لائیں یا خط لکھیں یا ٹیلیفون کر کے گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک وی پی V.P شوگر کورس منگوا لیں۔ ہمارا یہ شوگر کورس انتہائی سستا آسان اور مختصر ہے۔ انشاءاللہ شوگر مستقل ختم ہو گی۔

المسلم دارالحکمت رجسٹرڈ بالمقابل جامع مسجد مبارک
جلالپور روڈ ضلع و شہر حافظ آباد پاکستان
فون 521787 — 0438
دواخانہ اوقات: صبح 9 بجے تا دوپہر 2 بجے
ٹیلیفون اوقات: شام 6 بجے تا رات 11 بجے
آج ہی ٹیلیفون کر کے شوگر کورس منگوا لیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

جواب دیا پھر بولی "مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میری طرف سے تمہارے دل میں کوئی شک پروان چڑھ رہا ہے ورنہ اب تک تم اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بجائے، بستر پر میرے ساتھ لیٹے ہوئے ہوتے، تھوڑی دیر پہلے تم نے ہی کہا تھا کہ بیوی اور غیر عورت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ آدمی اپنی بیوی کا تیز لہجہ برداشت نہیں کرتا، غیر عورت کے نخرے خوشی سے اٹھاتا ہے۔ میں تمہارے لیے غیر عورت ہوں۔ ایسی بری نہیں ہوں پھر بھی تم میرے قریب آتے ہوئے ڈر رہے ہو۔"

"میں تم سے نہیں، اپنے آپ سے ڈر رہا ہوں" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا "میں پاکستانی ہوں، پہلی بار یہاں آیا ہوں۔ سنا ہے کہ یہاں پاکستانیوں کو شک و شبے کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ میں نے ابھی تک خود پر بہت مشکل سے قابو رکھا ہوا ہے۔ میرا دوران خون کنپٹیوں میں زور کر رہا ہے۔ ڈرتا ہوں کہ جذبات کی رو میں بہہ کر بے لگام ہو گیا تو کہیں کسی چکر میں نہ پھنس جاؤں۔ ہوٹل کے کمرے سے ایک لڑکی کے ساتھ پکڑے جانے کا تصور میرے لیے بہت خوفناک ہے۔"

وہ مجھے چڑانے والے انداز میں ہلکی سی انگڑائی لے کر ہنسی پھر بولی "تم نے مسلمانوں کا نام ڈبو دیا۔ میں نے تو سنا تھا کہ مسلمان گوشت کھانے اور عورتوں کو رجھانے کے اتنے شوقین ہوتے ہیں کہ ان سے صبر نہیں ہوتا۔ ذرا سا موقع ملے تو بے لگام ہو جاتے ہیں۔ ایک تم ہو کہ۔۔۔"

"یہ میری بات کا جواب نہیں ہے" میں نے دوبارہ اس کا فقرہ درمیان سے اڑا دیا۔

"یہ بھارت ہے، کوئی اسلامی ملک نہیں ہے" اس نے قدرے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "یہاں عورت کے ساتھ زبردستی کرنا جرم ہے۔ اگر ہم دونوں آپس میں راضی ہیں تو یہاں کا قانون ہمارا راستہ نہیں روک سکتا۔ میں نے تم سے ابھی تک روپے پیسے کی کوئی بات نہیں کی۔ تمہیں بتا چکی ہوں کہ میرا باپ خوش حال آدمی ہے، میں کوئی بازاری عورت نہیں ہوں جو ٹکے ٹکے کے لیے منہ کالا کرتی پھروں۔ آؤ، قریب آجاؤ۔"

میں اس سے باتیں کر رہا تھا لیکن میرا ذہن کہیں اور الجھا ہوا تھا۔ میں اس گھڑی کے بارے میں سوچ رہا تھا جب غزالہ نے مجھے کمرے سے باہر نکل کر کھلی فضا میں تھوڑی سی تفریح کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس وقت وہی تفریح رینا کی صورت میں میرے گلے پڑی ہوئی تھی۔

اگر میرے اپنے مقاصد نہ ہوتے تو میرے لیے سب سے آسان راہ یہ ہوتی کہ میں اسے میز پر بیٹھنے کی اجازت نہ دیتا۔ وہ بیٹھ جاتی اور بات بڑھ جاتی تو میں اس کی ہر پیش کو ٹھکرا کر ہوٹل کے اس کمرے سے نکل جاتا جہاں میرے گرد اپنا جال مضبوط کر رہی تھی۔ میں ایک اہم مہ لے کر بھارت پہنچا تھا۔ اس ابتدائی مرحلے پر میں کسی معمولی بات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ رینا سے ملاقات بعد جہاں میرے ذہن میں ایک بے نام سا خوف سر ابھا تھا۔ وہیں میرا تجسس بھی حد سے بڑھ چکا تھا۔ اس کی ز سے انل بسواس کا نام سن لینے کے بعد میں اس لڑکی کو ک نہیں چاہتا تھا۔

اس سے میری خاصی باتیں ہو چکی تھیں۔ کچھ با ایسی تلخ بھی تھیں کہ وہ چاہتی تو برہم ہو کر مجھے اپنے کمر سے چلے جانے کا حکم دے دیتی۔ میری طرح شاید اس کی کوئی مجبوری تھی۔ وہ کسی خاص مقصد سے مجھ تک پہنچی اور وہ مقصد حاصل کیے بغیر، تہی دست واپس لوٹنا نہیں چا تھی۔

میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں ان خطوط تجزیہ کرتا رہا پھر میں نے خود کو حالات کے دھارے چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

میں جوتے اتار چکا تھا۔ میں کرسی چھوڑ کر اٹھا اور ر کے فضا میں، اپنی طرف اٹھے ہوئے دونوں ہاتھ تھام لیے معدے میں اتری ہوئی شراب کی وجہ سے وہ کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو رہی تھی۔ اس نے مجھے کھینچ کر اپنے اوپر گرا لیا۔

ہوٹل کے بال روم سے شروع ہونے والی آشنائی، لمحوں کا سفر طے کرتی ہوئی گہرے قرب میں تبدیل ہو گئی۔ رینا خوش شکل، خوش لباس، خوش مزاج اور خوش گفتار لڑکی تھی۔ جب تک وہ زبان سے کام لیتی رہی میں توجہ سے اس کی باتیں سنتا رہا پھر اس کے جسم کے دوسرے اعضا بھی جنبش میں آگئے۔ ان جنبشوں میں عجیب سی کشش اور بے آواز گنگناہٹ تھی۔ میں اس کی دسترس سے باہر تھا تو اس کے خلاف سوچ رہا تھا لیکن اس کے سامنے ہتھیار ڈال دینے کے بعد میرے ذہن سے انل بسواس، جان، ممتھ اور دوسرا ہر نام غائب ہو گیا۔ ذہن پر بس کشش اور نیم وحشی سی رینا ہی رینا باقی رہ گئی۔

رینا اجیت رائے اپنی عمر سے کہیں زیادہ چالاک اور تجربے کار لڑکی تھی۔ اس نے تکلف کی دیواریں گرا کر بے تکلفی کی ایک نئی دنیا کھڑی کر لی۔ اگر اس کا انل بسواس سے تعلق نہ ہوتا تو دوستی کے لیے وہ ایک اچھی ساتھی ثابت ہو سکتی تھی۔

"مجھے تمہارے خلوص پر یقین آگیا" میں نے میٹھی سی

Downloaded from https://paksociety.com

مسکراہٹ کے بعد کہا "اب دولت کمانے کے نسخے کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

"ارے! تمہیں وہ بات یاد ہے" یکایک رینا کا چہرہ کھل اٹھا "میں سمجھ رہی تھی کہ تم میری پیشکش کو کوئی اہمیت نہیں دے رہے ہو۔"

"انسان کو دنیا میں سب کچھ میسر ہو لیکن دولت نہ ہو تو زندگی بے کیف ہو جاتی ہے۔"

"سب کچھ میسر ہونا ہی دولت مندی کی نشانی ہے۔ تمہاری یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی" اس نے الجھی الجھی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"سب کچھ سے میری مراد تن درستی' خوب صورتی اور اچھی سیرت سے تھا۔"

"ہاں ... آں!" وہ بے پروائی سے بولی "انہیں کوئی نہیں پوچھتا۔ جیب بھاری ہو تو ساٹھ سالہ بدصورت بڑھیا بھی کسی جواں سال باکسر سے عشق لڑا سکتی ہے۔ پتا نہیں بھگوان نے پیسے میں اتنی کشش کیوں رکھ دی ہے؟"

"میرا کاروبار محدود ہے۔ آمدنی بھی مختصر سی ہے۔ یوں سمجھ لو کہ برسوں سے بھارت کی سیر کرنے کا پروگرام بنا رہا تھا مگر اب پاکستان سے نکلنے کی ہمت کر سکا ہوں۔ ہر بار بھاری اخراجات کا خوف میرے راستے کی رکاوٹ بن جاتا تھا۔"

"آمدنی بڑھے گی تو بار بار یہاں آتے رہو گے" اس نے زور دے کر اپنی بات دہرائی "یہاں کیا... پھر تو تمہاری مرضی ہوگی۔ دنیا بہت وسیع اور رنگین ہے۔ جہاں چاہو' جا سکو گے۔ یہ سودا بن گیا تو تمہاری زندگی بدل جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ تم مجھے پہچاننے سے انکار کر دو۔"

گڑ کھانے کے بعد گلگلوں سے پرہیز حماقت کے مترادف تھا۔ میں نے والہانہ پن کی اداکاری کرتے ہوئے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا۔ پہلے وہ سپردگی پر آمادہ تھی اور میں اس سے گریز کر رہا تھا۔ اس وقت میں نے پہل کی تو وہ مچل کر میرے بازوؤں سے نکل گئی۔

"تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ مجھے تمہارے انکل کے لیے کیا کام کرنا ہوگا؟" میں نے کہا۔

"چھوٹے موٹے اور معمولی کام ہوں گے۔ ان کے بارے میں وہی تم کو بریف کریں گے' میں تمہیں ان سے ملوا دوں گی۔"

"انکل انل کس محکمے میں کام کرتے ہیں؟" میں نے اسے آزمانے کے لیے پوچھا۔

"مجھے تفصیل کا علم نہیں۔ بس یہ جانتی ہوں کہ وہ ریسرچ کا کوئی کام کرتے ہیں۔ جس کی بڑی قدر کی جاتی ہے"

اس نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا تھا مگر آدھا سچ بول کر کنی کترا گئی تھی۔ ریسرچ اینڈ اینالسز ونگ کے تین ابتدائی حروف لے کر ہی را (RAW) کی اصطلاح تخلیق کی گئی تھی۔ اس نے مجھ سے انل بسواس کی ریسرچ کا ذکر کر دیا تھا۔ اس کی تجزیاتی مصروفیات گول کر گئی تھی۔

"پھر ان سے کب ملوا رہی ہو؟" انل بسواس تک پہنچنے کے لیے میری طرف سے دلچسپی کا اظہار ضروری ہو گیا تھا۔

"تم رضامند ہو گئے ہو۔ اب میں کوشش کروں گی کہ جلد از جلد تمہاری اور ان کی ملاقات ہو جائے۔" اس نے آسودگی سے سر ہلاتے ہوئے کہا پھر اچانک پوچھا "اب یہ بتاؤ کہ ڈنر کے لیے کیا منگوایا جائے؟"

"تمہارے قول کے مطابق مسلمان گوشت خور ہوتے ہیں۔ میں ہوٹل میں کوفتے کھا چکا ہوں مگر بعد میں خیال آیا تھا کہ وہ جھٹکے کا گوشت ہوگا۔"

اس نے زور زور سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی پھر کہا "ہم گائے کو پوجتے ہیں۔ تم لوگ اس کا گوشت شوق سے کھاتے ہو۔ اس لیے یہاں گئوہتیا جرم ہے۔ مسلمان اپنی بستیوں میں چوری چھپے گائے کاٹ کر آپس میں گوشت بانٹ لیتے ہیں۔ یہاں کھلے بندوں گائے کا گوشت نہیں ملتا۔ بھارت میں اتنے مسلمان رہتے ہیں کہ ہر قرینے کے ہوٹل میں رواداری سے کام لیا جاتا ہے۔ گائے کے سوا جو بھی گوشت ملتا ہے' ذبح کیا ہوا ہوتا ہے۔"

"اس رواداری میں بھی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوگی" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"سیدھی سی بات ہے۔ مسلمان اور یہودی جھٹکے کا گوشت نہیں کھاتے' اسے حرام سمجھتے ہیں۔ ان کی وجہ سے جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے۔"

"اس پر ہندو' سکھ اور عیسائی احتجاج نہیں کرتے؟" میری حیرت میں قدرے اضافہ ہو گیا۔

"وہ بس گوشت کھاتے ہیں۔ ذبیحے پر انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ پڑھے لکھے ہندو بھی اب جھٹکے پر ذبیحے کو ترجیح دینے لگے ہیں۔ جانور تڑپتا ہے تو اس کی رگ رگ سے خون بہہ کر نکل جاتا ہے۔ جانور کا جھٹکا کر دیا جائے تو سارا خون گوشت اور رگوں میں جما رہ جاتا ہے۔ کمال ہے کہ تم صرف کوفتے کھانے کے لیے یوں بال کی کھال نکال رہے ہو۔ یہاں کی سبزیاں کھا کر دیکھو' تم حیران رہ جاؤ گے۔"

"تم بھول رہی ہو کہ میرے کمرے میں میری ساتھی میری واپسی کا انتظار کر رہی ہوگی" میں نے کھانے سے معذرت چاہی "اب مجھے اجازت دو۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"وہ بیوی ہوتی تو مجھے پروا بھی نہ ہوتی لیکن تم نے بتایا ہے کہ وہ تمہاری گرل فرینڈ ہے۔ پردیس میں ایسی دوست کو ناراض نہیں کرنا چاہیے" میری توقع کے برعکس اس نے بہت آسانی سے مجھے اجازت دے دی اور میں اٹھ گیا۔

"مجھے کیسے پتا چلے گا کہ انل انکل سے کب ملنا ہے؟" میں نے ٹھٹک کر پوچھا۔

اس نے اپنے وینٹی بیگ سے کارڈ نکال کر میری طرف بڑھادیا "اس پر میرا فون نمبر ہے۔ چاہو تو رنگ کرسکتے ہو۔ ویسے انکل سے وقت طے ہوجانے کے بعد میں خود تمہیں فون کرکے بتادوں گی۔ یہ دھیان رکھنا کہ انکل انگریزوں سے زیادہ وقت کی پابندی کرتے ہیں۔"

میں نے وہ کارڈ پڑھا اور جیب میں رکھ لیا۔ اس پر رینا کا پورا نام گریٹر کیلاش ون کا پتا اور فون نمبر درج تھا۔

وہ مجھے رخصت کرنے کے لیے کمرے کے دروازے تک آئی اور دروازہ کھولنے سے پہلے نرمی سے میرے سینے سے لگ گئی۔

میں رینا کے کمرے سے رخصت ہوکر اپنے کمرے میں پہنچا تو غزالہ نے دروازہ کھولا۔ وہ متوحش اور پریشان نظر آرہی تھی۔ "خدا کا شکر ہے کہ آپ صحیح وسلامت لوٹ آئے۔ آپ کی طرف سے رہ رہ کر میرا دل ہول رہا تھا۔" جذبات کی شدت سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"ارے! تم اتنی کمزور دل کب سے ہوگئیں" میں نے مسکرا کر غزالہ کے رخسار پر ہلکی سی چپت لگائی "خود مجھے تفریح کرنے کے لیے کمرے سے باہر دھکیلا تھا اور خود ہی اندیشوں میں گھر کر پریشان ہورہی ہو۔"

"میری پریشانی بلاسبب نہیں تھی" میرے بیٹھنے کے بعد اس نے بتایا "اپریٹس پر تین مرتبہ گوپال کی کال آچکی ہے۔ آخری مرتبہ میں نے آپ کا کوڈ استعمال کرکے اس سے بات کی تھی۔ وہ سخت فکرمند ہے۔ کہہ رہا تھا کہ آپ را کی ایک جوان اور خوب صورت لڑکی کے ہتھے چڑھ گئے ہیں ... خیریت تو تھی نا؟"

میرے دل کا چور جاگ اٹھا۔ رینا کے بدن اور کپڑوں سے کسی قیمتی پرفیوم کی بھینی بھینی مہکار پھوٹ رہی تھی جو میرے جسم میں بھی رچ چکی تھی مگر غزالہ نے اس نامانوس خوشبو کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں کہا تھا۔ بس مجھے گوپال کی تشویش سے آگاہ کردیا تھا۔

میں نے زبان کھولنے سے پہلے اپنی جیب سے رینا کا وزیٹنگ کارڈ نکالا اور غزالہ کی طرف بڑھادیا۔

"آر اے رائے۔ سترتر شول مارگ۔ گریٹر کیلاش ون!" غزالہ نے بلند آواز میں رینا کا کارڈ پڑھا پھر اس کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں "یہ کس کا کارڈ ہے؟"

"رینا اجیت رائے۔ گوپال کو کیسے پتا چلا کہ رینا را کی ایجنٹ ہے؟" میں نے رینا کا پورا نام بتانے کے بعد پوچھا۔

"شاید اسے لڑکی کا نام معلوم نہیں تھا مگر یہ پتا تھا کہ وہ را کے لیے کام کرتی ہے۔ سنیل نے واپسی پر ہوٹل کا چکر لگایا تھا۔ اسی نے گوپال کو خبر دی کہ آپ ایک خطرناک لڑکی کے ساتھ ہوٹل کے بال روم میں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

غزالہ کو وہ خبر گوپال سے نہ ملی ہوتی تب بھی میں اسے رینا کی کہانی ضرور سناتا۔ ہر تبدیلی یا امکانی خطرے کے بارے میں اس کا باخبر رہنا بہت ضروری تھا۔ یہ اور بات تھی کہ میں اس کہانی کے وہ حصے حذف کردیتا جن میں میرے لیے ندامت اور شرمندگی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ غزالہ کی زبان سے سنیل کی رپورٹ سن کر مجھے ایک ذہنی جھٹکا لگا۔ وہ تینوں بہرحال آئی بی جیسے ایک منظم اور ذمے دار ادارے سے منسلک تھے جس کا اپنا ڈسپلن تھا۔ وہ مجھ جیسے عارضی مہمان کو ہر عزت ووقعت دے سکتے تھے لیکن یہ سمجھنا غلط فہمی کے مترادف ہوتا کہ وہ اپنے ڈسپلن کو بھول کر دل کی گہرائیوں سے مجھے اپنا چیف یا سربراہ سمجھ لیں گے۔

میں نے سنیل کو بہت واضح الفاظ میں بتایا تھا کہ اس وقت گوپال نہیں بلکہ میں اس کا سربراہ تھا۔ اسے گوپال کی ہدایت کو بھول کر میرے احکام پر عمل کرتے ہوئے فوری طور پر ہوٹل سے واپس لوٹ جانا تھا۔ اس نے کسی بحث کے بغیر میرے موقف کو تسلیم کرلیا تھا اور ہوٹل سے واپسی کا وعدہ کرنے کے بعد اس پر عمل بھی کرڈالا تھا۔

میں نے اس سے راستے ہی میں اپریٹس پر رابطہ کرکے جان اسمتھ کے ہوٹل کی تلاش کا نیا کام سونپا تھا۔ مجھے اندازہ ہورہا تھا کہ مجھے ہوٹل سمراٹ کا پتا بتانے کے بعد سنیل نے گوپال کو نئے واقعات کی رپورٹ دی گوپال نے اسے پورے خلوص کے ساتھ مشورہ دیا ہوگا کہ وہ دور رہ کر ہماری حفاظت کرتا رہے۔ سنیل دوبارہ انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل چلا آیا۔ وہاں میں رینا کے ساتھ اس کی نظروں میں آگیا۔

گوپال نے رینا کے راسے تعلق کے بارے میں غزالہ کو بتادیا تھا اور خود میری فکر میں تھا۔ اس حقیقت سے ظاہر ہورہا تھا کہ رینا کو دیکھ لینے کے بعد سنیل نے میری نگرانی جاری نہیں رکھی تھی۔ گوپال کو باخبر کرکے خود بھی غائب ہوگیا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

وہ نگرانی کا سلسلہ جاری رکھتا تو اس کے ذریعے گوپال کو یہ خبر بھی مل جاتی کہ میں رینا کے ساتھ اسی ہوٹل کے ایک کمرے میں موجود تھا۔

ان تینوں کی اپنی مجبوریاں تھیں۔ وہ دشمن کی سرزمین پر ایک خطرناک مشن پورا کررہے تھے۔ وہ خود کو پوشیدہ رکھنے کی کوششوں میں اس حد تک کامیاب تھے کہ کسی کو ان پر شبہ نہیں ہوسکا تھا۔ اگر رینا کا تعلق را سے تھا تو اس سے ملاقات سے پہلے را کا کوئی نہ کوئی ایجنٹ میری نگرانی کرتا رہا تھا۔ میں اس دوران میں سنیل سے ملا تھا' اس کے ساتھ دیر تک شہر میں گھومتا رہا' سرلا کے گیسٹ ہاؤس میں گیا۔ ان میں سے کسی بات کو مشتبہ نہیں سمجھا گیا۔ رینا مجھ سے آنکرائی اور اس نے پہلی ملاقات میں ہی مجھے انل بسواس تک لے جانے کی پیش کش کرڈالی۔

وہ سب سوچ کر میں اندر سے لرز کر رہ گیا۔ را کا کوئی ایجنٹ اتنا احمق اور اندھا نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ مجھے سول لائنز کے علاقے میں را کے اس ذیلی دفتر کے قریب سے گزرتا دیکھتا جہاں نریش شرما بیٹھتا تھا اور اس کے کان کھڑے نہ ہوتے۔

را والوں کی طرف سے پیچھا کیے جانے کے اندیشوں کو میں نے فوراً مسترد کردیا۔

سنیل ایک پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ ہر پیشہ ور کی طرح اسے معلوم تھا کہ ایسی مہمات میں اصل اہمیت مشن کی ہوتی ہے۔ مشن کو بچانے اور محفوظ رکھنے کے لیے بہت سفاکی اور سنگ دلی سے افراد بلکہ اپنے قریبی ساتھیوں تک کو قربان کردینا پڑتا ہے۔ اسے رینا کے روپ میں میرے گرد خطرہ منڈلاتا ہوا نظر آرہا تھا۔ شاید وہ سمجھا ہو کہ آخرکار را والے ڈینی تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔

اس کا وہ اندازہ ذرا بھی درست ہوتا تو ہوٹل کے بال روم میں کسی بھی لمحے بھیانک کشت وخون شروع ہوسکتا تھا۔ را اور ڈینی کے درمیان ہونے والے اس معرکے کی آگ سنیل کے دامن تک بھی پہنچ سکتی تھی۔ مجھے ہر طرف سے دشمنوں کے نرغے میں گھرا ہوا اور بے بس پاکر وہ کسی طرح خود پر قابو نہیں رکھ سکتا تھا۔ جذبات سے مغلوب ہوکر مقابلے میں کود تا اور مارا جاتا!

سنیل کے وہ خدشات میرے ذہن میں مجسم ہوتے ہی مجھے بے اختیار وہ فوجی یاد آگئے جنہوں نے لڑائی کے ایک مرحلے پر دشمن پر فائر کی اجازت نہ ملنے پر اپنے ہاتھ آتھنی نالوں پر مار کر توڑ لیے تھے۔ فائر کی اجازت نہ دینے والے دور تک دیکھ رہے تھے۔ ان کے سامنے صرف اپنا محاذ نہیں تھا' وہ پورے محاذ کے مفاد میں فیصلے کررہے تھے۔ دوسری طرف توپ یا مشین گن کے پیچھے بیٹھے ہوئے مغلوب الغضب سپاہی تھے جنہیں اپنے گردوپیش تک کی کوئی خبر نہیں تھی۔ وہ تو بس اپنے نشانے پر آئے ہوئے ہر دشمن کو گولیوں سے بھون دینا چاہتے تھے۔

"آپ کس سوچ میں گم ہوگئے؟" غزالہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"سوچ رہا ہوں کہ اب کیا ہوگا؟" میں نے جلدی سے بات بنائی "وہ لڑکی اتفاقاً آئی تھی مگر مجھے اس پر شبہ تھا۔ اب تم گوپال کی کہانی سنا رہی ہو۔ وہ را کی کارکن ہے تو مجھے گردن سے پکڑ کر کہیں بھی لے جاسکتی تھی۔ تمہیں اس کی پیشکش کا یقین نہیں آئے گا۔"

"کیا آپ کو اپنے ساتھ شادی پر مجبور کررہی تھی؟" غزالہ کا قیاس زیادہ دور تک مار نہیں کرسکا۔

"شاید مجھے اس پر حیرت نہ ہوتی۔ وہ کسی کام کے لیے مجھے انل بسواس سے ملوانا چاہتی ہے۔"

غزالہ بے ساختہ اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی "شاید کہیں کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے۔ را والوں کو ہماری اصلیت کا علم ہوچکا ہے۔ وہ آپ کے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ جانتے ہیں کہ اب آپ ان کی مرضی کے بغیر کہیں نہیں جاسکیں گے۔ وہ آپ کے خون کے پیاسے ہیں۔ اپنی مرضی کے موقع پر آپ کو اچانک گھیر لیں گے۔"

غزالہ رودینے کے قریب تھی۔ میں نے اٹھ کر اس کے دونوں بازو تھام لیے۔ "حوصلہ ہارنے کی ضرورت نہیں' ہمت سے کام لو۔ کوئی برا وقت سر پر آہی گیا ہے تو وہ کسی تدبیر سے ٹل سکے گا۔ ایسی حوصلہ شکن باتوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"ابھی انہوں نے چھیڑ چھاڑ کی ابتدا کی ہے۔ گوپال ہمیں کسی طرح دہلی سے نکال دے تو ہم امرتسر جاکر بنگو سے مدد لے سکتے ہیں۔ وہ آزمایا ہوا آدمی ہے۔ پوری حفاظت سے ہمیں سرحد پار پہنچادے گا۔"

"آرام سے بیٹھو اور پوری بات سنو" میں نے سختی سے اسے کرسی پر بٹھادیا اور اپنی بات جاری رکھی "وہ مجھے اپنی جوانی اور خوبصورتی کے جال میں پھانسنے کی کوشش کررہی تھی۔ دشمن کے ساتھ دنیا میں کہیں ایسا سلوک نہیں کیا

Downloaded from https://paksociety.com

جاتا۔ میرا خیال ہے کہ یہ کوئی اور چکر ہے۔"

"وہ را کے لیے کام کرتی ہے اور آپ کو انل بسواس سے ملوانا چاہتی ہے۔ کیا آپ کے لیے یہ دو وجوہ کافی نہیں ہیں؟"

"اس نے یہ بات بہت خوبصورتی سے کہی تھی" میں نے غزالہ کا خوف کم کرنے کے لیے رینا کی کہانی شروع سے چھیڑ دی۔

"خدا کرے کہ میرے خدشے بے بنیاد ہوں۔ کسی کو آپ پر کوئی شبہ نہ ہوا ہو مگر آپ اس بات کو کیوں بھول رہے ہیں کہ اب ہم ان کی نظروں میں آگئے ہیں۔ آپ ہر طرف سے اپنے رابطے کاٹ کر ہوٹل کے کمرے میں محصور ہوجائیں ورنہ جلد یا بہ دیر وہ اصلیت تک پہنچ جائیں گے۔"

"اس بارے میں سوچنا پڑے گا۔ اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک سوال تھا۔ ادھر اخباروں میں خطرناک پاکستانی دہشت گردوں کے آنے کی خبریں چھپیں اور ادھر رینا مجھ سے آنکرائی۔ ہوسکتا ہے کہ لڑکیوں کے ذریعے وہ مشتبہ پاکستانیوں کی جانچ پڑتال کررہے ہوں؟"

"ہونے کو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ سب سے سنگین حقیقت یہ ہے کہ آپ کے سر پر خطرہ منڈلا رہا ہے۔"

میں نے غزالہ کی وہ بات سنی ان سنی کردی۔ میرا ذہن اس کے پچھلے فقروں سے الجھا ہوا تھا۔ رینا سے ملاقات ہونے کے بعد مجھے ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا تھا۔ اگر وہ پہلے میری طرف متوجہ نہیں تھے تو اس واقعے کے بعد کسی بھی وقت ہوسکتے تھے۔ ہمیں خاص طور پر ویرا سے دور رہنے کی ضرورت تھی۔

ان خیالات میں غلطاں' میں فون کی طرف بڑھا۔ سائڈ ٹیبل کے پیچھے پڑے ہوئے تاروں پر نظر ڈالی تو سی ایس ڈی غائب تھی۔

میری مستفسرانہ نگاہوں کے سامنا کرنے سے پہلے غزالہ بولی "گوپال سے بات ہونے کے بعد میں نے سی ایس ڈی نکال دی۔ بیم گن بھی ایک دراز کے پیچھے چھپادی۔ ہر آہٹ پر مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ را والے کمرے کا دروازہ توڑ کر اندر گھس آئیں گے۔"

وہ وقفے وقفے سے اپنی جو کیفیات بیان کررہی تھی۔ ان سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ بدترین ذہنی دباؤ سے دوچار رہی تھی۔ شاید وہ میرے بارے میں کوئی منحوس اور بری خبر سننے تک کے اندیشے میں گھلتی رہی تھی۔

میرے ایما پر اس نے ڈریسنگ ٹیبل کی ایک دراز کے پیچھے سے سی ایس ڈی نکال دی۔ میں نے وہ حساس آلہ جوڑ کر آف رکھا۔ پرانی ترکیب کے مطابق میں نے ہوٹل مرینا کی آپریٹر سے ویرا کے کمرے کا نمبر مانگا اور ریسیور پر ویرا کی آواز سنتے ہی سی ایس ڈی آن کردی۔

"میرا دل کہہ رہا تھا کہ یہ تمہارا فون ہوگا" میری آواز سن کر ویرا نے جواب میں خوش دلی سے کہا۔

"تم کو کچھ بری عادتیں لاحق نہ ہوتیں تو تم کسی درجے پر فائز ہوسکتی تھیں۔ اب پورے دھیان سے سن لو کہ یہ شاید میرا آخری فون ثابت ہو" غیر ارادی طور پر میری آواز کچھ دھیمی ہوگئی تھی۔ احساس ہوجانے کے باوجود میں نے لہجہ تبدیل کیے بغیر اپنی بات جاری رکھی "حالات نے اچانک پلٹا کھایا ہے۔ میں کچھ لوگوں کی نگاہ میں آگیا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ میری نگرانی شروع ہوگئی ہو' اب مجھے محتاط رہنا ہوگا۔"

"میل جول سے تم پہلے ہی گریز کررہے ہو۔ سی ایس ڈی ہے تو فون کرنے میں کیا قباحت ہے؟"

"نگرانی کے ساتھ فون پر بھی نظر رکھی جاسکتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کی کوئی کوشش ناکام ہو اور وہ شبہ کرنے لگیں کہ ہم اپنے فون کے ساتھ کوئی خفیہ ڈیوائس استعمال کررہے ہیں۔"

"لیکن یہ اچانک کیسے ہوگیا؟" اس نے میری بات کاٹ کر سوال کیا۔

"لمبی کہانی ہے۔ ابھی یہ تعین نہیں ہوسکا کہ وہ مجھ پر شک کررہے ہیں یا مجھے گھیرنا چاہ رہے ہیں۔ صورت حال مخدوش ضرور ہے۔"

"دونوں ایک ہی باتیں ہیں۔ خربوزہ چھری پر گرے یا چھری خربوزے پر۔ انجام ایک ہی ہوتا ہے۔ تم نے دونوں باتوں کو الگ کیوں کردیا؟"

"کہہ رہا ہوں کہ یہ لمبی کہانی ہے۔ زندگی رہی اور ملاقات ہوئی تو تفصیل بھی بتادوں گا۔"

"شکریہ!" ویرا کی زہریلی آواز میرے کان کے پردے سے ٹکرائی "تم نے یہی بتانے کے لیے فون کیا تھا؟"

"اسی کے ساتھ ایک مشورہ بھی ہے۔ حالات قابو سے باہر ہونے سے پہلے یہاں سے لوٹ جاؤ ورنہ میرے ساتھ تم بھی عتاب میں آجاؤ گی۔"

"تم سمجھ لو کہ میں لوٹ چکی ہوں۔ میں اپنا اچھا برا سمجھتی ہوں۔ جو مناسب سمجھوں گی کروں گی۔"

"ضد مت کرو۔ اس وقت تم بھنور سے باہر کھڑی ہوئی ہو۔ ایک بار اس گرداب میں آگئیں تو ہوش اڑجائیں

Downloaded from https://paksociety.com

گے۔"

"اب تک دوسروں کے ہوش اڑاتی رہی ہوں' اس بار یہ تجربہ بھی سہی!"

"کل تک تم تنہائی سے گھبرائی ہوئی تھیں۔ ہم سے ہر قسم کا رابطہ ختم کرنے کے بعد تمہارا ذہنی سکون جاتا رہے گا۔ ایسی حالت میں تم سے ذرا بھی لغزش ہوئی تو اس کی کوئی معافی نہیں ملے گی۔ تم بھول رہی ہو کہ اس وقت تم کہاں ہو۔"

"فون پر اتنی طویل گفتگو مناسب نہیں ہے" ویرا کی آواز زہر آلود تھی "تم کو جو کہنا تھا' تم نے کہہ دیا۔ تمہارے خلوص کا شکریہ۔ تم کو یقین ہونا چاہیے کہ میں خود کشی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ اپنی صوابدید کے مطابق بہترین فیصلہ کروں گی اور اس پر عمل پیرا ہو جاؤں گی۔ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ اب مجھے واقعی سب سے الگ رہ کر کام کرنا ہے۔ تمہاری اجازت ہو تو اب میں فون بند کردوں؟"

"مجھے یقین ہے کہ تم جذبات کی رو میں آکر کوئی غلطی نہیں کروگی۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اس پر ٹھنڈے دل سے غور کروگی" میں نے بے بسی سے کہا۔

"جوان دل کبھی ٹھنڈے نہیں ہوتے۔ ان میں عزم اور ولولے کے الاؤ دہکتے رہتے ہیں' او کے۔ گڈ بائی!"

کلک کی آواز کے ساتھ لائن بے جان ہو گئی۔ میں نے خاموشی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

غزالہ نے میرے چہرے سے اندازہ لگالیا کہ ویرا سے گفتگو کی کیا نوعیت رہی ہوگی۔ اس نے بے ساختہ کہا "مجھے اندازہ تھا کہ وہ ہٹ دھرم ہے۔ آپ کی کسی معقول بات پر کان نہیں دھرے گی۔ اب اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا ہی مناسب ہوگا۔"

"اب یہی کرنا پڑے گا" میں نے پر تشویش لہجے میں کہا "اس پر سر کھپانا اب بے سود ہے۔"

کہنے کو میں نے وہ بات کہہ دی تھی مگر عملی طور پر ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ ویرا اپنے طور پر جو چاہتی' کرتی رہتی۔ ہم دونوں میں سے کوئی اس کی سلامتی کی طرف سے بے فکر نہیں ہو سکتا تھا۔

غزالہ کے لیے میری یک طرفہ گفتگو کافی تھی لیکن پھر بھی ہم کچھ دیر تک اسی موضوع پر متاسفانہ انداز میں باتیں کرتے رہے۔ مجھے قلق تھا کہ ویرا نے اپنی عادت کے عین مطابق میری باتوں پر بھروسا نہیں کیا تھا۔ اس کے ذہن میں شکوک و شبہات کے گیڑے رینگ رہے تھے۔

اپریٹس آن تھا۔ اس پر گوپال کی بھرائی ہوئی سی آواز ابھرتے ہی ہماری گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور میں غزالہ سے اپریٹس لے کر کھڑکی کے قریب پہنچ گیا تھا تاکہ عابد علی عرف گوپال کی آواز واضح طور پر سنائی دی جا سکے۔

گوپال جی ٹو تھا اور اس وقت مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کا پیغام مکمل ہوتے ہی میں نے اسے اپنی موجودگی کی اطلاع دے دی۔

"تمہاری آواز سن کر میرے ذہن پر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا" میرے جواب پر ایک گہرے سانس کے بعد گوپال کی آواز آئی "میں تمہاری طرف سے بہت فکر مند تھا۔ ہوٹل میں اس لڑکی کا تم سے ٹکرانا خالی از علت نہیں تھا۔ وہ را والوں کے لیے کام کرتی ہے' اوور۔"

"فکر مندی کے لیے میں تمہارا ممنون ہوں مگر میں نے سنیل کو واپسی کی ہدایت کی تھی۔ وہ دوبارہ ہوٹل کیوں آیا؟ اوور!" میں نے اپنے ذہن میں بچھو کے ڈنک کی طرح چبھنے والا وہ سوال اس سے کر ڈالا۔

"اس میں سنیل کی نہیں' میری غلطی تھی" گوپال نے فراخ دلی سے اعتراف کرلیا "اس نے مجھے تمہاری ہدایت کے بارے میں بتایا تھا۔ میں نے سمجھا کہ تم نے تکلف میں اسے گھر جانے کا حکم دیا ہے۔ میں نے اسے تاکید کی تھی کہ واپسی سے پہلے احتیاطاً ایک بار ہوٹل کا چکر لگالے اور دیکھ لو کہ اس نے ایک خطرناک لڑکی کو تمہارے ساتھ دیکھ لیا۔ وہ بہت چالاک اور دیدہ دلیر لڑکی ہے۔ وہ تم سے کیسے ٹکرا گئی؟ اوور!"

میں نے بات بڑھانے کا ارادہ ترک کردیا۔ ویرا سے ترشی پیدا ہو جانے کے بعد میں دوسرا محاذ کھولنے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے کہا "تم لڑکی کے بارے میں اتنا کچھ جانتے ہو لیکن اس کا نام لینے سے گریز کیوں کر رہے ہو؟"

میری بات مکمل ہو جانے پر وہ بولا "وہ ہر موقع پر ایک مختلف نام استعمال کرتی ہے۔ پتا نہیں تم سے کس نام سے ملی تھی۔"

"رینا اجیت رائے!" میں نے اس کا نام دہرایا "وہ ایک معزز گھرانے کی لڑکی ہے۔ میرے پاس اس کا وزیٹنگ کارڈ موجود ہے" میں نے دانستہ اسے یہ بات نہیں بتائی کہ مجھے خود رینا پر شبہ ہو چکا تھا۔ شاید یہ سنیل کی ہوٹل واپسی کا ردِ عمل تھا۔ وہ لوگ باخبر تھے تو میں دیکھنا چاہتا تھا کہ رینا کے بارے میں ان کے ذرائع کیا اطلاعات فراہم کر سکتے تھے۔ میں نے انل بساس کا نام بھی نہیں لیا۔

"مجھے اس کا پتا بتاؤ۔ میں چیک کر کے دس منٹ میں

Downloaded from https://paksociety.com

دوبارہ رابطہ کرتا ہوں۔ وہ کہاں سے معزز ہوگئی؟ سنیل بتا رہا تھا کہ وہ میرٹھ کے ایک معمولی گھرانے کی لڑکی ہے۔ دہلی میں قرب وجوار کے شہروں سے آئی ہوئی ایسی ہزاروں لڑکیاں گھومتی پھرتی ہیں۔"

میں نے رینا کے کارڈ پر چھپا ہوا۔ پتا دہرا دیا جو مجھے زبانی یاد ہو چکا تھا۔

"گریٹر کیلاش واقعی دہلی کا مہنگا ترین رہائشی علاقہ ہے" رینا کا پتا سن کر گوپال کے لہجے کا اعتماد کمزور پڑ گیا۔ وہ کہہ رہا تھا "اگر وہ وہیں رہتی ہے تو پھر اس کی پرواز بہت اونچی ہے۔ را والے مقاموں کو اتنے بھاری معاوضے نہیں دیتے کہ وہ گریٹر کیلاش میں رہ سکیں۔"

"اس کا باپ آسودہ حال ہے۔ مفلوج ماں گھر کی اوپری منزل پر پڑی رہتی ہے۔ نیچے باپ اپنی رنگین محفلیں سجاتا ہے۔ رینا سہیلیوں سے ملاقات کے بہانے اپنے مرد دوستوں سے میل جول برقرار رکھتی ہے۔ یہ اس کی مختصر اور پوری کہانی ہے" میں نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"ان تفصیلات نے مجھے شبے میں ڈال دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سنیل کو دھوکا ہوا ہو۔ پھر بھی میں چیک کرتا ہوں۔"

"میں تمہاری کال کا انتظار کروں گا' اوور اینڈ آل!" غیر ارادی طور پر میرے لہجے میں ہلکا سا طنز ابھر آیا۔ میں نے اپریٹس بند کر دیا۔

"آپ نے اسے انل بسوا اس کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اب کال کرے گا تو ضرور بتاؤں گا۔ پہلے ان لوگوں کو تھوڑا سا کام کر لینے دو۔ وہ مجھے اپنا بڑا تسلیم کر رہا ہے پھر بھی مربیانہ انداز اپنائے ہوئے ہے۔"

"ویرا سے گفتگو کے بعد شاید آپ کا موڈ خراب ہو چکا ہے ورنہ گوپال نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔"

"بے شک نہیں کی لیکن اس سے پہلے وہ سنیل کو دوبارہ ہوٹل کا چکر لگانے کی ہدایت دے کر اپنی بڑائی جھاڑ چکا تھا۔"

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی "اس وقت آپ واقعی چڑچڑے ہو رہے ہیں۔ ابھی تک اتنی سی بات کو لیے بیٹھے ہیں۔"

"تم ان باتوں میں نہ پڑو۔ اسے میں خود سنبھال لوں گا۔ اب مجھے فکر ہے کہ اول خان سے کیسے بات کی جائے۔ میں یہاں سے فون نہیں کر سکتا۔"

"کیوں؟" غزالہ چونک پڑی "اس سے بات کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"اب واقعات میں اچانک تیزی آسکتی ہے۔ ممکن ہے کہ پاکستان فون کرنا ناممکن ہو جائے۔ میں نئی صورت حال کے بارے میں اسے تازہ ترین بریفنگ دینا چاہتا ہوں تاکہ لوگ اندھیرے میں نہ رہیں۔"

"اس بارے میں گوپال ہی کوئی مناسب مشورہ دے سکے گا" غزالہ نے شریر لہجے میں کہا۔

میں نے سرد نظر سے اسے گھورا اور اس کے لبوں پر مچلتی ہوئی مسکراہٹ بے ساختہ قہقہے میں تبدیل ہو گئی۔ غزالہ خوشی ہوئی کہ وہ ذہنی دباؤ سے نکلنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

گوپال نے دس منٹ کا وقت لیا تھا لیکن اس سے پہلے اس کی کال آگئی۔ رابطہ ہوتے ہی وہ پرجوش آواز میں چہکا پڑا "سنیل کا شبہ درست تھا۔ وہ لڑکی تم سے جھوٹ بول رہی ہے۔ ترشول مارگ کے اس بنگلے میں کلاسیکل ڈانس اکیڈمی قائم ہے جہاں باہر سے آنے والی لڑکیوں کو سستے نرخ پر بورڈنگ کی سہولتیں بھی فراہم کی جاتی ہیں۔ وہاں رقص سکھانے کے نام پر لڑکیوں کو را کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ رینا بھی اسی کے کسی کمرے میں رہتی ہوگی۔ اپنے ماں باپ کے بارے میں اس کی کہانی بے بنیاد ہے۔ کل تک یہ معلومات کرنے کی کوشش بھی کی جائے گی کہ اکیڈمی یا اس کے بورڈنگ ہاؤس میں وہ کس نام سے رہ رہی ہے۔"

"وہ چھپا ہوا کارڈ ہے۔ نام درست ہی ہوگا۔" میں نے اپنی رائے ظاہر کی "اس نے گریٹر کیلاش کے مرعوب کن پتے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی فرضی امارت کی کہانی سنائی ہے۔ اگر وہ معزز اور خوش حال گھرانے سے ہوتی تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ مجھے اس پر شبہ ہو چکا تھا۔"

"تمہیں لازماً شک ہونا چاہیے تھا۔ ایک اجنبی لڑکی تمہارے قریب کیوں آئی تھی۔"

"ابتدائی نکتہ یہی تھا۔ بعد میں اس نے مجھے انل بسوا اس کے لیے کام کرنے کی پیش کش بھی کی تھی۔ وہ اسے اپنا انکل کہہ رہی تھی۔"

گوپال میری زبان سے وہ انکشاف سن کر اچھل پڑا ہوگا۔ اس کی تحیر زدہ آواز ابھری "یہ بات تم مجھے اتنی دیر سے بتا رہے ہو۔"

"تمہیں ذہنی طور پر تیار کر رہا تھا۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ گڑبڑ ہو چکی ہے۔ انہوں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔" اس کی حیرت فوراً ہی تشویش میں بدل گئی۔

Downloaded from https://paksociety.com

"ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ میرے بارے میں وہ اس قدر ہیجان میں مبتلا ہیں کہ پہچان لیتے تو لمبے چوڑے لاؤ لشکر کے ساتھ فوراً ہوٹل کا محاصرہ کرکے مجھے پکڑ لیتے۔ میری دل جوئی کے لیے رینا جیسی لڑکی کو نہ بھیجتے۔"

"پھر وہ تمہارے پاس کیوں آئی تھی؟" ہر ذہن میں پہلا سوال وہی ابھرتا تھا۔ وہ لاکھوں روپے کا سوال تھا جس کا جواب مجھے بھی نہیں معلوم تھا۔

"دوسرے بڑے شہروں کی طرح دہلی بھی ایسی نوجوان لڑکیوں کی آماج گاہ ہے جہاں دور دراز کے علاقوں تک سے نوجوان لڑکیاں روزگار کی تلاش میں آتی ہیں۔ کچھ اپنا ہدف حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہیں بیشتر کہیں بھٹکتی رہتی ہیں۔ را والے ان میں اپنے مطلب کی لڑکیوں کو تاڑ لیتے ہیں۔ وہ لڑکیوں کے ذریعے کام نکالنے کے معاملے میں دنیا بھر کی ایجنسیوں سے آگے ہیں۔ انہوں نے کچے ذہن کی لڑکیوں کو اپنے سانچے میں ڈھالنے کے لیے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی جیسے کئی نام نہاد ادارے قائم کیے ہوئے ہیں۔" میری طرف سے لاعلمی کے اظہار کے بعد وہ را والوں کے طریقہ کار کے بارے میں مجھے سمجھانے لگا "ان کی یہ حکمت عملی اکثر کامیاب رہتی ہے۔"

"یہ دوسری جنگ عظیم کا کامیاب ترین سبق ہے جو مغرب سے بھارت والوں نے سیکھا ہے۔" میں نے کہا "گھر بار اور مہذب معاشروں سے دور، بھیانک جنگی ماحول میں شب و روز بارودی دھماکوں میں گزارنے والے فوجی صنف نازک کے دیدار کو ترسے ہوئے ہوتے ہیں۔ انہیں تازہ دم ہونے کے لیے محاذ سے صرف تین دن کے لیے پیچھے بلا کر تازہ دم دستے آگے بھیجے جاتے تھے۔ ان دو تین چھٹیوں کو وہ اپنی زندگی کی آخری مہلت سمجھ کر بے صبری سے گزارتے تھے۔ ان کے لیے عورت صرف عورت ہوتی تھی۔ انہیں اس کی قوم مذہب، زبان اور وفاداریوں سے کوئی غرض نہیں ہوتی تھی۔ عورت کی نرم و حیات آفریں آغوش میں پہنچ کر دونوں حریفوں کے فوجی بہک جاتے تھے اور اپنی فوج کی پوزیشنوں سے لے کر دوسرے اہم راز تک آسانی سے اگل دیتے تھے۔ زمانہ جنگ کا وہ سبق آج امن اور سرد جنگ کے دنوں میں بھی کہیں کہیں دہرایا جارہا ہے۔"

"تم بالکل درست کہہ رہے ہو۔ تمہارا مشاہدہ اور معلومات کا دائرہ ہم لوگوں سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ کاش ہم تمہارے اس تجربے سے بھرپور فیض اٹھا سکیں۔"

اس کے بے ساختہ جواب سے میرے دل میں ٹھنڈک سی پڑ گئی۔ سنیل والے واقعے پر میرے دل میں جو کدورت پیدا ہوگئی تھی، وہ دھل گئی۔ میری انا کا ہلکا سا زخم اس کے چند نرم فقروں سے یکایک بھر گیا اور میں ان تینوں کے لیے ایک بار پھر اپنے دل میں محبت اور اپنائیت محسوس کرنے لگا۔

"تم رینا کے بارے میں اتنا کچھ جانتے ہو تو اسے نظر انداز کیوں کیا ہوا ہے؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"ہم اپنی آنکھیں کھلی رکھتے ہیں اور گردوپیش سے پوری طرح باخبر رہنے کی کوشش کرتے ہیں مگر غیر ضروری جھمیلوں میں نہیں الجھتے۔ ہم اپنی ساری توجہ اپنے اہداف پر مرکوز رکھتے ہیں۔ ان کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرتے ہیں۔ اس سے آگے ہمیں کسی چھیڑ چھاڑ کی اجازت نہیں ہے۔ یہ ہمارا ڈسپلن ہے جسے تم ہماری مجبوری بھی کہہ سکتے ہو۔"

"اب وہ مجھ سے قریب ہونے کی کوشش کررہی ہے۔ ایک اہم شخص کا نام بھی لے چکی ہے۔ اسے تمہارے دائرہ کار میں آجانا چاہیے۔"

"اس وقت وہ میری اولین ترجیح بن چکی ہے۔" گوپال نے بلا توقف جواب دیا "ایسا نہ ہوتا تو میں مضطرب کیوں ہوتا!"

"ترجیحات بدلنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ جو کچھ آسانی سے معلوم ہوجائے، وہ مجھے بتادینا۔ وہ بدمعاش لڑکی ہے، میں دیکھوں گا کہ وہ میرے ساتھ کیا کھیل کھیلنا چاہ رہی ہے۔ شاید وہی دہلی میں میری کامیابی کا زینہ بن جائے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اس کے ساتھ مل کر انل بسواس تک جانے کا فیصلہ کرچکے ہو؟" گوپال کی آواز سے حیرت جھلک رہی تھی۔

"مجھے اس تک پہنچنا ہے۔ میں اسی کے فراق میں ہوں۔ یہ اچھی بات ہے کہ رینا میرا یہ کام آسان کرنے کے موڈ میں ہے۔ میں اس موقع سے ضرور فائدہ اٹھاؤں گا۔ اور کچھ نہیں تو مجھے اس شخص کو قریب سے دیکھنے اور کسی حد تک سمجھنے کا موقع مل سکے گا۔"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہم وہی کریں گے جو تم چاہو گے۔" اس کی آواز میں سنجیدگی اور فکرمندی اتر آئی۔

"فی الحال تم تینوں مجھ سے دور رہو۔ میرا پیچھا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کسی وجہ سے ان کی نظروں میں آگیا ہوں تو اس کے اسباب واضح ہونے تک کسی کو میرے قریب آنے کی ضرورت نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے

Downloaded from https://paksociety.com

کسی اور کی گردن کٹ جائے.... اس وقت میرا صرف ایک مسئلہ ہے۔ میں پاکستان بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ گفتگو ٹرانسمٹر پر ہو رہی تھی اس لیے ہم دونوں بے فکری سے کھل کر بات کر رہے تھے۔ میں نے اتنی احتیاط ضرور برتی تھی کہ انل بسواس کا نام کم سے کم استعمال کیا تھا۔ ہمارے اپریٹس کی ریڈیو کوئنسی کے بارے میں گوپال مجھے بتا چکا تھا کہ وہ بڑی حد تک محفوظ تھی۔

"تم اپنے کمرے سے براہِ راست دنیا بھر کا کوئی بھی نمبر ملا سکتے ہو۔ سی ایس ڈی کے ہوتے ہوئے تمہیں کیا فکر ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"میری بات ہو جائے گی مگر ہوٹل کے بل میں میرا ملایا ہوا نمبر ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے گا۔ میرے ساتھ کوئی گڑبڑ ہو گئی تو وہ نمبر دشمنوں کے ہاتھ لگ جائے گا۔ میں ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ سنیل نے سرلا کے گھر سے مجھے ایک فون کرنے کا موقع دیا تھا۔"

"اب ادھر کا رخ کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ بدمعاش لڑکی کے سامنے آنے کے بعد حالات اچانک بدل گئے ہیں۔" چند ثانیوں کے لیے لائن پر سکوت چھا گیا۔ اس کی بات ادھوری تھی۔ شاید وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر اچانک اس نے پوچھا "پاکستان سے آنے والی کال کی کیا پوزیشن ہوگی۔"

"رابطہ ہونے پر میں اسے بھی سی ایس ڈی پر ڈال سکتا ہوں۔" گوپال کے سوال پر میں اس کی ذہانت کا قائل ہو گیا۔

"پھر مجھے نمبر دے دو۔ میں پیغام دے دیتا ہوں۔ تمہارا آدمی پاکستان سے تمہارے ہوٹل فون کرلے گا۔ اس کا نمبر کہیں ریکارڈ نہیں ہوگا۔"

میں نے اپنی رسٹ واچ پر ایک نظر ڈالی اور اسے اول خان کا نام اور گھر کا فون نمبر دے دیا۔

میرا خیال تھا کہ اول خان کا نام اس کے لیے اجنبی نہیں ہوگا لیکن گوپال نے کوئی ردِعمل ظاہر کیے بغیر کہا "میں ابھی پیغام دے دیتا ہوں۔ تم کال وصول کرنے کے لیے تیار رہنا۔ تمہارا مطلوبہ آدمی دستیاب نہ ہو سکا تو میں اپریٹس پر تمہیں بتا دوں گا۔"

"شکریہ! سنیل کو بتا دینا کہ میری اگلی ہدایت تک اسے گاڑی لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اوور اینڈ آل۔"

"ان پے در پے مصروفیات کا یہ فائدہ ہوا کہ رینا کے ساتھ اس کے کمرے میں گزارے ہوئے رنگین و سنگین لمحات میرے ذہن سے محو ہو گئے۔ جب تک وہ خیال ذہن پر طاری تھا، میں غزالہ کے سامنے اپنے دل میں ایک مجرمانہ خلش محسوس کر رہا تھا لیکن غزالہ اور گوپال سے گفتگو کے بعد میرا ذہن ہلکا ہو چکا تھا۔

رینا اجیت رائے نہایت پُرفریب اور مکار لڑکی تھی۔ اس نے اپنی کہانی اتنے اعتماد اور روانی سے سنائی تھی کہ مجھے ایک لمحے کے لیے بھی اس پر جھوٹ کا شبہ نہیں ہوا تھا۔ اپنے لباس اور رکھ رکھاؤ سے بھی وہ اس طبقے سے بہت بلند نظر آ رہی تھی جس سے اس کا حقیقی تعلق تھا۔

اگر وہ واقعی میرٹھ کے کسی معمولی گھرانے سے نکل کر فکرِ معاش میں دہلی آئی تھی تو اخلاقی پستی اور کردار کی تباہی سے قطع نظر، اس کی پیشہ ورانہ مالی کامیابی غیر معمولی تھی ملر پھر بھی یہ ممکن نہیں تھا کہ انل بسواس اس کا انکل ہوتا۔ دونوں کے طبقاتی فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ رشتہ ناقابلِ یقین تھا۔ شاید را کے لیے کام کرنے والی اخلاق باختہ لڑکیاں اپنے شکاروں کو منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لیے اعلیٰ افسروں کو اپنا ماموں یا چچا ظاہر کرتی تھیں۔

رینا اور انل بسواس میں کوئی رشتے داری نہیں تھی تو صرف دو امکانات باقی رہ جاتے تھے۔ انل بسواس کی نظروں میں میری کوئی غیر معمولی اہمیت ہوتی تو میرے اور اس کے درمیان فوری ملاقات متوقع تھی۔ اس اہمیت میں ذرا بھی کمی ہوتی تو رینا اپنے خود ساختہ انکل سے ملاقات کے لیے قریبی وقت لینے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ انل بسواس را کا ایک بڑا اور اہم افسر تھا۔ اپنی مصروفیات میں سے وقت نکالنا اس کے لیے مسئلہ ہو سکتا تھا۔

انل بسواس ہماری بساط کا سب سے اہم مہرہ تھا جس کا جلد از جلد پٹنا ضروری ہو گیا تھا۔ ہم بھارت پہنچے تو ہمارے ذہنوں میں صرف اسی کا نام تھا لیکن دہلی میں کچھ وقت گزار لینے کے بعد ہماری فہرست میں مزید کچھ ناموں اور کاموں کا اضافہ ہو چکا تھا۔

ترجیحات کے اعتبار سے انل بسواس کے بعد اس کے خصوصی ماتحت نریش شرما کا نام آتا تھا جو دہشت گردی اور اس کی منصوبہ بندی میں خاصی مہارت رکھتا تھا۔ دہلی میں کام کرنے والے آئی بی کے ایجنٹوں کی معلومات کے مطابق وہ ان دنوں گرین کوبرا فائل پر کام کر رہا تھا۔ نریش شرما کو کیفر کردار تک پہنچانے کے ساتھ وہ اصل فائل یا اس کی نقل حاصل کرنی ضروری تھی۔

جان اسمتھ کا نام اس کے بعد آتا تھا۔ جنوب مشرقی ایشیا میں وہ سی آئی اے کے آپریشنز کا چیف تھا۔ وہ کراچی میں ویرا کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر دہلی آیا تھا اور چانکیہ

Downloaded from https://paksociety.com

ری نامی سفارتی علاقے میں ہوٹل سمراٹ میں مقیم تھا۔ سے ٹھکانے لگانا ویرا کا دیرینہ خواب تھا لیکن وہ تھوڑی دیر لے مجھ سے ناراض ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ مل کر کوئی بھی م کرنا ہم تینوں کے لیے مخدوش ہو سکتا تھا۔ رابطے ختم گئے تھے۔ ویرا بوکھلائی ہوئی تھی۔ میں اسے پاکستان واپسی ناقابل قبول مشورہ دے چکا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ جان سمتھ کو بھی ہمیں ہی دیکھنا تھا۔

میں ان خیالات میں ڈوبا رہا۔ اس دوران میں غزالہ سے تبادلہ خیال بھی ہوتا رہا۔ پھر فون کی گھنٹی نے ہمیں نکادیا۔

سی ایس ڈی آف تھی۔ میں نے رسیور اٹھایا تو ہوٹل کی پریٹر نے مجھے بتایا کہ میرے یعنی مظہر خان کے لیے بیرون ب سے کوئی فون کال تھی۔

اول خان کی آواز سنتے ہی میں نے سی ایس ڈی آن ردی۔ وہ اس آلے کے استعمال کا ایک سادہ طریقہ تھا۔ جو ے دہلی پہنچنے کے بعد سوجھا تھا۔ سی ایس ڈی کی دو طرفہ ادیت سے فیض یاب ہوتے ہوئے مجھے خوشی ہو رہی تھی۔ واقعی ایک بے مثال آلہ تھا اور اگر بدری ناتھ اسے اپنی ان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا تو وہ ایسا کرنے میں حق بہ جانب ا۔

"یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اب میں بھی تمہیں فون ر سکتا ہوں۔" اول خان نے مبہم الفاظ میں کہا "شاید تم نے ئی بندوبست کر لیا ہے۔"

"ہاں' ڈیوائس آن ہے۔" میں نے اسے اطلاع دی مشکل یہ ہے کہ اب شاید میں کئی دنوں تک تم سے رابطہ نہ ر سکوں۔ تم پرسوں شام سات بجے فون کر لینا تاکہ میں ہیں تازہ ترین حالات سے باخبر کر سکوں۔"

"یہ الٹی گنگا کیوں بہہ رہی ہے؟" اول خان کی آواز رت زدہ سی تھی "پہلے ہمارے فون کرنے پر پابندی تھی۔ ب تم اپنی مجبوری ظاہر کر رہے ہو۔"

"حالات میں کچھ تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ یہ اسی کی پیدا ی ہوئی مجبوری ہے۔"

"ڈیوائس آن ہے تو آپریٹر سے کال تم تک کیسے منتقل د گئی؟ لائن ڈراپ ہو جانی چاہیے تھی۔" اول خان کو وہ نکتہ د آگیا۔

"بہت سیدھی سی بات ہے جس کی طرف پہلے دھیان میں گیا تھا۔" یہ کہہ کر میں نے اسے سوئچ کے استعمال کے رے میں بتا دیا۔

"اس سے پہلے کہ میں باتوں میں الجھ کر بھول جاؤں' تم کو ایک ضروری مسئلے سے آگاہ ہو جانا چاہیے۔" اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے یکایک کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی تھی جو اس کے نزدیک بہت اہم تھی۔

"تم کہہ ڈالو۔ میں اپنی بات بعد میں کروں گا۔" میں نے روا روی میں جواب دیا۔

"مجھے اطلاع ذرا دیر سے ملی ہے لیکن غنیمت ہے کہ مل گئی۔ کل ایک مشتبہ آدمی تمہارے بارے میں پوچھ گچھ کرتا پھر رہا تھا۔"

"وہ کون تھا اور کیا پوچھ گچھ کر رہا تھا؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تمہاری رہائش کے بارے میں تصدیق کر رہا ہو۔ یہ کوئی چکر معلوم ہوتا ہے۔"

"ہم لوگ یہاں چلے آئے۔ جہانگیر کی آمد و رفت سے بچنے کے لیے سلطان شاہ تمہارے پاس آگیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ گھر پر تالا لگنے کی وجہ سے کسی پڑوسی وغیرہ کو تشویش ہوئی ہو۔ تم اس معمولی سی بات کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہو؟"

"یہ گلشن والے گھر کی بات نہیں ہے۔ وہ مقفل ضرور ہے مگر ایک چوکیدار وہاں رہ رہا ہے۔ کوئی ادھر کا رخ کرتا تو چوکیدار اس کی گردن ناپ لیتا۔ یہ واقعہ اس پتے پر پیش آیا ہے جو مظہر خان کے کاغذات وغیرہ پر درج ہے۔"

میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے دانستہ پاسپورٹ کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا لیکن بات واضح ہو چکی تھی۔ ساری اہمیت اسی بات کی تھی کہ میرے فرضی نام اور پتے کی تصدیق کی گئی تھی۔

پاکستان میں ہمارے سفری کاغذات اول خان اور جلال کے سوا کسی کے ہاتھوں میں نہیں گئے تھے۔ ان دونوں کو یا ان کے کسی آدمی کو میرے بارے میں کسی تصدیق کی ضرورت نہیں تھی۔ البتہ امرتسر اور دہلی کے ہوٹلوں میں اندراجات کے لیے پاسپورٹ دکھانے پڑے تھے۔ امرتسر میں کوئی غیر معمولی بات پیش نہیں آئی تھی۔ وہاں سے کوئی شوشا نکلنے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔

دہلی کی صورتِ حال مختلف رہی تھی۔ وہاں ہوٹل والوں نے کسی شبے کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن بھارت میں پاکستانی دہشت گردوں کے گھس آنے کی خبریں افواہ پھیلنے کے بعد ہوٹلوں میں مقیم پاکستانیوں کی پولیس چیکنگ ہوئی تھی۔ اس چیکنگ کے دوران میں مجھ سے کوئی ٹیڑھی بات نہیں کی

Downloaded from https://paksociety.com

کئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میں اس چیکنگ سے صاف بچ نکلا تھا لیکن اول خان کی دی ہوئی اطلاع کوئی اور کہانی سنا رہی تھی۔ شاید پڑتال کرنے والے پولیس افسران نے میرے کوائف نوٹ کرلیے تھے۔ ان ہی کی بنا پر کراچی میں کوائف کی تصدیق کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔

"ہم تینوں کے اندراجات حقیقی ہیں؟" میں نے فون پر سوال کیا۔

"اتنے حقیقی ہیں کہ ہر وقت ان کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ یہ نکتہ شروع سے میرے پیش نظر رہا تھا۔"

"پھر تو این کاویل اور غزالہ کے پتوں پر بھی کوئی نہ کوئی پہنچا ہوگا۔" میں نے شبہ ظاہر کیا۔

"نہیں، وہاں سے ایسی کوئی رپورٹ نہیں ملی۔ یہ صرف تمہارا مسئلہ تھا۔"

میری ذہنی رو فوری طور پر رینا کی طرف مبذول ہوگئی۔ پچھلے روز صبح سویرے پولیس والوں نے ہوٹل کے دفتر میں پاکستانیوں کے پاسپورٹوں وغیرہ کی دیکھ بھال کی۔ شاید اسی شام کراچی میں کسی نے میرے دیے ہوئے پتے کی تصدیق کی اور پھر اگلے روز رینا مجھ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔

واقعات کی کڑیاں آپس میں ملتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ پولیس والوں کے ذریعے میرے کوائف را والوں تک پہنچے تھے۔ وہ فیکس کی سہولتوں کا زمانہ تھا۔ دہلی میں را کے ہیڈ کوارٹرز سے لمحہ بھر میں وہ تفصیلات پوری رازداری کے ساتھ کراچی کے بھارتی قونصل خانے یا وہاں مقیم کسی ایجنٹ کو پہنچائے جاسکتے تھے۔ کراچی والوں نے میرے نام اور رہائشی پتے کی تصدیق کردی اور فوری طور پر رینا کو میری طرف بھیجنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ کیوں؟ یہی وہ گمشدہ کڑی تھی جہاں آکر بات ٹھپ ہوجاتی تھی۔

رینا کی کہانی کی پرتیں بہت تیزی کے ساتھ اترتی جارہی تھیں۔ اس کی ثروت و امارت کی قلعی گوپال نے کھولی تھی۔ باقی کسر اول خان نے پوری کردی تھی۔

"اب تم میری بات پوری طرح سمجھ سکو گے۔ مجھے شبہ ہے کہ یہاں کوئی میرے پیچھے لگ گیا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اپنے رابطے عارضی طور پر معطل کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ فضا صاف ہوتے ہی تمہیں خبر کردوں گا۔" میں نے اول خان سے کہا۔ میں نے تفصیل سے دانستہ گریز کیا تھا۔

"یہ بری خبر ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھنا کہ تمہاری زندگی اور سلامتی ہر کام پر فوقیت رکھتی ہے۔"

میں بے اختیار دھیرے سے ہنس دیا "تم فکر نہ ا
زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے۔ وقت پورا ہ
سے پہلے کوئی کسی کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ ہم اس و
سے بے خبر ہوتے ہیں اس لیے احتیاط اور اندیشوں کا
ہوتے رہتے ہیں۔ تم مطمئن رہو، بس پرسوں فون ضر
کرلینا۔"

"اس بارے میں مزید کوئی تفصیل نہیں بتاؤ گے؟"
خان نے پُرامید لہجے میں سوال کیا۔

میں تکرار سے اکتاہٹ محسوس کررہا تھا اور پھر ا
بلاوجہ وسوسوں میں مبتلا کرنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے با
وہیں ختم کرنے کے ارادے سے کہا "ابھی مجھے خود کچھ اند
نہیں ہے۔ پرسوں تک کچھ نہ کچھ سامنے آجائے گا تو تمہ
بتادوں گا۔"

"اس وقت میں گھر پر ہوں۔ سلطان شاہ اسٹیشن پر ر
ہے ورنہ میں اس سے تمہاری بات ضرور کراتا۔ وہ ہر وق
تم تینوں کو یاد کرتا رہتا ہے۔"

"میری، بلکہ سب کی طرف سے اسے دعا سلام ک
دینا۔" میں نے جواب دیا۔

اول خان نے ایک بار پھر اپنی نیک تمناؤں کا اظہ
کرنے کے بعد فون بند کردیا۔

○☆○

مجھ سے گفتگو کرنے کے بعد ویرا کا دماغ سنک گیا۔ می
نے پورے خلوص سے اسے ہر بات بتانے اور سمجھانے ک
کوشش کی تھی لیکن اس کے اڑیل دماغ میں بس ایک بات
بیٹھی ہوئی تھی کہ میں پاکستان ہی سے اسے اپنے ساتھ لا
کا مخالف تھا اور بھارتی سرزمین پر پہنچ جانے کے بعد اسے
واپس بھیجنے کے بہانے تلاش کرنے میں مصروف تھا۔ ویرا نے
تہیہ کرلیا کہ بھارت میں اپنی اہمیت منوانے کے لیے وہ اپنے
طور پر کچھ نہ کچھ کر گزرے گی۔

ہمارا اور اس کا رابطہ رہا تھا لیکن اسے آئی بی والوں
کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا کہ ان سے کہاں اور کیسے
رابطہ ہوسکے گا۔ اسی طرح انل بسواس اس کے لیے صرف
ایک نام تھا جس تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔ رینا کا نام سنے
سے اس کو نہیں معلوم تھا۔ صرف یہ پتا تھا کہ کچھ خرافات
سر اٹھا چکے تھے۔

اس شام اس نے غصے کے عالم میں اپنا کمرا مقفل کیا اور
مرینا ہوٹل کے بار میں جا بیٹھی۔

وہ ہمیشہ کی طرح بلانوش اور بے تکلف تھی۔ اس شام

Downloaded from https://paksociety.com

اس نے دل کھول کر مے نوشی کی تاکہ غصے کی جھونک سے نکل سکے۔ ایک جوان اور خوب رو سفید فام لڑکی کو اتنی بے تکلفی سے مے نوشی کرتے دیکھ کر مردوں کا متوجہ ہونا فطری امر تھا۔ کئی مقامیوں نے اس کے ساتھ مل بیٹھنے کی کوشش کی لیکن ویرا نے انہیں جمنے نہیں دیا۔ وہ منہ پھٹ تھی۔ اس نے جھڑک کر انہیں اپنی میز سے بھگا دیا۔

بار کی رنگین فضا میں اپنا اکیلا پن اسے بھی کھل رہا تھا۔ کوئی معقول ساتھی مل جاتا تو نہ صرف اس کے دل کی بھڑاس نکلتی رہتی بلکہ وہ بن بلائے مہمانوں کی آمد و رفت سے بھی بچی رہتی۔ ساتھی کے انتخاب کے سلسلے میں یہ بات اس کے ذہن میں بیٹھی ہوئی تھی کہ کہیں وہ کسی مشتبہ آدمی کے جال میں نہ پھنس جائے۔ ایسا جال کوئی مقامی ہی ڈال سکتا تھا اس لیے وہ ان کی طرف سے بھڑکی ہوئی تھی۔

اسی دوران میں دور بیٹھے ہوئے ایک اطالوی نوجوان نے میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا تو ویرا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ دہلی جیسے شہر میں وہ شائستہ غیر ملکی کسی بکھیڑے میں ملوث نہیں ہو سکتا تھا۔ ویرا نے جوابی مسکراہٹ سے اس کی حوصلہ افزائی کی اور وہ اپنا پیگ سنبھالے ویرا کی میز پر آگیا۔

وہ میلان یونیورسٹی کا ایک طالب علم تھا۔ تاریخ اور قدیم تہذیبوں کے حوالے سے اسے مشرق سے دلچسپی تھی۔ وہ اپنی چھٹیاں بھارت، نیپال اور برما میں گزارنے کے ارادے سے اکیلا سیاحت پر نکلا ہوا تھا۔ صنف مخالف اس کی بنیادی ضرورت تھی۔ ویرا نے اسے اپنی قومیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

"تم تہذیب کی تلاش میں یہاں آئے ہو۔ مجھے تو اس شہر میں بدتہذیبی کے سوا کچھ نظر نہیں آیا" تعارف اور رسمی کلمات کے تبادلے کے بعد ویرا نے برا سا منہ بنا کر اس سے کہا۔ "میں تمہیں کافی دیر سے بار کے کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا دیکھ رہی تھی۔ تم نے کئی بار میرا جائزہ لیا لیکن زبردستی متعارف ہونے کی کوشش نہیں کی" وہ روانی سے اطالوی زبان بول رہی تھی۔

وہ بے اختیار ہنس پڑا "اوہ! تو تم کن انکھیوں سے یہ سب دیکھ رہی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ تم گردوپیش سے بے خبر ہو" وہ عام اطالوی مردوں کی طرح عورتوں کا خوشامدی اور شیخی خورہ نہیں تھا۔ اس نے جو کچھ کہا، بہت شائستگی سے کہا تھا۔ اسے خوشی ہوئی تھی کہ ویرا اس کی مادری زبان جانتی تھی۔

"مگر اس دوران میں کئی مقامی زبردستی میرے سر پر مسلط ہونے کی کوشش کر چکے ہیں۔ یہ اتنے ڈھیٹ ہیں کہ طنز کو بھی ہنس کر پی جاتے ہیں۔ مجھے دو ٹوک الفاظ میں انہیں اپنی میز سے فوراً اٹھ جانے کے لیے کہنا پڑا۔ زیادہ دن یہاں رکے تو تم بھی ان کے رنگ میں رنگ جاؤ گے۔"

"میں زیادہ دن نہیں رکوں گا۔ مجھے دوسرے شہروں اور ملکوں کی سیاحت بھی کرنی ہے۔ بس یہاں کسی کام میں اتنی اجرت مل جائے کہ آگے کا خرچ پورا ہو سکے تو میں آگے چل دوں گا۔ شہروں میں کام ملتا ہے۔ اصل زندگی دیہات اور قصبوں میں دیکھنے کو ملتی ہے جہاں پرانی روایات آج بھی زندہ ہیں۔"

ویرا کو رابرٹو نامی اس نوجوان میں زیادہ دلچسپی محسوس ہونے لگی۔ اس نے پوچھا "تم اجرت پر کس قسم کے کام کرتے ہو؟"

"کوئی بھی....." اس نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد جواب دیا "یا جو کام مل جائے۔ میلان میں بھی میں اسی طرح اپنے سارے اخراجات پورے کرتا ہوں۔ دراصل ضرورت مند کو کام میں انتخاب کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ یہ کام دینے والے کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے۔"

رابرٹو کا گلاس خالی ہونے والا تھا۔ ویرا نے قریب سے گزرتے ہوئے ویٹر کو روک کر مزید اسکاچ کا آرڈر دیا کیونکہ وہ میز پر رکھا ہوا کوارٹر خالی کر چکی تھی۔ ویرا اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے، کہنیوں کے سہارے میز پر آگے جھک گئی "تم نے کبھی کوئی جرم بھی کیا ہے؟" اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

"چھوٹے موٹے جرائم ہر ایک سے سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ میرا دامن بھی ان سے صاف نہیں ہے" البرٹو نے جواب دیا۔

"ایک چھوٹے سے جرم کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ویرا دھیرے دھیرے پیش قدمی کر رہی تھی۔ البرٹو کی آنکھوں میں دلچسپی کی جھلک دیکھتے ہی اس نے اضافہ کیا "تم کو اس کے لیے معقول معاوضہ مل سکتا ہے۔"

"ایک ایڈونچر سمجھ کر اسے قبول کیا جا سکتا ہے۔ ہزار پانچ سو امریکی ڈالر کی رقم زیادہ نہیں ہوتی لیکن مقامی کرنسی میں یہ ہزاروں روپے کون دے گا؟"

"تم اطالوی ہو۔ ایسی بات نہ کرو۔ یہی رقم تمہاری کرنسی میں تبدیل کی جائے تو لاکھوں لیرا تک پہنچ جائے گی۔"

وہ پھر ہنس پڑا "یہ میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ یہ ملک

Downloaded from https://paksociety.com

بہت سستے ہیں۔ میری ضرورت بہت محدود سی ہے۔ یہ ایڈونچر کس قسم کا ہوگا؟"

"بس ایک مذاق ہے۔ میں ایک پولیس افسر کو حیران کردینا چاہتی ہوں۔"

"اوہ' این! تمہیں اتنا گھما پھرا کر بات کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ سیدھی طرح کہو کہ کسی ہلکے سے مجرمانہ مذاق میں مجھے تمہارا ساتھ دینا ہے" وہ اپنا داہنا ہاتھ جھٹک کر بے فکری سے بولا "اس کی اجرت میں تو بس تمہاری رفاقت ہی کافی ہوگی۔ سچ پوچھو تو میرے لیے تم سے ہونے والی ملاقات ہی ایڈونچر ہے۔ تم کھلے ذہن کی امریکی لڑکی معلوم ہوتی ہو مجھے کھلے دل کے راستہ گو لوگ بہت پسند ہیں" رابرٹو نے پولیس افسر کے ذکر کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

ویرا نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ وہ پاکستانی پاسپورٹ پر بھارت آئی تھی۔ اس کے ذہن میں لاوا پک رہا تھا۔ وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے بہت بے رحمی سے رابرٹو کو اپنا آلہ کار بنانے کی کوشش کررہی تھی اور اسے اپنی کوشش میں کامیابی حاصل ہوتی نظر آرہی تھی۔

"میں اسی ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہوں۔ تم کس کمرے میں مقیم ہو؟" ویرا نے اس سے پوچھا۔

"میں یہاں کسی گاہک یا اسامی کی تلاش میں آیا تھا جس سے مجھے کام مل سکے" اس نے ندامت سے کہا "یہ میری قسمت ہے کہ تم سے ملاقات ہوگئی۔ میں یہاں ایک پیگ سے زیادہ نہیں خرید سکتا۔ تم میری حوصلہ افزائی نہ کرتیں تو اسی پیگ سے ہونٹ تر کرتے کرتے میں دو تین گھنٹے یہاں گزار لیتا۔ میرا تجربہ ہے کہ بڑے ہوٹلوں میں ایسے فراخ دل لوگ مل جاتے ہیں جو کسی معمولی کام کے لیے زیادہ اجرت دینے میں کنجوسی نہیں کرتے۔ میں تھوڑی دور ایک سستے ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔"

ویرا کے ذہن میں خیال آیا کہ رابرٹو سے پوچھے کہ وہ کس قسم کا کام ملنے کی توقع کررہا تھا۔ وہاں سب شرابی تھے جو تفریح اور بے نوشی کے ذریعے اپنی شام کو رنگین بنانے کے لیے آئے ہوئے تھے لیکن اس نے اپنا ارادہ ملتوی کردیا۔ اسے رابرٹو اپنی راہ پر آتا نظر آرہا تھا۔ وہ زیادہ کرید کر اسے بدکانا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر دل فریب مسکراہٹ کے ساتھ کہا "تو پھر میں سمجھ لوں کہ تم میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہو۔"

"دل وجان سے!" اس نے بایاں ہاتھ سینے پر رکھ کر فدویانہ انداز میں کہا "چھوٹے ہوٹلوں میں چیک آؤٹ کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔ وہ رات کے حساب سے کرایہ لیتے ہیں۔ تمہارے کمرے میں ذرا سی گنجائش ہو تو میں ہوٹل سے اپنا سفری تھیلا اٹھالاؤں۔ یہ میری چھوٹی سی بچت ہوگی۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ میں تمہاری اجازت یا رضامندی کے بغیر تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔"

ایسے معاملات میں ویرا ہمیشہ سے مہم جوئی کی عادی رہی تھی۔ اس نے رابرٹو کی استدعا قبول کرلی "تھیلا لے آؤ' واپسی میں کتنی دیر لگے گی۔"

رابرٹو کا چہرہ کھل اٹھا۔ پہلے وہ ایک پیگ پر مہینا ہوٹل کے بار میں کئی گھنٹے گزارنے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا۔ اس نے ویرا کا تیار کیا ہوا دوسرا پیگ اٹھایا اور دو گھونٹوں میں اپنے حلق میں انڈیلتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا "بس ذرا سی دیر میں آتا ہوں۔ میرا ہوٹل پہاڑ گنج کے سستے علاقے میں ہے۔"

اس وقت لے دے کر انسپکٹر ڈیوڈ ہی ویرا کی نظروں میں تھا۔ اسے رابرٹو کی صورت میں ایک مددگار میسر آچکا تھا۔ اس نے فرصت کے لمحات کو غنیمت جانتے ہوئے' اپنے ذہن میں اگلے دن کا نقشہ جمانے کی کوششیں شروع کردیں۔ اس سے پہلے اس کے ذہن میں کوئی پروگرام نہیں تھا۔

رابرٹو بہت تیزی کے ساتھ بار سے رخصت ہوا تھا۔ ویرا کے پاس امریکی ڈالروں کی صورت میں خاصی رقم موجود تھی۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر رابرٹو نے اس کی مرضی کے مطابق اپنا رول ادا کیا تو وہ اسے پانچ سو ڈالر ضرور دے دے گی۔

اس وقت تک ویرا خاصی اسکاچ پی چکی تھی جس کے اثرات اس کی آنکھوں اور چہرے سے مترشح تھے۔ شاید رابرٹو کو اندیشہ تھا کہ کہیں ویرا نشے کی جھونک میں بار سے اٹھ کر نہ چل دے۔ وہ ایک بار اپنے کمرے کا رخ کرلیتی تو رابرٹو اسے ڈھونڈتا ہی رہ جاتا۔ ویرا کی عنایت نے اس کی عقل پر ایسا دبیز پردہ ڈالا تھا کہ اس نے جانے سے پہلے ویرا کے کمرے کا نمبر معلوم کرنے کی زحمت تک نہیں کی تھی۔

ویرا کو وہ خیال اس وقت آیا جب رابرٹو تقریباً ہانپتا ہوا' دوبارہ بار میں نمودار ہوا۔ اس کا سفری تھیلا شانوں کے سہارے اس کی پشت پر لدا ہوا تھا اور وہ شاید اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے پسینوں میں نہایا ہوا تھا۔ ویرا نے اسے دیکھتے ہی اس کے لیے تیسرا پیگ بنانا شروع کردیا۔

وہ آیا' سیاہ سفری تھیلا پشت سے اتار کر قدموں میں رکھا اور ہانپتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا "میں یہاں سے تقریباً دوڑتا

Downloaded from https://paksociety.com

ہوا گیا اور آیا ہوں۔ سانس پھول گیا۔ میں نے تمہارے کمرے کا نمبر معلوم کرلیا ہوتا تو اس بھاگ دوڑ سے بچ جاتا۔"

"اس میں میرا قصور نہیں ہے" ویرا نے مسکرا کر اسکاچ میں برف کے ڈلے ڈالے اور تیسرا گلاس اس کے آگے بڑھادیا۔

"یہ میرا آخری پیگ ہوگا" اس نے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر کہا "مزید پی لی تو شاید میں اپنے وعدے پر قائم نہ رہ سکوں۔"

"کس وعدے کی بات کررہے ہو؟" ویرا نے حیرت سے پوچھا۔ وہ واقعی نہیں سمجھ سکی تھی کہ رابرٹو اپنے کس وعدے کا حوالہ دے رہا تھا۔

"ایک کمرے میں ہونے کے باوجود مجھے تم سے دور رہنا ہے۔ اس کے لیے تمہاری رضامندی ضروری ہوگی۔ دماغ پر نشے کے اثرات ہوں تو وہ جذبات سے مغلوب ہوکر سرکشی پر اتر آتا ہے۔ میں ایسے کمزور لمحات سے ڈر رہا ہوں۔"

"تم واقعی ایک نیک بچے ہو۔ یہ پیگ ختم کرکے ہم کمرے کا رخ کریں گے" ویرا نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا اور وہ احمقانہ انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد ویرا اسے ہمراہ لے کر اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔ اس دوران میں اس نے اپنی کج ادائیوں سے رابرٹو کو ایسا مسحور کیا تھا کہ وہ کسی سحرزدہ معمول کی طرح اس کے ساتھ ساتھ تھا۔

دہرے شاہانہ بستر والا وہ آراستہ کمرا دیکھ کر رابرٹو مسحور ہوگیا۔ اندر پہنچنے کے بعد وہ چند ثانیوں تک کمرے کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے اپنا بیگ کشادہ صوفے پر ڈال دیا "یہ میرے لیے کافی سے زیادہ ہے۔ میں آرام سے سوجاؤں گا۔"

ویرا نے باتھ روم جاکر لباس تبدیل کیا۔ رابرٹو اپنے جوتے اتار کر صوفے پر نیم دراز تھا۔ ویرا کے غسل خانے سے برآمد ہوتے ہی وہ سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔ ویرا نے اس کے قریب پڑی ہوئی کرسی سنبھالی اور اسے اگلے روز کا کام سمجھانے میں مصروف ہوگئی۔

دہلی پولیس ہیڈکوارٹرز میں مامور انسپکٹر ڈیوڈ کی مصروفیات اور معمولات کے بارے میں معلومات اکٹھا کرنے کے کام میں کوئی پیچیدگی نہیں تھی۔ رابرٹو نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس کی کیفیت ایسی ہورہی تھی کہ ویرا اسے کسی سنگین جرم پر بھی اکساتی تو وہ شاید کوئی اعتراض نہ کرپاتا۔

ویرا کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سر سے کوئی بڑا بوجھ ٹل گیا ہو۔ وہ براہِ راست ایک فریق تھی اس لیے خود ڈیوڈ کے خلاف میدان میں نہیں اتر سکتی تھی۔ ایسی کوئی کوشش کرتی تو اسے ہر طرف سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا۔ ذہنی رو کے تحت کیے جانے والے لحاتی فیصلوں کے ذریعے اس نے رابرٹو کو اپنے جال میں پھانس لیا تھا۔ وہ کسی دشواری کے بغیر ڈیوڈ کے دفتر میں جاکر معلومات حاصل کرسکتا تھا کیونکہ غیر ملکیوں کی آمدورفت وہاں کے معمولات میں شامل تھی۔

"ہوٹل والوں کو میرے یہاں رہنے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا" کام سمجھ لینے کے بعد رابرٹو نے ہلکی سی تشویش کے ساتھ پوچھا۔

"یہ ڈبل بیڈ روم ہے۔ میرا کمرا ہے۔ میں جسے چاہوں' اپنا مہمان بناؤں۔ انہیں کیا اعتراض ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ میں انہیں سنگل اور ڈبل روم کے کرائے کا معمولی فرق ادا کردوں گی۔ تمہیں اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں" ویرا مربیانہ انداز میں بولی۔

"وہ درست ہے لیکن غیر ملکیوں کے لیے قوانین ذرا سخت ہوتے ہیں۔ میں اپنا ہوٹل چھوڑ چکا ہوں۔ آج کی رات کا میرے پاس کوئی ریکارڈ نہیں ہوگا۔"

"اب میں کپڑے بدل چکی ہوں۔ صبح اپنے کمرے میں تمہاری موجودگی کا اندراج کرادوں گی۔ ابھی ہمیں کھانے کے بارے میں بھی کچھ سوچنا ہے۔ میرے معدے میں اتری ہوئی اسکاچ اب غذا طلب کررہی ہے۔"

ویرا اسے شیشے میں اتارنے کے کئی کٹھن مراحل طے کرچکی تھی۔ کھانے کے دوران میں وہ دونوں ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے۔ رابرٹو' ویرا کے قرب سے خوش تھا۔ کھانے کے بعد کچھ دیر تک ٹیلی وژن کھلا رہا پھر ویرا نے مسہری پر جاکر روشنیاں گل کردیں۔

نائٹ لیمپ کی دھیمی روشنی میں رابرٹو نے صوفے پر دراز ہوکر پشت گاہ کی طرف کروٹ لے لی۔

وہ رات بہت سکون سے گزری۔ بستر پر دراز ہونے کے بعد ویرا کچھ دیر تک چوکنی رہی مگر رابرٹو اپنی کروٹ سے لیٹا رہا۔ مطمئن ہوکر ویرا بھی گہری نیند سوگئی۔

صبح رابرٹو پہلے بیدار ہوگیا۔ ویرا جاگی تو وہ اپنی ضروریات سے فارغ ہوکر تیار بیٹھا ہوا تھا۔ ویرا نے انگڑائی لے کر بستر چھوڑ دیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"ناشتے کے لیے کہہ دو۔ میں ذرا سی دیر میں آتی ہوں"
اسے ہدایت دے کر ویرا نے میز پر سے اخبار اٹھایا اور باتھ روم میں گھس گئی۔ اسے کسی ایسی خبر کی تلاش تھی جس میں میرا یا غزالہ کا کوئی ذکر ہو مگر اس وقت تک کچھ بھی نہیں ہوسکا تھا۔ مختلف رابطوں کے ذریعے رینا اجیت رائے کی کہانی کے خفیہ گوشے بے نقاب ہوئے تھے اور رات گزر جانے کے بعد مجھے رینا کی طرف سے کسی اطلاع کا انتظار تھا۔

یہ سب پس پردہ باتیں تھیں جو کسی اخبار کی دسترس میں نہیں تھیں۔ رینا کے ذریعے انل بسواس سے میری ملاقات کے بعد ایسی خبریں جنم لے سکتی تھیں جنہیں ویرا اپنے قیاس کی بنا پر سمجھ سکتی تھی کیونکہ میں نے اسے رینا کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا تھا۔

اخبار کی ورق گردانی اور مختصر غسل کے بعد ویرا آئی تو ناشتا تیار تھا۔ ناشتے کے بعد رابرٹو اپنے کام پر نکل گیا۔ ویرا وقت گزاری کے لیے اپنے ہوٹل کے قرب وجوار میں واقع ان شان دار دکانوں اور مارکیٹوں کی طرف چل دی جہاں سیاحوں کی دلچسپی کے بہت سے سامان بھرے ہوئے تھے۔ ہوٹل چھوڑنے سے پہلے ویرا نے ہوٹل کے رجسٹر میں اپنے ساتھ رابرٹو ملینی کے قیام کا اندراج کرادیا تھا۔ اس طرح رابرٹو کو اپنی شناخت کے بعد ویرا کے کمرے کی چابی حاصل کرنے کا حق حاصل ہوگیا تھا۔

دو بجے ویرا تھک ہار کر واپس لوٹی تو اسے کاؤنٹر سے پتا چلا کہ کمرے کی چابی کی بورڈ پر موجود نہیں تھی۔ اس نے نیچے سے انٹرکام پر رابطہ کیا تو رابرٹو کمرے میں موجود تھا۔ یہ اتفاق ویرا کو کھٹکا کہ رابرٹو نے چابی ملنے کا استحقاق حاصل ہوتے ہی استعمال کرڈالا تھا۔

وہ اوپر پہنچی تو رابرٹو اپنی کارگزاری کی رپورٹ کے ساتھ اس کا منتظر تھا۔

انسپکٹر ڈیوڈ کا تعلق کسی دور افتادہ گاؤں سے تھا۔ اپنی ملازمت کے سلسلے میں وہ اکیلا دہلی میں رہتا تھا اور بال بچوں سے ملاقات کے لیے گاہے گاہے اپنے گاؤں کا چکر لگاتا رہتا تھا۔ دہلی میں اس کی رہائش کا انداز بہت عیاشانہ تھا۔ وہ خاص ضروریات کے تحت دیر تک اپنے دفتر میں بیٹھتا تھا ورنہ پانچ بجے دفتر چھوڑ کر چھ بجے تک اپنے گھر لوٹ آتا تھا جہاں شام ڈھلے اس کے بے فکرے دوستوں کی محفل جمتی تھی۔

وہ معلومات نہایت مختصر لیکن کارآمد تھیں۔ رابرٹو نے ویرا کی ہدایات کی روشنی میں ڈیوڈ کا گھر بھی دیکھ لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ڈیوڈ کے ساتھ مجوزہ مذاق کے لیے اس کے گھر کا قریبی میدان نہایت موزوں تھا کیونکہ ڈیوڈ کو دفتر سے گھر پہنچنے کے لیے وہاں سے بہرحال گزرنا پڑتا تھا۔

پاکستان کی طرح بھارت میں بھی پولیس کی شہرت کچھ اچھی نہیں تھی لیکن وہاں وسائل سے بڑھ کر شان وشوکت کے ساتھ رہنے والوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ ڈیوڈ نے ان وجوہ کی بنا پر ایک سال خوردہ کار رکھی ہوئی تھی اور کرائے کے مکان میں رہتا تھا۔

وہ دونوں دوپہر کا کھانا باہر سے کھا کر آئے تھے۔ ہوٹل میں ہروقت غسل کی سہولت سے استفادہ کرکے ان دونوں نے کچھ دیر آرام کیا پھر پانچ بجے ہوٹل سے نکل گئے۔ روانگی سے پہلے ویرا نے رابرٹو کو اپنے مذاق کے بارے میں بتادیا تھا۔ ویرا نے وہ باتیں اتنی بے پروائی سے کی تھیں کہ رابرٹو کو کسی سنگین واقعے کے رونما ہونے کا اندیشہ تک نہیں ہوسکا تھا۔

ساڑھے پانچ بجے وہ دونوں خودرو جھاڑیوں اور گندے پانی کے جوہڑوں سے بھرے ہوئے اس متعفن میدان میں پہنچ گئے جہاں سے ایک پتلی سی سڑک قریبی متوسط آبادی کی طرف جارہی تھی۔ ویرا کی ہدایت پر ٹیکسی اس میدان سے دور چھوڑ دی گئی تھی۔

وہ دونوں جھاڑیوں کی اوٹ میں ایک جگہ دبک گئے۔ اس سڑک پر ٹریفک کی آمدورفت برائے نام تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ آگے متوسط طبقے کی آبادی تھی۔ وہ لوگ نقل وحمل کے لیے پبلک ٹرانسپورٹ استعمال کرتے ہوں جس کی گزرگاہ کسی کشادہ سڑک پر ہوسکتی تھی۔

آنے والے لمحات کا سارا انحصار رابرٹو پر تھا کیونکہ وہی انسپکٹر ڈیوڈ کی گاڑی پہچانتا تھا۔ چھ بجے کے بعد ویرا کو تشویش ہونے لگی۔ اگر فضا میں شام کا دھندلکا پھیلنا شروع ہوجاتا تو رابرٹو کے لیے دور سے ڈیوڈ کی گاڑی کو پہچاننا ناممکن ہوجاتا۔ وہ آتا اور ویرا کو مورچا سنبھالنے کا کوئی موقع دیے بغیر تیزی سے آگے نکل جاتا۔ ویرا کا نام نہاد مذاق اس کی ساری تیاریوں سمیت دھرا کا دھرا رہ جاتا۔

سوا چھ بجے کے قریب رابرٹو نے دور سے آتی ہوئی گاڑی پہچان کر ویرا کو ہوشیار کردیا۔ ویرا جھاڑیوں میں سے نکلی اور اس نے مڑکر گاڑی کی طرف دیکھے بغیر آبادی کی سمت میں چلنا شروع کردیا۔ انسپکٹر ڈیوڈ کی گاڑی اس کے پیچھے دوڑی آرہی تھی۔

اس مرحلے پر جو کچھ ہوا' وہ ویرا کی توقعات کے عین

Downloaded from https://paksociety.com

مطابق تھا۔ اس نے اپنے اندازوں پر بھروسا کرتے ہوئے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔

انسپکٹر ڈیوڈ ویرا کی شکل نہیں دیکھ سکا لیکن یہ ضرور دیکھ لیا کہ ایک فیشن ایبل غیر ملکی عورت اس ویران سڑک پر پیدل چلی جارہی تھی۔ ویرا کو یقین تھا کہ انسپکٹر ڈیوڈ کا دل انسانی ہمدردی کے لطیف جذبات سے یکسر خالی تھا۔ اس نے خالص سفلی ارادوں کے تحت بریک لگائے اور گاڑی ویرا کے قریب روک دی۔ گاڑی کے انجن کی آوازوں میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے ویرا کو اشارے مل رہے تھے۔

گاڑی رکتے ہی وہ بجلی کی سی سرعت سے گھومی اور اس نے دیکھ لیا کہ ڈرائیونگ سیٹ پر ڈیوڈ اکیلا تھا۔ وہ اسی رخ پر تھی۔ لمحے بھر کے لیے ڈیوڈ نے اس کی طرف دیکھا۔ ویرا کو پہچان کر اس کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل گئے۔ ویرا کے بائیں ہاتھ کی دوسری انگلی میں زہریلے کیپسول والی انگوٹھی اپنی پوزیشن میں موجود تھی۔ ویرا کا وہ ہاتھ مشینی انداز میں سیدھا ہوا' مکا انسپکٹر ڈیوڈ کے جبڑے پر پڑا اور اس کے الفاظ اس کی زبان پر ہی رہ گئے۔

اس کے جسم کو لگنے والے جھٹکے سے کلچ پر سے اس کے پاؤں کا دباؤ ختم ہوگیا۔ گاڑی شاید گیئر میں تھی۔ گاڑی اچھلی اور انجن ہچکی لے کر بند ہوگیا۔

ویرا اپنی حرکت کے انجام کی تصدیق کے لیے وہاں نہیں رکی۔ پیچھے سے کسی بھی لمحے کوئی دوسری سواری نمودار ہوسکتی تھی۔ وہ بہت سرعت سے جھاڑیوں میں گھسی اور رابرٹو کے ہمراہ اس بدبودار میدان سے باہر نکلنے کی کوششوں میں مصروف ہوگئی۔

"تم مارشل آرٹس میں واقعی ماہر ہو" رابرٹو جھاڑیوں اور جوہڑوں کے درمیان راستہ بناتے ہوئے تعریفی لہجے میں بولا "وہ بہت صحت مند آدمی ہے مگر تم نے ایک ہلکی سی ضرب لگا کر اسے بے ہوش کردیا۔ ہوش میں آکر اسے اپنی بے خبری اور کمزوری پر سخت ندامت ہوگی۔"

"میں نے جوش میں آکر اسے اپنی قوت کا احساس دلا دیا ہے مگر اب افسوس ہورہا ہے کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ یہ مذاق اس بے چارے کے لیے جان لیوا بھی ثابت ہوسکتا ہے۔" ویرا نے متاسفانہ انداز میں کہا۔

"ہائیں!" رابرٹو کے ہونٹوں سے بوکھلائی ہوئی آواز برآمد ہوئی "کیا اس چوٹ سے وہ مر بھی سکتا ہے؟"

"احمقانہ باتیں مت کرو اور آواز نیچی رکھو" ویرا نے اسے ڈانٹ دیا "تم نے دیکھا ہے کہ میرا مکا کتنا ہلکا تھا۔ ایسی ضرب سے آدمی تو کیا' کتا بھی نہیں مرسکتا۔ پولیس والوں کے ہزار دشمن ہوتے ہیں۔ اس کے کسی دشمن نے اسے اس حالت میں دیکھ لیا تو مار ڈالے گا اور الزام ہمارے سر آجائے گا۔"

"مگر ہم نے کچھ نہیں کیا۔ تم ایسی باتیں کرکے میرا خون خشک کررہی ہو۔"

"ہم نے جو کچھ کیا ہے۔ وہ صرف مجھے اور تمہیں معلوم ہے۔ اس واقعے کے بارے میں کسی سے کوئی ذکر نہ کرنا اور اپنی زبان بند رکھنا۔ کل کے اخباروں سے ہی پتا چلے گا کہ وہ زندہ بچتا ہے یا کوئی اور اس کا کام تمام کردیتا ہے؟"

"مم..... مگر تم نے تو کہا تھا کہ یہ مذاق ہے" رابرٹو نے ہکلاتے ہوئے کہا "قتل کا چکر کہاں سے نکل پڑا؟"

"میرے لیے یہ اب بھی مذاق ہی ہے مگر ہم اس کے دشمنوں کا ہاتھ نہیں روک سکتے۔ ایک بار الزام عاید کردیا جائے تو آدمی برسوں عدالتوں کے چکر لگاتا رہتا ہے۔ ہم دونوں کی عافیت اسی میں ہے کہ اس واقعے کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہ ہو ورنہ ہم دونوں پھنسیں گے۔ کسی کے قتل میں اعانت کرنا بھی قتل کے ارتکاب جیسا سنگین جرم ہے۔ بھارت میں اس کی سزا پھانسی تک ہوسکتی ہے۔"

"اوہ خدایا! میں کس مشکل میں پھنس گیا۔ اتنے بڑے جرم میں اعانت کا خیال میرے تصور تک میں نہیں تھا۔"

سڑک پر پہنچنے تک ویرا اپنی سوچی سمجھی حکمت عملی کے تحت اس پر اپنا دباؤ بڑھاتی رہی اور رابرٹو کی حالت ابتر ہوتی چلی گئی۔

اس چھوٹے سے خودرو جنگل سے باہر آنے تک ان کی حالت کافی خستہ ہوچکی تھی۔ سڑک کے کنارے کچھ دور چلنے کے بعد انہیں ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ ہوٹل تک کا سفر خاموشی سے ہوا۔ ہوٹل سے باہر ٹیکسی چھوڑ کر وہ پیدل اندر چل دیے۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ کوئی مصیبت نازل ہونے سے پہلے بوریا بستر سمیٹ کر یہاں سے نکل جاؤں" رابرٹو منمنایا "تمہارا اندیشہ درست ہے۔ بے ہوشی کی حالت میں دو ٹکے کا کوئی بھی بدمعاش اسے گولی مار دے گا۔ تفتیش کرنے والے ہم تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔ وہ بال کی کھال نکالتے ہیں۔"

"بھول کر بھی ایسا نہ کرنا" ویرا نے آنکھیں نکال کر کہا۔ ان دونوں کی گفتگو مسلسل اطالوی زبان میں ہورہی تھی اس لیے یہ خطرہ نہیں تھا کہ عام راہ گیر ان کی باتیں سمجھ سکیں۔ ویرا نے اپنی بات جاری رکھی "تمہارے بھاگنے کے بعد مجھ پر

Downloaded from https://paksociety.com

کوئی برا وقت آیا تو میں صاف کہہ دوں گی کہ سارا منصوبہ تمہارا تھا۔ اسی لیے تم بھارت سے فرار ہوئے ہو۔ پولیس ہیڈ آفس میں کئی گواہ نکل آئیں گے جو بتائیں گے کہ تم آج صبح سے دوپہر تک پولیس ہیڈ آفس میں ڈیوڈ کے بارے میں معلومات جمع کرتے پھر رہے تھے۔"

"تم مجھے بے لوث تعاون کا یہ انعام دو گی؟" رابرٹو نے مجروح لہجے میں شکوا کیا۔

"میری جان! تم کو بھاگنے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں" ویرا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پیار سے اسے سمجھایا "دعا کرو کہ میرے اندیشے غلط ثابت ہوں۔ کوئی گڑبڑ ہو بھی گئی تو ہماری خاموشی اور رازداری ہماری جان بچائے گی۔ حالات نے ہمیں یک جا کردیا ہے تو اب میرے کہنے پر عمل کرتے رہو۔ دو چار دن میں سب ٹھیک ہوجائے گا۔ ایسی پریشانیاں زندگی کا ایک حصہ ہوتی ہیں۔"

رابرٹو کو چپ سی لگ گئی۔ لابی میں داخل ہو کر ویرا نے کاؤنٹر سے چابی لی اور رابرٹو کو ایک مرتبہ پھر پچکار کر اوپر بھیج دیا۔ وہ خود پبلک فون بوتھ کی طرف چل دی۔

○☆○

چوبیس گھنٹے پورے ہونے والے تھے مگر رینا کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ میں اسے فون کرنا چاہ رہا تھا۔ میں اسی کوفت کے عالم میں مسہری پر دراز تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میرے ذہن میں ویرا کا دور دور تک کوئی خیال نہیں تھا۔ میں نے رینا کی کال کی امید میں ریسیور اٹھایا تو کانوں میں ویرا کی سرد سی آواز آئی۔

"ہیلو! کیا میں تم سے کھل کر بات کرسکتی ہوں؟" اس نے براہِ راست سوال کیا تھا "میں ایک پبلک بوتھ سے بول رہی ہوں۔"

میں نے فوراً سی ایس ڈی آن کردی اور سرد مہری سے کہا "فون کیا ہے تو بات بھی کرو مگر میں نے تمہیں دور رہنے کا مشورہ دیا تھا۔"

اس نے بے اعتنائی سے میری بات کاٹ دی "وہ تمہارا آخری فون تھا۔ یہ میرا آخری فون ہے۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" اس کی خاموشی پر میں نے سوال کیا۔

"یہ بتانا چاہ رہی ہوں کہ جب تک میں تم پر انحصار کررہی تھی' میرے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ اس قید سے نجات ملتے ہی مجھے راستہ نظر آنا شروع ہوگیا ہے۔ میں نے ایک کاٹھ کے اُلو کی مدد سے پہلا قدم اٹھالیا ہے۔ ڈیوڈ جہنم واصل ہوچکا ہے۔"

"ویرا!" میرا لہجہ بے ساختہ غصیلا ہوگیا "یہ تم نے کیا کیا' اس نے ایسی کوئی خطا نہیں کی تھی۔"

"اس کی پیشی تم نے نہیں' میں نے بھگتی تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ اس کا قصور کتنا سنگین تھا۔"

"تم نے بتایا تھا کہ اس کی نیت خراب تھی مگر کسی زیادتی سے پہلے تخشب کا فون آگیا تھا اور..."

"عورت کے لیے زیادتی ہی سب کچھ نہیں ہوتی" ویرا نے ایک مرتبہ پھر میری بات اڑادی "حالات کے جبر میں عورت زیادتی کو بھی خاموشی سے سہہ لیتی ہے لیکن بعض باتیں ناقابل معافی ہوتی ہیں۔ یہ مجھے معلوم ہے کہ میری سفید رنگت اور پاکستانی پاسپورٹ کی آڑ لے کر اس نے کس طرح میری تذلیل کی تھی۔ جو کچھ اس کے ساتھ ہوا ہے' وہ اس سے برے انجام کا حق دار تھا۔ بھیڑیے دیر تک زندہ رہیں تو ایک ایک کرکے ساری بھیڑوں کو کھاجاتے ہیں۔"

"تم اپنے ساتھ میرے لیے بھی مسائل پیدا کرو گی؟" میں نے غصے اور بے بسی سے کہا۔

"تمہارے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں ہوگا۔ اگر کچھ ہونا ہے تو میرے ساتھ ہوگا' اسے میں دیکھ لوں گی۔"

ہماری منزل ایک ہے' راستے الگ الگ ہیں۔ کہیں نہ کہیں آپس کا ٹکراؤ بھی ہوسکتا ہے" میں نے اپنے غصے پر قابو پاکر اسے ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی "تم معاملات کی نزاکت کو ذرا بھی نہیں سمجھ رہی ہو۔"

"کل شام تک میری عقل واقعی ماؤف تھی۔ اس کے بعد سے میں ہر بات سمجھ رہی ہوں۔ تم مطمئن رہو۔ میں تمہارا راستہ نہیں کاٹوں گی۔ تم ایک نام اپنے ساتھ لے کر آئے ہو۔ میں بھول کر بھی اس کی طرف نہیں دیکھوں گی۔ ٹکراؤ کا خطرہ نظر آیا تو میں خود پیچھے ہٹ جاؤں گی۔"

وہ بحث کو طول دینے میں ملکہ رکھتی تھی۔ اس وقت اس کے مزاج میں ضد سمائی ہوئی تھی۔ میں محسوس کررہا تھا کہ وہ میری کسی معقول بات پر کان نہیں دھرے گی۔ مجھے یہ بھی نظر آرہا تھا کہ اس نے اپنا ہوٹل تبدیل کرلیا تو اسے تلاش کرنا مشکل ہوجائے گا۔ اس وقت ویرا میرے لیے گلے کی ہڈی بن کر رہ گئی تھی جسے نگلا جاسکتا تھا' نہ اگلنا آسان تھا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا اور پھر اپنے مزاج میں نرمی لانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "ابھی تم کاٹھ کے کسی اُلو کی بات کررہی تھیں' وہ کون ہے؟"

"کوئی بھی ہوسکتا ہے" اس وقت ویرا نے مجھے رابرٹو

Downloaded from https://paksociety.com

و یلینٹی کے نام کی ہوا تک نہیں لگنے دی۔ یہ بعد کی باتیں ہیں کہ اس نے ہمیں اس واقعے کی پوری تفصیل سے آگاہ کردیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ”آدمی سختی سے کوئی فیصلہ کرلے تو اس پر عمل کرنے کی راہیں خود بہ خود نکلتی چلی آتی ہیں۔ ضروری نہیں کہ میں کسی ایک چہرے پر انحصار کرتی رہوں۔ حالات اور ضروریات کے مطابق کرائے کے آدمی بدلتے رہیں گے۔ غنیمت ہے کہ یہاں آتے ہوئے تم نے میری جیبیں بھردی تھیں۔“

”آدمیوں کے ساتھ تمہارے ٹھکانے بھی بدل سکتے ہیں“ میں نے پہلے جواب پر اصرار کیے بغیر دوسرا سوال کیا۔

”سب کچھ ممکن ہے۔ موجودہ ٹھکانے سے میں کسی بھی وقت کوچ کرجاؤں گی“ اس بار ویرا کا جواب مثبت تھا۔

”مجھے کیسے پتا چلے گا کہ تم کہاں ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”جب ایک دوسرے سے کٹ کر بالکل الگ تھلگ رہنا ہے تو پھر تمہیں معلوم ہونا کیا ضروری ہے۔ ہم کہیں بھی رہیں، ہمیں اپنے اپنے مسائل کا بار خود اٹھانا ہوگا۔ ایک کی وجہ سے دوسروں کو پریشان نہیں ہونا چاہیے“ اس کا لہجہ سپاٹ لیکن مفہوم طنزیہ تھا۔

”جگہ تبدیل کرو تو ہم دونوں میں سے کسی کو مطلع ضرور کردینا“ میں نے زچ ہوکر کہا۔

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ فون کرنے کے بارے میں تم اپنی عائد کی ہوئی پابندی واپس لے رہے ہو؟“

”مجبوری ہے۔ وہ پابندی اس خیال سے لگائی تھی کہ تم سمجھ داری سے کام لوگی اور یہاں سے نکل جاؤگی۔ اگر تم یہاں رہنے پر مصر ہو تو آپس میں اس قدر لاتعلقی نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے۔“

”اگر یہ تمہارا نیا فرمان ہے تو میں پہلے کی طرح اس کا پاس کروں گی۔ جگہ تبدیل کرتے ہی تمہیں مطلع کردوں گی۔“

اسکی گفتگو میں طنز و استہزا کی کثرت تھی مگر میں نے ایک بات خاص طور پر نوٹ کی کہ ویرا نے احتیاط کا دامن نہیں چھوڑا تھا۔ اس نے صرف ایک بار ڈیوڈ کا نام لیا تھا۔ اپنی کارکردگی جتانے کے لیے وہ اس کی ناگزیر مجبوری تھی۔ اس کے بعد وہ نام دوبارہ استعمال بھی نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح اغل بسواس کا نام سرے سے نہیں لیا گیا۔ ہر مفہوم واحد غائب کے صیغے سے واضح ہوتا چلا گیا تھا۔

”میں تمہاری کامیابی اور سلامتی کے لیے دعاگو رہوں گا“ میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

”میری طرف سے بھی یہی توقع رکھنا۔ میں تمہاری بدخواہ نہیں ہوں لیکن کبھی کبھی تم اپنی زن مریدی کی وجہ سے میرے ساتھ زیادتیاں کرجاتے ہو“ اس مرتبہ ویرا کے دل کی بات کھل کر اس کی زبان پر آگئی۔ اسے یقین تھا کہ اس کے وہ الفاظ کبھی بھی غزالہ کے کانوں تک نہیں پہنچ سکیں گے کیونکہ وہ فون پر بات کررہی تھی۔ اس کا اگلا ہوا سارا زہر صرف میرے کانوں میں اتر رہا تھا۔

”یہ باتیں کسی وقت روبہ رو ہوں گی۔ اس وقت تمہیں ذہنی یکسوئی کی ضرورت ہے۔“

”تم واقعی بہت بے لوث آدمی ہو۔ میرا کس قدر خیال رکھتے ہو“ ویرا کی آواز طنزیہ تھی۔ اس نے الوداعی کلمات کے ساتھ فون بند کردیا۔

وہ بہت پر پیچ گفتگو تھی۔ غزالہ اس دوران میں ہمہ تن گوش بنی ہوئی تھی۔ لیکن محض میرے فقروں سے صحیح نتیجہ اخذ نہیں کرسکی تھی۔ بس اسے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ ویرا نے کوئی گڑبڑ کردی تھی جس پر میں ناخوش تھا۔

”کیا ہوا؟ وہ کیا کہہ رہی تھی؟“ فون کال ختم ہوتے ہی اس نے متجسس لہجے میں سوال کیا۔

”وہ بہت ہٹ دھرم ہے۔ اس نے انسپکٹر ڈیوڈ کو ٹھکانے لگادیا“ میں نے نیچی آواز میں کہا۔

”شاید اسی اطلاع پر آپ نے کہا تھا کہ اس نے ایسی کوئی خطا نہیں کی تھی۔“

”تم خود بتاؤ کہ این کا یہ قدم کہاں تک درست ہے۔ ایک مجاز افسر اپنے شبہات دور کرنے کے لیے کسی کو بھی طلب کرسکتا ہے اور ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں تو ہم تینوں ہی مشتبہ عزائم لے کر یہاں آئے ہیں۔ ہمیں بھی گوپال اور اس کے ساتھیوں کی طرح غیر ضروری کارروائیوں سے بچنا چاہیے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ عدم تشدد کی پالیسی پر چل رہے ہیں۔ ہم سامنے آنے والے کی گردن اڑا دیں گے۔“

”اس نے خطرناک حرکت کی ہے۔“ اس خبر نے غزالہ کو پریشان کردیا تھا ”پولیس والے اپنے ایک سینئر ساتھی کا خون اتنی آسانی سے برداشت نہیں کریں گے۔ وہ چند گھنٹوں میں این تک پہنچ جائیں گے۔“

”خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔“ میں نے بے ساختہ کہا ”ایسا ہوا تو ہم بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ ہمیں کچھ پتا نہیں کہ اس نے ڈیوڈ کو کہاں اور کن حالات میں موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ اب صبح کے اخبارات سے ہی کچھ معلوم ہوسکے گا۔“

Downloaded from https://paksociety.com

"میں بھی اس کی خیر خواہ ہوں مگر حالات خطرناک ہیں۔ پرسوں رات ڈیوڈ نے اسے اپنے دفتر میں بلایا پھر نخشب نے ڈیوڈ کو فون پر کوئی دھمکی دی اور این کی جان چھوٹ گئی۔ صرف دو راتیں گزرنے کے بعد ڈیوڈ مارا گیا۔ مجھے تو این کے ساتھ نخشب بھی گردش کا شکار ہوتا نظر آرہا ہے۔"

"اس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اسے ڈیوڈ کے قتل میں ملوث کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کے خیر خواہ اسے پہلے سے ہوشیار کردیں گے۔ وہ کہیں روپوش ہوجائے گا اور مطلع صاف ہونے تک سامنے نہیں آئے گا۔ سب سے مشکل صورت حال این کے لیے ہے۔"

چند ثانیوں کے لیے کمرے کی فضا میں گہری خاموشی چھا گئی۔ ویرا نے اپنی تازہ حرکت سے ہمیں فکر و تشویش میں مبتلا کردیا تھا۔

"اگر واردات کے وقت کسی نے این کو نہیں دیکھا تو اس کے بچنے کے امکانات نظر آتے ہیں۔" غزالہ کو اندھیرے میں شاید روشنی کی کوئی کرن نظر آگئی۔

مجھے ہر طرف مایوسی نظر آرہی تھی۔ میں نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کرکے کہا "تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا؟ یہ بات تو بالکل صاف ہے کہ وہ کسی کی نظروں میں نہیں آئی ہوگی۔ کسی نے اسے قتل کرتے ہوئے دیکھ لیا ہوتا تو وہ اپنے ہوٹل یا پبلک بوتھ سے اتنی بے فکری سے باتیں نہیں کررہی ہوتی۔ پکڑی جاتی یا پھر اپنا پیچھا کرنے والوں سے جان بچانے کے لیے دیوانہ وار کسی پناہ گاہ کی تلاش میں بھاگ رہی ہوتی۔"

"پھر ہمیں اس کی طرف سے پرامید رہنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہم بھی پریشانیوں سے بچے رہیں گے۔"

"میں فون پر این سے جرح نہیں کرسکا لیکن تمہارے اس نظریے کی وجہ ضرور جاننا چاہوں گا۔"

"ہماری ساری دلچسپیاں این کی ذات تک محدود ہیں۔ ہم اس کی حرکت کے بارے میں ایک خاص زاویے سے سوچ رہے ہیں لیکن انسپکٹر ڈیوڈ ایک پولیس افسر تھا۔ وہ صبح سے شام تک نہ جانے کیسے کیسے لوگوں کی کیا درگت بناتا ہوگا۔ ان میں سے کوئی بھی مشتعل ہوکر اسے مار سکتا ہے۔ یہ دو چار راتوں کی بات نہیں ہے۔ ڈیوڈ پرانا افسر ہے۔ برسوں کی نوکری میں اس نے نہ جانے اپنے کتنے دشمن پیدا کیے ہوں گے۔"

غزالہ کی وہ دلیل معقولیت پر مبنی تھی۔ اگر کسی کو یہ پتا نہیں چلا تھا کہ ڈیوڈ کو مارنے والی ایک سفید فام لڑکی یا عورت تھی تو تفتیشی افسران کے بھٹکنے کے قوی امکانات تھے۔ ڈیوڈ اگر اپنی بدمعاشیوں کے تحفظ کے لیے کوئی ریکارڈ رکھنے کا عادی تھا تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہ پتا چل سکتا تھا کہ این کاویل ایک سفید فام لڑکی ہے جو پاکستانی پاسپورٹ پر دہلی آئی ہے۔ پہلے وہ انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل میں تھی۔ بعد میں ہوٹل مرینا منتقل ہوگئی۔

ان باتوں کے افشا ہونے سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ گھاگ افسروں کی ساری توجہ ان طاقت ور بدمعاشوں پر مرکوز ہوتی جو ڈیوڈ کے ہاتھوں بری طرح مار کھا چکے تھے یا پھر لمبی سزائیں بھگت چکے تھے اور ڈیوڈ سے بدلہ لینے کے لیے موقع کے انتظار میں تھے۔

میں کچھ دیر تک دل ہی دل میں ان دلائل کا تجزیہ کرتا رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ میری فکرمندی کا بار ہلکا ہونے لگا۔ مجھے امید ہونے لگی کہ غزالہ کو نظر آنے والی روشنی کی کرن سراب نہیں تھی۔ اس میں ویرا کی نجات کا راز پوشیدہ تھا۔

ویرا کی سلامتی کے بارے میں تشویش کم ہونے کے ساتھ میرے ذہن پر رینا سوار ہونے لگی۔

پہاڑ جیسا دن گزر گیا تھا لیکن اس کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ اس کی طرف سے کسی متوقع رابطے کی امید میں، میں ہوٹل کے کمرے میں بند کر رہ گیا تھا۔ میں ایسی کوئی صورت حال پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میرے لیے رینا کا فون آئے اور میں اس سے بات نہ کرسکوں۔ میری نظریں ٹیلی وژن اسکرین پر جمی ہوئی تھیں لیکن ذہن مسلسل رینا اجیت رائے کی ذات میں الجھا ہوا تھا۔

ویرا کے بارے میں تشویش کم ہونے سے میرے ذہن میں ایک نئی سوچ بھی جنم لے رہی تھی جو قطعی غیر ارادی تھی۔ ویرا کسی بھی طرح میری حریف نہیں تھی۔ میں اس کی کامیابیوں پر خوش ہوتا تھا، وہ ہماری فتح پر خوشی سے پھولی نہ سماتی تھی مگر اس وقت میرے ذہن میں رشک یا حسد کی لہر سی اٹھ رہی تھی۔ وہ ہم سے عملی طور پر الگ ہونے کے بعد بھارت کی سرزمین پر کامیابی سے اپنا پہلا شکار کھیل چکی تھی جب کہ ہمارا اسکور صفر تھا۔

حالات کا فرق اپنی جگہ بہت اہم تھا لیکن وہ ذہنی رو ہی کیا جو کسی دلیل کی طرف مائل ہوجائے۔ انسپکٹر ڈیوڈ نے ویرا کی تذلیل کی۔ ویرا نے اس سے بدلہ لینے کی ٹھانی اور کامیابی کے ساتھ اسے موت کی بے رحم آغوش میں دھکیل دیا۔ اس کے برعکس ہم اہل بساط کو سبق سکھانے کا عزم لے کر

Downloaded from https://paksociety.com

پاکستان سے روانہ ہوئے تھے۔ دہلی میں اس کا سراغ بھی مل چکا تھا لیکن ہم اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے قاصر تھے۔

ہم انل کے خلاف اپنے طور پر کام کرتے رہتے تو شاید کوئی راہ مل گئی ہوتی لیکن رینا نے درمیان میں آکر ہماری رفتار سست کردی تھی۔ اس کے ذریعے انل تک پہنچ کر ہم زیادہ موثر اور تیز کارروائی کرسکتے تھے۔ اس خوش فہمی نے ایک طرح سے ہمیں باندھ کر رکھ دیا تھا۔

نو بجے اس انتظار سے اکتا کر میں نے روم سروس کے ذریعے کمرے میں کھانا طلب کرلیا۔

ہم دونوں کھانے میں مصروف تھے کہ اپریٹس پر کال آنے لگی۔ میں نے فوراً میز چھوڑ دی۔

دوسری طرف گوپال تھا۔ میری طرف سے جواب ملنے پر اس نے سپاٹ لہجے میں کہا "تم ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے ہوئے ہو یا کہیں اور ہو؟"

"کہیں اور ہوتا تو تمہاری کال کا جواب نہ دے پاتا۔ بس رینا کا انتظار ہے۔ وہ خود آئی نہ اس کا فون آیا۔"

"اوہ!" اس کی معنی خیز آواز سنائی دی "تم انتظار کی کربناک کیفیت سے گزر رہے ہو۔ میں نے دانستہ تمہیں دن بھر نہیں چھیڑا۔ مجھے ڈر تھا کہ میری کال تمہاری کسی اہم مصروفیت میں خلل انداز نہ ہو۔"

"کال کرلیتے تو بہتر ہوتا۔ دن بھر ہر طرف سناٹا رہا۔ اس وقت کیسے یاد کیا ہے۔"

"شاید تمہیں باہر کی کوئی خیر خبر نہ ہو۔ پورے دہلی میں سنسنی پھیلی ہوئی ہے۔ کسی نے نجف گڑھ کے نالے کے قریب انسپکٹر ڈیوڈ کو مار ڈالا ہے۔"

میں ایک لمحے کے لیے تذبذب اور بے یقینی میں پڑ گیا۔ اپنی باخبری کا اظہار کرتا تو اسے یہ بھی بتانا پڑتا کہ وہ کارروائی ویرا نے کی تھی اور وہ خبر اسی کے ذریعے مجھ تک پہنچی تھی۔ میرا پختہ یقین تھا کہ وہ ویرا کے اس اقدام کی حمایت نہ کرتا۔ میں نے حیرت سے کہا "یہ کب کا واقعہ ہے؟"

"آج شام دفتر سے واپسی پر وہ ایک ویران سڑک پر سے گزر رہا تھا کہ نامعلوم قاتل کا نشانہ بن گیا۔"

"افسوس کی بات ہے۔ سخت گیر پولیس افسروں کے بارے میں ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ وہ کسی گمنام قاتل کی چلائی ہوئی گولی کا نشانہ نہ بن جائیں۔ تم نے اس کے بارے میں مجھے باخبر کرنا کیوں ضروری سمجھا؟ یہ ایک مقامی واقعہ ہے۔"

"پرسوں ہمارے درمیان بھی اس کا نام گردش میں تھا۔ میں نے ضروری سمجھا کہ تمہیں آگاہ کردوں۔ ابھی تفصیلات سامنے نہیں آئیں مگر سنا گیا ہے کہ اس پر گولی وغیرہ نہیں چلائی گئی۔ وہ کسی سریع الاثر زہر کا شکار ہوا ہے۔"

"ہوا ہوگا۔ میں اس درجے کے لوگوں سے الجھنا حماقت سمجھتا ہوں۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"یہ بات میں بھی سمجھتا ہوں۔" اس نے اعتراف کیا "مگر میرے ذہن میں ایک موہوم سا اندیشہ تھا کہ اس نے تمہاری دوسری پارٹی کو چھیڑا تھا۔ وہ سب سے آسان نشانہ تھا۔ ہوسکتا ہے کہ بے کاری دور کرنے کے لیے اسے ہٹا دیا گیا ہو۔"

"بڑا ہدف سامنے ہو تو چھوٹے نشانوں پر نگاہ نہیں ٹھہرتی۔" میں نے اس کی مزید قیاس آرائی کی راہ مسدود کردی "اگر تھوڑی دیر تک رینا کی طرف سے کوئی رابطہ نہ ہوا تو میں خود اسے فون کروں گا۔"

"گھما پھرا کر بات کرو گے تو تمہیں پتا چل جائے گا کہ وہ اس کے کسی گھر کا نہیں 'ڈانس اکیڈمی' کا فون نمبر ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ تمہاری کہی ہوئی ہر بات میرے ذہن میں محفوظ ہے۔"

بات ختم ہوگئی۔ میں نے اس سے غلط نہیں کہا تھا۔ رینا کے بارے میں گوپال اور اول خان کی طرف سے ملنے والی معلومات یک جا ہوکر میرے ذہن میں کھچڑی سی پکا رہی تھیں۔ اس سے وہ سب باتیں فون پر نہیں کی جاسکتی تھیں۔ ان کی تصدیق کے لیے رینا سے میری ملاقات ضروری تھی۔

ٹرانسمیٹر پر موصول ہونے والی گوپال کی کال سے ویرا کے بارے میں میری تشویش کے گھٹتے ہوئے سائے پھر دراز ہوگئے۔ دہلی ایک بڑا اور کاسموپولیٹن شہر تھا۔ وہاں روزانہ قتل سمیت بہت سے جرائم رونما ہوتے رہتے تھے۔ گوپال نے پچھلے دنوں میں کبھی بھی مجھے کسی جرم کے بارے میں باخبر کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ انسپکٹر ڈیوڈ کے قتل کے بعد اس نے جو کچھ سوچا' وہ حقیقت سے قریب ترین تھا۔

میرے ذہن میں ایک مرتبہ پھر وسوسے سر ابھارنے لگے۔ اگر گوپال ان خطوط پر سوچ سکتا تھا تو دوسروں پر بھی کوئی قدغن نہیں تھی۔ جب تک ڈیوڈ کے قتل کی تفتیش کوئی واضح رخ اختیار نہیں کرتی' ویرا کے سر پر خطرے کی تلوار لٹک رہی تھی۔

ویرا اور رینا.... رینا اور ویرا۔ میرا ذہن ان دونوں کے درمیان بٹا ہوا تھا۔ میں نے مضطربانہ انداز میں کمرے میں

Downloaded from https://pksociety.com

ٹہلنا شروع کردیا۔

"آپ بلاوجہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہے ہیں۔ اپنے ذہن پر اتنا زور نہ دیں ورنہ تھک جائیں گے۔" چند ثانیوں تک میری کیفیت دیکھنے کے بعد غزالہ نے ہمدردانہ لہجے میں کہا "جو ہونا تھا' وہ ہو چکا ہے۔ اب آپ ویرا کا انجام خدا پر چھوڑ دیں۔ اس معاملے میں ہم سب بے بس ہیں۔"

"میں دانستہ کچھ نہیں سوچ رہا' یہ سب انسان کے دل ودماغ میں اٹھنے والی خود رو لہریں ہوتی ہیں جنہیں روکنا بس سے باہر ہوتا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ خدائی فیصلوں کے سامنے انسانی قوتیں بالکل بے بس ہوتی ہیں۔ ویرا کا وقت پورا ہو چکا ہے تو اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچاسکتی ورنہ اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔" میں نے رک کر جواب دیا۔

یہ سب جانتے ہیں تو پھر اس کے لیے اتنے پریشان کیوں ہیں؟" غزالہ نے پوچھا۔

میں پھیکے انداز میں ہنس پڑا "تم کہتی ہو تو اب پریشان نہیں ہوں۔" یہ کہہ کر میں ٹیلی وژن کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

مجھے اچانک احساس ہوا تھا کہ غزالہ میری بیوی تھی۔ اس کے سامنے کسی اور عورت' خاص کر ویرا جیسی خود سر اور بے باک عورت کے لیے میرا یوں پریشان ہونا مناسب نہیں تھا۔ ویرا کے لیے میری حد سے بڑھی ہوئی فکر مندی غزالہ کے جذبات مجروح کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔

میری پھیکی ہنسی کے ساتھ غزالہ بھرپور انداز میں ہنسنے لگی "کبھی کبھی آپ مجھے بچوں کی طرح بہلانے لگتے ہیں۔ یوں کہہ رہے ہیں جیسے پریشانی کا بھی کوئی بٹن ہوتا ہے۔ اسے دبایا اور پریشانی یک دم ختم ہوگئی۔ آپ نے ویرا کو غیر ضروری طور پر اپنے اعصاب پر سوار کیا ہوا ہے۔"

میں غزالہ کو گھور کر رہ گیا۔ فوری طور پر اس کے تبصرے کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔

"یہ ٹھیک ہے کہ وہ ہمارے ملک کی محبت میں سب کچھ بھول کر ہمارے ساتھ دردر کی خاک چھانتی پھر رہی ہے لیکن ہم لوگوں نے بھی اس کی خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔" مجھے خاموش پاکر غزالہ نے اپنی بات جاری رکھی "آپ قدم قدم پر اسے روکتے ٹوکتے اور سمجھاتے رہتے ہیں۔ اگر وہ ہر مشورے کو ٹھوکر مار کر اپنی من مانی پر تلی ہوئی ہے تو آپ کیا کرسکتے ہیں؟ کب تک اسے بچائیں گے۔ اس کی وجہ سے آپ کی قوت فیصلہ متاثر ہوگی جس سے ہم دونوں کو نقصان پہنچے گا۔"

غزالہ کی ہر بات بالکل درست تھی۔ کسی نکتے سے اختلاف کرنے کی کوئی گنجائش موجود نہیں تھی۔ میں نے دھیرے سے کہا "میں کوشش کروں گا کہ اس کے خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دوں۔ تفکرات کا یہ روگ جاری رہا تو واقعی میری کارکردگی متاثر ہوگی۔"

"آپ اپنے کام کو دیکھیں۔ رینا کو فون کرلیں۔ اس سے آپ کا دھیان بٹے گا۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد غزالہ نے تجویز پیش کی۔

اس دوران میں دور درشن سے خبریں شروع ہو چکی تھیں۔ میں نے غزالہ سے کہا کہ خبریں سننے کے بعد رینا کو فون کروں گا۔ اگر دہلی میں انسپکٹر ڈیوڈ کے قتل کی کوئی اہمیت تھی تو وہ خبر دور درشن پر آنی ضروری تھی۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ ملکی اور بین الاقوامی خبروں میں کہیں بھی انسپکٹر ڈیوڈ کا ذکر نہیں تھا۔

"ہم اس واقعے میں کسی حد تک ملوث ہیں اس لیے اس بارے میں سوچ رہے ہیں۔ یہ ایک مقامی واقعہ ہے۔ اخباروں سے ہی اس بارے میں کچھ پتا چل سکے گا۔" غزالہ نے ٹیلی وژن کی آواز دھیمی کرنے کے بعد کہا۔

"اب مجھے تمہارے مشورے پر عمل کرلینا چاہیے۔" میں نے مسکرا کر کہا اور فون کی طرف بڑھ گیا۔

رینا اجیت رائے کا تعلق ہمارے دشمنوں سے تھا۔ اس سے بات کرنے کے دوران میں سی ایس ڈی کے استعمال کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپریٹس بند تھا۔ میں نے اسے چھیڑے بغیر رینا کے کارڈ پر چھپا ہوا نمبر ملالیا۔

دوسری گھنٹی پر ایک پختہ نسوانی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ "کون ہے؟ کیا کام ہے؟" بے اختیار میرا دل چاہا کہ میں اس سے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے بارے میں پوچھوں اور تصدیق یا تردید سننے کے بعد فون بند کردوں مگر اس موقع پر ایسی کوئی معمولی سی حرکت بھی حریفوں کو ہوشیار کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔ جب تک میں رینا کی زبان سے کچھ نہ اگلوالیتا' میرا محتاط رہنا بہت زیادہ ضروری تھا۔

"میں مظہر بول رہا ہوں۔ رینا سے بات ہوسکتی ہے؟" میں نے کسی توقف کے بغیر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"ہولڈ کرو۔ میں دیکھتی ہوں۔" اس جواب کے ساتھ ریسیور پر موسیقی کے مدھم سر گونجنے لگے۔

اس عورت کا لب ولہجہ خالص پیشہ ورانہ تھا جیسے وہ برسوں سے فون آپریٹر کے طور پر کام کررہی ہو۔ اس آواز میں ذرا بھی گھریلو انداز نہیں تھا۔ وہ موسیقی اس پر مستزاد تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com